قرآنی فلسفۂ انقلاب

جلد اول

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

کتاب و سنت کے عظیم انقلابی فکر پر مبنی

قرآنی فلسفہ انقلاب

جلد اول

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین

طاہر حمید تنولی

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون:5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون:7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	قرآنی فلسفہ انقلاب (جلد اول)
تصنیف	:	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	طاہر حمید تنولی
کمپوزنگ	:	حامد سمیع، عبدالخالق بلتستانی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ www.Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل	:	جون 2000ء
تعداد	:	1,100
قیمت	:	-/230 روپے

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اٰیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ

قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ

﴿صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/۰-۹۷-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء، اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/اِنتظامیہ ۶۳-۶۱ ۸۰/۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

انتساب

پیغمبر انقلاب، ختم الرسل، مہبط وحی
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

کے نام جن کی بعثت نے دنیا کو نئی بعثت سے بے نیاز کر دیا۔

آں کہ شان او یہدی من یرید : از رسالت حلقہ گردما کشید
رونق از ما محفل ایام را : اور سل را ختم وما اقوام را
لا نبی بعدی ز احسان خدا است : پردہ ناموس دین مصطفیٰ است

صحیفہ انقلاب، ختم الوحی، ہدایت اقوم
قرآن مجید

کے نام

قلب محمد رسول اللہ ﷺ پر جس کے نزول کے بعد دنیا ہدایت نو سے بے نیاز ہو گئی۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است : ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
اندر و تقدیر ہائے غرب و شرق : سرعت اندیشہ پیدا کن چوں برق
مثل حق پنہاں وہم پیدا است ایں : زندہ و پائندہ و گویا است ایں

فہرست

نمبر	عنوانات	صفحہ
	مقدمہ	17
-1	باب اول	
	قرآنی فلسفہ انقلاب کیا ہے؟	63
	ابتدائیہ	65
	قومی زندگی میں راست فکر کی اہمیت	65
	قرآنی نظام فکر چہار گانہ فرائض نبوت کی روشنی میں	66
	تلاوت آیات	67
	تزکیہ نفوس	68
	تعلیم کتاب	68
	تعلیم حکمت	68
	اسوہ انبیاءؑ کی روشنی میں حکمت کی اہمیت	69
	کیا فلسفہ انقلاب ایک سائنس ہے	75
	معیاری دین	75
	معمول بہ دین	76
	ابدی فلاح کا قانون قرآن حکیم کی روشنی میں	82
	گزشتہ اقوام کے ہلاکت کے اسباب	91
	کامیاب لوگ کون ہیں؟	95
	کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟	100

صفحہ	عنوانات	نمبر
104	جدو جہد انقلاب کے تین ادوار	
104	انقلاب کے تعینات خمسہ	
105	تضاد کا تعین	
113	مراحل خمسہ کا تعین	
117	عبوری حکمت عملی	
118	رد عمل اور جوابی حکمت عملی	
118	موافقین کا رد عمل	
124	مخالفین ورجعت پسندوں کا رد عمل	
128	مخالفین و مصلحت پسندوں کا رد عمل	
133	قبل از وقت تصادم کا التواء	
135	نتیجہ خیزی کی ضمانت	
136	الوھی منصوبہ بندی	
139	احیائی جدو جہد	
142	ایمان	
149	عمل صالح	
154	فکری و باطنی کردار	
157	عملی و ظاہری کردار	
162	انقلاب کے دو نقطہ ہائے نظر	
163	انقلاب کا قرآنی تصور	
175	حواشی	

نمبر	عنوانات	صفحہ
2-	باب دوم	
	تاریخ زوال امت	189
	دور نبوت و خلافت راشدہ	191
	اموی و عباسی دور	195
	جنگ عظیم اول کے بعد	198
	برطانوی سامراج کا بھیانک منصوبہ	199
	خلافت اسلامیہ کے بارے میں ایک اہم اشکال اور اس کا جواب	202
	دور خلافت راشدہ بحیثیت تاریخ اسلام کا مثالی دور	203
	آئیڈیل ایک ہی ہوتا ہے	204
	اسلام کی سیاسی تاریخ میں نشیب و فراز کی حقیقت	208
	ایک مثال سے مذکورہ تصور کی وضاحت	209
	سیاسی قوت کے حصول کا مقصود	214
	حکمرانوں کی محلاتی زندگی کو قومی و ملی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا	215
	ایک لطیف نکتہ	218
	خلاصہ کلام	219
	دور زوال کا المیہ۔ دینی جد و جہد کی بے ثمریت	220
	دینی جد و جہد کی بے ثمریت کا مداوا	223
	قرآن اور اہمیت یقین کا بیان	226
	مشاہدہ نتائج کا یقین زائل کیونکر ہوا؟	233
	فکری نظام کا جمود	234

صفحہ	عنوانات	نمبر
235	قوت نافذہ کا چھن جانا	
235	فکری تغیرات	
241	حواشی	
	باب سوم	3۔
247	**سیاسی فکر میں تغیر**	
249	ابتدائیہ	
251	فکری سطح پر سیاسی فکر میں تغیرات	
252	سیاسی غلبہ قرآن وسنت کی روشنی میں	
256	سیاسی غلبے کا تصور	
256	فتح وکامیابی کا غیر متزلزل یقین	
258	لمحہ فکریہ	
260	دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت	
264	پیغمبرانہ جدوجہد کی تاریخ	
269	اہل حق کی پہچان	
271	نتیجہ خیزی کا تسلسل	
271	علمی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر	
272	عملی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر	
274	نظام انتخابات	
274	انتخابات کے لیے امیدوار کی شرائط اہلیت	
275	سیاسی جماعتوں کی اہلیت	

نمبر	عنوانات	صفحہ

	سیاسی ڈھانچہ	275
	حواشی	277
4۔	باب چہارم	
	معاشی فکر میں تغیر	281
	ابتدائیہ	283
	منصب دارانہ نظام کی اصل سنت مطہرہ سے	284
	دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کا نظام	286
	منصب دارانہ نظام کا خاتمہ	287
	قرآنی تصور کی جگہ فقہی و قانونی تصور کا اجراء	289
	اہل ثروت سے معاشی کفالت کی ذمہ داری کا خاتمہ	290
	اسلامی نظام معیشت میں ملکیت سے مراد محض امانت ہے	291
	کیا انفاق ایک اضافی نیکی ہے؟	293
	اخلاق و مذہب اور معیشت و اقتصاد میں تفریق	296
	کیا صحابہ کرام کا فقر اضطراری تھا؟	297
	اسلامی معاشرے میں تقسیم دولت کے گیارہ اصول	299
	حواشی	303
5۔	باب پنجم	
	فقہی و قانونی فکر میں تغیر	307
	ابتدائیہ	309

نمبر	عنوانات	صفحہ
	فقہی و قانونی فکر میں عملی تغیرات	309
	قانون اسلامی کا وظیفہ	315
	اقدار کا احیاء	316
	موجودہ مذہبی ذہن کی فکر	316
	فقہی و قانونی فکر میں علمی و فکری تغیرات	317
	اجتہاد کا فکری تصور	317
	قانونی جہت	318
	ہیئت اصلیہ و ہیئت کذائیہ	319
	معاشرتی جہت	320
	معاشی جہت	320
	دینی جہت	322
	حواشی	325
6۔	باب ششم	
	عمرانی و سماجی فکر میں تغیر	335
	ابتدائیہ	335
	دور جدید کی جاہلیت	335
	نسلی افتراق	336
	طبقاتی افتراق	336
	حمیۃ الجاھلیۃ، ظن الجاھلیۃ	336
	تبرج الجاھلیۃ، حکم الجاھلیۃ	337

صفحہ	عنوانات	نمبر

339	موثرات حیات کی تبدیلی کا اثر	
340	فتنہ وطن پرستی اور اقبال	
341	عمرانی و سماجی فکر میں تغیر کا سبب	
342	تدارک کا منہاج	
344	ہیت عمرانی کی تشکیل نو کی ضرورت	
345	خاندان	
350	مسجد	
351	مدرسہ	
353	ریاست	
354	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی انفرادی سطح	
354	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی قومی سطح	
355	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی بین الاقوامی سطح	
357	حواشی	
	باب ہفتم	7۔
361	تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر	
363	ابتدائیہ	
363	کلچر کیا ہے؟	
365	ثقافت کے تین نمونے	
368	انتقال تہذیب	
373	مسلم ثقافت کا ماضی اور حال	

نمبر	عنوانات	صفحہ
	مسلم تہذیب وثقافت پر باطل کا سہ جہتی حملہ	374
	نظریاتی حملہ	375
	ثقافتی حملہ	376
	جذباتی حملہ	378
	سہ جہتی حملہ کے بنیادی اسباب	379
	ادراک	380
	ارادہ	382
	جذبہ	384
	اسلامی تہذیب وثقافت اور مستشرقین	386
	جدید مسلم ذہن پر مستشرقین کا اثر	388
	تدارک کا منھاج	388
	مسلم معاشرے کے لیے لمحہ فکریہ	389
	حواشی	391
8۔	باب ہشتم	
	دینی ومذہبی فکر میں تغیر	395
	ابتدائیہ	397
	پہلا حملہ: مادیت	397
	مادیت سے جنم لینے والے فتنے	397
	حکم الجاھلیۃ	398
	ظن الجاھلیۃ	398

صفحہ	عنوانات	نمبر
398	تبرج الجاھلیۃ	
399	حمیۃ الجاھلیۃ	
400	دوسرا حملہ: اشراقیت	
400	تیسرا حملہ: متنبیت	
401	چوتھا حملہ: معرضیت	
402	طاغوتی یلغار سے پیدا ہونے والے تغیرات	
403	ا۔ تکمیل دین	
403	ب۔ ختم نبوت	
404	ج۔ توحید	
406	قرآنی نظام دعوت	
409	قرآن سے اخذ ہدایت کے موانع	
411	حواشی	
	باب نہم	9۔
417	تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر	
419	ابتدائیہ	
419	مذہبی علوم	
419	غیر مذہبی علوم	
420	دور زوال اور ہمارا دینی نصاب	
421	فن تفسیر کی تعبیر نو کی ضرورت	
423	کتاب و سنت اور اخلاقی فضائل	

صفحہ	عنوانات	نمبر
425	تعلیمی تغیر کا تدارک	
425	تربیتی فکر میں تغیر	
428	فطرت بالقوۃ	
428	فطرت بالفعل	
428	اقرار الوھیت	
429	فجور و تقویٰ کا امتیاز	
429	بصیرت نفس	
430	امانت کی ذمہ داری کا احساس	
433	فطرت بالقوۃ کی نشو و نما	
434	نفس امارہ	
434	نفس لوامہ	
435	نفس مطمئنہ	
437	حواشی	
441	**فرہنگ مصطلحات**	
457	**اشاریہ**	
531	**ضمیمہ جات**	

مقدمہ

تاریخ نے اپنے دامن میں تہذیب انسانی کے عروج وزوال کی کئی داستانوں کو سمیٹ رکھا ہے۔ تاریخ انسانی جہاں عروج و زوال اولاد آدم کی واقعاتی داستان بیان کرتی ہے۔ وہاں ان واقعات کے مابین السطور ان اسباب و علل کی نشاندہی بھی کرتی ہے جو اس کے عروج و زوال کا باعث بنے۔ تاریخ انسانی میں انبیاءؑ ہی وہ واحد طبقہ ہیں جنہوں نے انسانیت کو راہ فلاح دکھائی۔ غیر انبیاء میں سے جس نے بھی انسانیت کے گرتے وجود کو سنبھالا دینے کی جدوجہد کی وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انبیاء کرامؑ سے ہی خیرات نور لیتا رہا۔ تاریخ انبیاء کا یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر آ کر منتہائے کمال کو پہنچ گیا

آتش او صد ابراہیمؑ سوخت
تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

(اقبال)

حضور ﷺ کے ختم الانبیاء اور حامل ختم الوحی ہونے سے ہدایت ربانی کی ترسیل کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ انسانیت اب اپنے وجود بیمار کو حیات نو دینے کے لئے نئی بعثت کی محتاج نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن حکیم کو حدود زماں و مکاں کے اثرات سے پاک کر کے خاتم الوحی کا منصب بخشا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس کتاب مقدس کی ہدایت دہی کے محفوظ ہونے کو موعود کر دیا گیا۔ یہ خوش بختی امت مسلمہ کے حصے میں آئی ہے کہ وہ اس ہدایت ربانی کی وارث ہے:۔

گرچہ ملت ہم بمیرو مثل فرد
از اجل فرماں پذیرد مثل فرد

امت مسلم از آیات خدا است　　اصلش از ہنگامہ قالوا بلیٰ است
از اجل ایں قوم بے پروا استے　　استوار از نحن نزلنا استے
ذکر قائم از قیام ذاکر است　　از دوام او دوام ذاکر است
تاخدا ان یطفوا فرمودہ است　　از فسردن این چراغ آسودہ است

یہ منصب اب امت مسلمہ کا ہے کہ وہ اس ہدایت پر خود بھی کاربند ہو کر اپنے مقصود کو پائے اور اس کے نشر و فروغ کے لئے کاربند رہے۔ مگر جب امت مسلمہ نے اس ہدایت ربانی سے عملاً انحراف اور تمرد کی راہ اختیار کی تو قوانین قدرت کے تحت دولت ایام کا اثر امت مسلمہ پر بھی ہوا۔ اور غیر متبدل سنت الٰہی کا اجراء ان کا مقدر ٹھہرا۔ دور نبوت و خلافت راشدہ کے مثالی زمانے کے بعد جس دور میں بھی جس جس حوالے سے امت مسلمہ نے ہدایت قرآنی سے انحراف' تبدل' تمرد اور اعراض کا راستہ اختیار کیا وہ شعبہ حیات زوال کی نذر ہوتا گیا۔ اہل درد و صاحبان بصیرت کی طرف سے اصلاح احوال کی کوششیں بھی ہر دور میں جاری رہیں تاکہ امت کی ناؤ کو سوئے منزل رواں دواں رکھا جا سکے۔

اگر ہم احیائے اسلام کی کوششوں کی تاریخ کا جائزہ لیں تو احیائے دین کے حوالے سے تاریخ اسلام میں اٹھنے والی پہلی مؤثر آواز امام حسینؓ کی سنائی دیتی ہے۔ آپ کی آواز حق دراصل اس دور کی سامراجیت' جبر اور دین و ملت کے تشخص کو مجروح کرنے کی مکروہ کوشش کے خلاف حریت فکر اور ملت کے اجتماعی وجود کی بقا کی علمبردار تھی آپ کے بعد بھی ہر دور میں اہل حق نے ملی وجود کو حیات نو دینے کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ تاہم احیائے اسلام کی جدوجہد کو ایک باقاعدہ موضوع کے طور پر لے کر اٹھنے کا امتیاز امام غزالیؒ کو حاصل ہے۔ آپ کی تصنیف ''احیائے علوم الدین'' اس حوالے سے کلیدی کردار کی حامل ہے۔ آپ نے ان مؤثرات حیات کو بیان کرتے ہوئے جو ملی وجود کے مختلف شعبوں کو دوچار کرنے کا باعث بنتے ہیں' ان کے تدارک کا منہج بھی بیان کیا۔ دور جدید کے مفکرین میں شاہ ولی اللہ' جمال الدین افغانی' مفتی محمد عبدہ' حسن البنا' سید قطب شہید' عبیداللہ سندھی' علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وہ

نمایاں اہل دانش ہیں جنہوں نے احیائے اسلام کی انقلابی جدوجہد کو ایک فکر کے طور پر آگے بڑھایا۔ اگر ہم برصغیر میں فکر انقلاب کے فروغ کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو شاہ ولی اللہ' علامہ محمد اقبال' ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس مضمون کا عنوان ٹھہرتے ہیں۔ ان کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دھلویؒ اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ نو

اورنگزیب عالمگیر نے اگرچہ اپنے دور حکومت میں اکبری دور کے الحاد کا قلع قمع کر دیا تھا مگر اس . . بعد اس کے نااہل جانشینوں کی وجہ سے فتنوں کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ ایوان اقتدار سے لے کر عامۃ الناس تک ہر جگہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بیرونی قوتیں ان حالات میں ہندوستان کو حریص نگاہو، سے دیکھ رہی تھیں۔ شاہ ولی اللہ کی ولادت (۱۷۰۳ء) کے دور کے یہ حالات تھے۔ برصغیر پا . و ہند میں ملت اسلامیہ کے احیاء کے حوالے سے شاہ ولی اللہ کی خدمات جامعیت کی حامل ہیں۔ آپ نے ایک طرف عامۃ الناس کو دین کے اصل مبادی اور قرآن و سنت کی طرف را . ب کرنے کی ۔ کاوش کی تو دوسری طرف ملکی سیاسی و انتظامی حالات کو سدھارنے کے . ے بھی کوئی دقیقہ . و گزاشہ . نہیں کیا۔ الفوز الکبیر' المسوی اور المصفی شاہ صاحب کی قرآن و حد . ث کی خد . ت . ے حوا . . سے . ج بھی رہنما کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح فقہ و تصوف میر . شاہ صا حب . نے ا . صاف فی . ن سبب الاختلاف' التفہیمات الالٰہیہ' العقد الجید اور الطاف القد . . جیسی . تب لکھ کر . ختلافات و . اعات کو حل کرنے اور ملت کو تعمیری راہ پر ڈالنے کی سعی کی۔

شاہ صاحب کا دور سیا . ی لحا . سے بد ا . منی ' . . انف ا . . کی و . سیاسی عدم استحکام کا دور تھا۔ مسلمانو . . کے گر . تے . . . ے وجود اور . ر . ں قو . . . تو ۔ چ . . ے سمیٹنے کے لیے شاہ صاحب اپنی تمام تر توانائیاں . و . ے کار لائے . . احمد . اہ ا . ا . ان' نظام ا . لملک آصف جاہ اور کئی دیگر عمائدین کو ا . پنے خطو . ط میں شاہ صاحب نے برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کے دوبارہ احیاء کے لیے واضح رہنمائی فراہم کی۔ ان خطوط میں جہاں شاہ صاحب

کی ملکی حالات پر نظر اور ان کا صحیح تجزیہ نظر آتا ہے وہاں شاہ صاحب برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کے دوبارہ حصول کی ایمانی وایقانی بنیاد بھی فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔

عمرانی اور سیاسی فکر کے باب میں بھی شاہ صاحب نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حجتہ اللہ البالغہ میں بیان کردہ نظریہ ارتفاقات اربعہ اور معاشی نظریات شاہ صاحب کی ندرت فکر کے گواہ ہیں۔ غرضیکہ شاہ ولی اللہ کی کاوشیں برصغیر پاک وہند میں اسلامی تحریکوں کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فیوض الحرمین میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ میں نے خود کو قائم الزمان دیکھا۔ قائم الزمان سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی اچھے نظام کے قیام کا ارادہ فرمایا تو اس نے مجھے آلہ جارحہ بنایا۔"

تفہیمات میں بھی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اطلاع دی گئی کہ تم کمال کے افق کے سردار بن جاؤ گے یہاں تک کہ تیرے بعد آنے والا ہر مقرب الٰہی بلا واسطہ یا بالواسطہ تجھ سے اکتساب فیض کرے گا۔ اٹھارویں صدی کے بعد برصغیر میں اٹھنے والی تحریکوں کے داعیین بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر شاہ ولی اللہ سے ہی فیض یافتہ تھے۔

برصغیر پاک وہند میں اصلاح احوال کے لئے کاوشیں کرنے والوں میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمود الحسن (تحریک ریشمی رومال) ابوالکلام آزاد (حزب اللہ)، علی برادران (تحریک خلافت)، مولانا احمد رضا خان بریلوی اور جمعیت علماء ہند کا نام نمایاں ہے ان میں ہر شخصیت اور ہر تحریک کے اثرات ونتائج ان کے اپنے اپنے

نظام فکر و عمل کے تحت مرتب ہوئے جن پر آج تک بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔

عالمی سطح پر جمال الدین افغانی نے اتحاد امت مسلمہ کے انتھک سفیر کا کردار ادا کیا۔ ان کی صحبتوں و کاوشوں کے اثر سے ڈاکٹر محمد عبدہ' ڈاکٹر طہ حسین' علامہ رشید رضا جیسے لوگ سامنے آئے جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ اثر میں امت مسلمہ کی حیات نو کے لئے کام کیا۔ مذہبی حوالے سے تحریک وہابیت نے بھی بلاد عرب سے کام کا آغاز کیا مگر جمہور اسلام کے متعلق ان کے متشددانہ اور متعصبانہ رویہ نے تحریک وہابیت کو ایک جاندار تحریک بنانے کی بجائے ایک متشدد فرقہ اور گروہ میں بدل دیا۔ بلاد عرب سے رواں صدی کی نمایاں تحریک حسن البناء شہید کی اخوان المسلمین ہے جس کا آغاز ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اس نے حالات کی دگرگونی کے باوجود رواں صدی کی ایک نمایاں تحریک کے طور پر تاریخ کے صفحات میں اپنا نام لکھوایا۔ گو وہ اپنے مقاصد واہداف کے حصول میں کامیاب نہ رہی۔ ان تحریکوں کا تسلسل جاری ہے۔ اور عالم اسلام میں مختلف شخصیات اور جماعتیں حتی المقدور اصلاحی کاوشیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دور جدید میں جب بھی امت مسلمہ کے فکری و عملی انقلاب کے لئے کی جانے والی کاوشوں کی تاریخ لکھی جائے گی تو تین نام اس دور کا عنوان بنیں گے:

علامہ محمد اقبال۔ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور فکر احیائے ملت اسلامیہ

اس دور میں جبکہ عالمی استعمار نے امت مسلمہ کی زندگی کے ہر شعبے میں اپنے پنجے گاڑ دیئے تھے۔ اور شرق سے غرب تک عالمی سامراج عالم اسلام پر اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا۔ ہر جگہ امت مسلمہ کا وجود غلامی و محکومی کے چنگل میں گرفتار تھا اور اس کی حیات نو ایک خواب بن چکی تھی۔ یہ اقبال ہی کی شخصیت تھی جس نے

زوال اور ذلت کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں باوجود مغربی فکر کے پروردہ ہونے کے عروج مسلم کے چمکتے ستارے کو دیکھا:

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
تیرے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

(اقبالؒ)

احیائے ملت اسلامیہ کی حالیہ تاریخ میں اقبال کی حیثیت ایک برزخی سنگ میل کی ہے کہ اقبال نے مشرق و مغرب کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ مغرب کے اعلیٰ تر فکری و علمی دماغوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور پھر حضور ختمی مرتبت ﷺ، اسلام اور اقدار اسلام کی سربلندی کا نعرہ مستانہ بلند کیا۔ یعنی ایک طرف اقبال کی نظر دور جدید کی ترقی اور علمی عروج پر تھی تو دوسری طرف وہ احیائے ملت اسلامیہ کے علمبردار بھی تھے۔ دور جدید کے فکر و فلسفہ کا حامل ہونے کے باوجود اس سے مرعوب نہ ہونے اور فکر قرآن کو ہدایت بے بدل اور فلاح انسانیت کے لئے لازمی سمجھنے نے اقبال کے قول و فکر کو ثقاہت و اعتبار کے اعلیٰ تر درجے تک پہنچا دیا۔

دور جدید میں جو بھی فتنے اٹھ رہے تھے جن کا اثر ہماری حیات ملی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر پڑ رہا تھا اقبال نے ان کا صحیح ادراک کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کے بعد اقبال برصغیر کی شاید وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ملت اسلامیہ کو

درپیش مسائل کا علاقائی اور عالمی تناظر میں صحیح ادراک کیا۔ اور اس کے مرتب ہونے والے اثر کو اپنی مومنانہ بصیرت سے دیکھا:۔

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

اقبال نے اپنے دور کے فکری و نظریاتی بحرانوں کا اپنے نقد و نظر سے تجزیہ کیا اور ان کے اثرات سے قوم کو آگاہ کیا۔ اقبال نے جہاں اس دور کے عصری (Contemporary) مسائل و بحرانوں میں قوم کی سیاسی اور فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیا وہاں مستقبل کے عروج و اقبال کی بشارت دیتے ہوئے ان فکری مسائل کے حل کے لئے سعی بھی کی جو ملی وجود کے تشخص کو مجروح کر سکتے تھے۔

اس دور کا ایک بڑا المیہ ذات نبوت ﷺ کے ساتھ ملت کے انفرادی و اجتماعی تعلق کا تھا۔ کئی مذہبی و سیاسی وجوہات کی بنا پر اسے متنازعہ بنایا جا رہا تھا۔ اقبال نے اس فتنے کا موثر تدارک کیا۔ اور قوم کو اس کی اہمیت سے آگاہ کیا:۔

از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار مایک است
جزو ما از جزو ما لاینفک است
آں کہ شان اوست یھدی من یرید
از رسالت حلقہ گرد ماکشید
فرد از حق ملت از وے زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس و ہم مدعا گشتیم ما

(رموز بیخودی:اقبال)

ذات نبوت سے پیوستگی کو متنازعہ بنانے کے بحران کے بطن سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا۔ جس کا شکار نہ صرف عام سیاسی ذہن بلکہ خود مذہبی ذہن میں بھی تھا۔ وہ فتنہ وطنیت تھا۔ جب مذہبی اساطین بھی اس کا شکار ہو رہے تھے۔ اقبال نے اس تصور کو کہ اسلام میں ملت کی اساس وطن نہیں بلکہ دین ہے' واضح کرنے کے لئے نظم و نثر میں موثر آواز بلند کی۔ تاہم ان میں سب سے اہم علامہ کا وہ بیان ہے جو انہوں نے مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کے جواب میں دیا۔[1]

یہ اقبال کی ہی بصیرت تھی کہ انہوں نے اس وقت جنوب مشرقی ایشیا میں ایک الگ مسلمان ریاست کے قیام کی ضرورت کو محسوس کیا جب یہاں غلبہ باطل کے اثرات کے تحت ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کی کوئی امید نہ تھی۔

احیائے ملت اسلامیہ کے حوالے سے اقبال کی نظم و نثر میں تفصیلی افکار و خیالات ملتے ہیں خطبہ آلہ آباد میں برصغیر میں الگ وطن کے قیام کی تجویز بھی اقبال کے اسی فکر کا تسلسل ہے تاہم اس حوالے سے اقبال کا ایک مکتوب بڑا اہم ہے جو انہوں نے ۲۸ مئی ۱۹۳۱ء کو راغب احسن کو لکھا۔ اس میں اقبال نے احیائے ملت اسلامیہ کے مستقبل کے خدوخال کو بیان کیا:۔

"مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑے سے مراد

روح اسلاف ہے۔" (ضمیمہ نمبر ۶)

اقبال نے اپنے نظم و نثر میں ان تمام افکار و نظریات کا اجمالاً یا تفصیلاً تذکرہ کیا جو آج احیائے ملت اسلامیہ کے لئے چراغ راہ کا کام دے رہے ہیں۔

مسلم فکری تاریخ میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا مقام

اقبال کا جلایا ہوا چراغ کئی دیگر چراغوں کی ضونمائی کا باعث بنا۔ کیونکہ اس دور زوال میں اقبال کی بانگ درا نے مایوس قوم کے لیے دم عیسیٰ، خواب غفلت میں سوتے ہوؤں کے لیے بانگ رحیل اور راہ نوردوں کے لیے جرس کارواں کا کام کیا۔ اگرچہ اقبال کی زندگی اور بعد میں اس فکر احیائے ملت اسلامیہ کو مزید نکھارنے اور آگے بڑھانے کی کوششیں جاری رہیں مگر سب سے زیادہ واضح، مربوط، منظم اور نتیجہ خیز کوشش علی گڑھ کے سرمایہ دانش ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے تربیت یافتہ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی نے انجام دی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کو اقبال کی مجلس میں حاضری اور اقبال سے براہ راست مستفید ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی[۲]۔ وہی افکار و نظریات جن کا تعارف اقبال نے اپنے کلام و پیغام میں کروایا تھا۔ انہیں ایک مربوط نظام فکر میں ڈھالنے اور براہ راست اس کا ماخذ قرآن حکیم کو بنانے کا کام ڈاکٹر برھان احمد فاروقی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی نے ملت اسلامیہ کو دوبارہ انقلاب آشنا کرنے کے لئے جس فکر و فلسفہ کو اپنی زندگی بھر کے تفکر اور عرق ریزی کے ثمر کے طور پر پیش کیا وہ کئی لحاظ سے انہیں مسلم فکر و فلسفہ کی تاریخ میں مثالی مقام عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے فکر کے نمایاں امتیازات یہ ہیں:۔

ا۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلی مرتبہ علم بالوحی اور علم زائیدہ کے فرق کو واضح کیا اور

ان کے اثرات پر کماحقہ بحث کی۔ علم بالوحی اور علم زائیدہ کے فرق و تمیز نے اس امر کی تفہیم میں کلیدی حل کا کردار ادا کیا کہ مسلم امۃ قرآن حکیم کے انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون کی شان کے حامل ہونے کے باوجود کیوں زوال کا شکار ہو گئی۔ چونکہ مرض کی شناخت ہی شفا کی طرف نصف سفر کا طے کر لینا ہوتا ہے۔ مرض زوال کی آگہی نے اس کے ازالے کی سبیل آسان کر دی۔ ڈاکٹر صاحب علم بالوحی اور علوم زائیدہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"چونکہ قرآن علم غایت اور اس کے حصول کے ضامن لائحہ عمل کا علم ہے اس طرح اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم کی دعا میں مضمر نصب العین (جو مقصود بعثت کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا) حاصل کیسے ہو؟

لیکن انسانی استعداد کا زائیدہ علم "ماہیت کا علم" ہے جو علم الغایات سے اپنی نوعیت میں مختلف ہے۔ لہذا جب علم بالوحی انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھلا تو وہ تعبیر، تاویل، توجیہ و تعلیل کا علم بن کر رہ گیا۔" [۳]

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک علم بالوحی اور علم زائیدہ کے اس فرق کے عملی طور پر ملحوظ نہ رکھنے سے ملت اسلامیہ زوال میں گرتی چلی گئی۔ اور چونکہ وہ اس زوال سے نکلنے کی راہ سے خود ہی صرف نظر کر چکی تھی جو علم بالوحی کو کماحقہ اہمیت دینے سے عبارت تھا، تو مرور ایام کے ساتھ اس زوال سے نکلنے کا یقین بھی ملت کے دلوں سے محو ہونے لگا۔

کامیابی کے اس کھوئے ہوئے اعتماد کو پھر سے بحال کرنے کی تدبیر کیا ہو گی؟ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

"اس صورت حال کا اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ قرآنی اصطلاحات کا

مفہوم لغت کی بجائے آیات قرآن سے اخذ کریں۔ اور قرآن مجید نے اپنے بارے میں جو دعاوی کئے ہیں ان کے بر حق ہونے پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے اور قرآنی وحی کے عطا کردہ علم سے یکسانی کا نمونہ پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا منہاج متعین کریں جس کی ضرورت اب تک اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ تفسیر 'انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے 'علم بالوحی کا بدل بن گیا۔" ؎۴

علم بالوحی اور انسانی علم زائیدہ کے درمیان امتیاز کو نظر انداز کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ امت نے خاتم الوحی کو بھی عملاً صحف ماسبق کے درجے پر لا کھڑا کیا۔ زندگی کا عملی ربط و تعلق خاتم الوحی سے اتنا ہی رہ گیا جس طرح امم سابقہ کا اپنے صحف کے ساتھ تھا۔

صحف ماسبق اور خاتم الوحی میں امتیاز بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"پرانے صحیفے ہدایت ضرور تھے لیکن نئی بعثت کے امکان کی بنا پر کوئی صحیفہ متمم ہدایت نہ تھا۔ اس کے ذریعے اپنی پیغمبرانہ قیادت کے ساتھ ہر دین اپنی ذات میں ایسا ہی کامل تھا جیسا خاتم الوحی سے میسر آنے والا دین۔ نزول قرآن سے جو تکمیل دین ہوئی ہے۔ وہ نوع انسانی کو نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز کرنے کی تکمیل ہے۔ جس کا نتیجہ "ختم نبوت" ہے۔" ؎۵

علم بالوحی اور زائیدہ علوم میں غایئیت سے ماسوا عملی سطح پر فرق کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"علم بالوحی میں نہ تو ارتقائی تدریج ہے۔ نہ احتمال خطا۔ بخلاف اس کے انسانی استعداد کی زائیدہ علمیات ہر چند کہ علم ہی کے موضوع سے بحث کرتی ہے۔ اور اس کا

مسئلہ بھی یہی ہے کہ علم کیا ہے اور کیونکر ممکن ہے؟ (نہ یہ کہ عمل کیا ہے؟ اور غایت عمل کا حصول کیونکر ممکن ہے؟) مگر اس کے مسئلہ کا حل معرض ارتقاء میں ہے۔"[۶]

علم بالوحی اور علم زائیدہ کے زندگی کے مسائل کے حوالے سے منہج اقدام کے اسی فرق کی بنا پر زندگی پر ان اثرات کو عمل و علم سے معنون کیا جاسکتا ہے۔ یعنی علم بالوحی عمل کا عمل ہے جبکہ علوم زائیدہ فقط علم ہی کا علم۔ دونوں میں واضح فرق ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:۔

☆ "علم کا موضوع حقیقت محسوس ہے۔ اور عمل کا موضوع مقصود ہے۔
☆ علم کا مسئلہ ہے کہ حقیقت کیا ہے اور عمل کا مسئلہ یہ ہے کہ مقصود حاصل کیسے ہو؟
☆ علم کی ابتدا شک سے ہوتی ہے، عمل کی ابتدا یقین سے ہوتی ہے۔
☆ علم میں ادراک اہم ہے عمل میں ارادے کو اہمیت حاصل ہے۔
☆ علم کا بنیادی تصور جبر ہے عمل کا بنیادی تصور اختیار ہے۔
☆ علم کا وظیفہ توجیہہ و تعلیل ہے، عمل کا وظیفہ تخلیق نتائج ہے۔"[۷]

گویا علم بالوحی اور علم زائیدہ میں امتیاز کی معرفت ہی بے یقینی و بے اعتمادی کو یقین و اعتماد سے بے عملی و کسالت کو عمل و جہان نو آفرینی سے بدل کر ہمیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے کی سبیل فراہم کر سکتی ہے۔

۲۔ علم بالوحی اور علوم زائیدہ میں خط امتیاز قائم کر دینے کے بعد اور اس امر کے تعین کے بعد کہ آج امت مسلمہ کا غلبہ، تمکن اور عروج صرف علم بالوحی سے ہی ممکن ہوگا اس امر کی احتیاج تھی کہ اس کی عملی سبیل و تفصیل خاتم الوحی سے اخذ کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے قرآن حکیم میں تفکر کیا۔ اور براہ راست قرآن حکیم سے زوال سے نکلنے اور غلبہ و عروج حاصل کرنے کا اصول و منہاج دریافت کرنے کی

ضرورت کو محسوس کیا:۔

"اگر ہم پندرھویں صدی کا آغاز اسلام اور مسلمانوں کی نسبت امید و یقین اور خود اعتمادی سے کرنا چاہتے ہیں تو فرقہ پرستی کی بجائے قرآن مجید کے حجۃ من بعد الرسل کا اعتماد بحال کرنا ہوگا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ ہم مطالعہ قرآن کا ایک ایسا منہاج فراہم کریں جو علم بالوحی سے نمونہ علم میں یکسانی کی ضمانت مہیا کرے۔" ؎

۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا تیسرا بڑا امتیاز قرآن حکیم کو کتاب الغایات سمجھتے ہوئے اس سے حاصل شدہ ہدایت کی نتیجہ خیزی کا یقین ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف خود دولت یقین سے مالا مال ہیں بلکہ ان کا طریق استنباط و استدلال بھی قرآن حکیم کی ہدایت پر یقین کو پختہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس باب میں بنیادی سوالات کہ یقین کی غلبہ دین حق کی جدوجہد میں کیا اہمیت ہے؟ امت مسلمہ دولت یقین سے کیوں محروم ہوئی؟ اور موجودہ بے یقینی کو یقین میں کس طرح بدلا جا سکتا ہے؟ کا ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے قرآنی اور دینی اصطلاحات کا مفہوم از سر نو متعین کرنے کی سعی کی۔ کیونکہ دور زوال میں زاویہ ہائے فکر و نظر کے بدلنے سے الفاظ و اصطلاحات کے مفاہیم متغیر ہو گئے سیاست ہی کو لیں:۔

سیاست کار پیغمبراں بود

دریں دور کار بولہب شد

کے مصداق آج سیاست اور دجل و فریب ہم معنی بن چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دینی اور قرآنی اصطلاحات کے مفاہیم کے تعین نو کے لئے براہ راست قرآن حکیم کو بنیاد بنایا۔ اصطلاحات کے مفاہیم کی تعبیر نو کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس صورت حال کا اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ قرآنی اصطلاحات کا مفہوم لغت کی بجائے آیات قرآنی سے اخذ کریں اور قرآن مجید نے اپنے بارے میں جو دعاوی کئے ہیں ان کے برحق ہونے پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے اور قرآنی وحی کے عطا کردہ علم سے یکسانی کا نمونہ پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا منہاج متعین کریں۔ جسکی ضرورت اب تک اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ تفسیر' جو انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے علم بالوحی کا بدل بن گیا۔" [9]

"تمام علوم اپنی اصطلاحات میں بند ہیں۔ اور کسی علم سے اس کی اصطلاحات کو سمجھے بغیر استفادہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم قرآنی نقطہ نظر سے اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو ہمیں قرآن کا مطالعہ نزول قرآن کے مقصد کی روشنی میں کر کے قرآن مجید ہی سے یہ جستجو کرنی پڑے گی کہ جن شرائط کے پورا ہونے پر قرآنی دعووں کے پورا ہونے کا انحصار ہے وہ کیسے پوری کرتا ہے۔" [10]

وہ اصطلاحات جن کا مفہوم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی روشنی میں متعین کیا ان میں ختم نبوت' تکمیل دین' الکتاب' حجۃ من بعد الرسل' تزکیہ' غیب' رزق' توحید و شرک' اقدار' اخلاق اور تبلیغ اہم ہیں۔ ان اور دیگر کئی اصطلاحات کے مفہوم تازہ کو دیکھ کر اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ:۔

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

۵۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اصطلاحات قرآنی کو قرآن حکیم کی روشنی میں نیا مفہوم دیا بلکہ اپنے فکر و فلسفہ کو واضح کرنے کے لئے نئی اصطلاحات بھی متعارف

کروائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جن نئی اور جامع اصطلاحات کا مسلم فکر کے سرمائے میں اضافہ کیا ان میں مطاع مشہود، منہاج، انسان مرتضیٰ، شکست خوردگی، روحانی الذہن، موثرات حیات، ایتائے حقوق، معیار، مزاحمت، مزاحمت مزاحمت، فطرت اور صحیفہ انقلاب جیسی جامع اور وسیع المفہومی اصطلاحات شامل ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے قرآن حکیم کو صحیفہ انقلاب سمجھتے ہوئے حصول نصب العین کے لئے قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کا ایک ضابطہ کار بھی وضع کیا جسے انہوں نے منہاج کا نام دیا:۔

"منہاج مسائل حل کرنے کے طریقے کو کہتے ہیں۔" [۱۱]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ منہاج ہے کیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔ "منہاج کے دو اجزا ہیں:

۱۔ بنیادی اصول اور

۲۔ اس اصول کے تحت مسائل کو حل کرنے کا عمل۔" [۱۲]

ڈاکٹر صاحب بنیادی اصول کے ضمن میں آقا ﷺ کی آرزو اصلاح انسانیت کو مقدم اور نزول قرآن کو موخر قرار دیتے ہیں اور مسائل کے حل کرنے کے عمل کے ذیل میں یہ چار مدارج بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تمیز (Distinction):

اس کے تحت علم وحی اور علوم زائیدہ میں امتیازات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ تعین (Determination):

اس مرحلے کے تحت قرآنی علوم کی ماہیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

۳۔ تضمن (Implication):

تضمن سے مراد شرائط (مضمرات کا تجزیہ) سے ہے جن پر کامیابی کا انحصار ہے اس کے تحت ڈاکٹر صاحب تین کائناتی قوانین اخذ کرتے ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۴۔ حدود (Delimitation):

اس سے مراد علم وحی کی ان حدود کو واضح کرنا ہے جن سے تجاوز پر علم وحی علم انسانی کی طرح بے اثر ہو جاتا ہے۔"[۱۳]

۷۔ ڈاکٹر صاحب کی فکر کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ حق وباطل کی معرکہ آرائی میں اہل حق کے لیے تخلیق نتائج کے حامل ۳ قوانین قرآن حکیم سے اخذ کرتے ہیں:۔

i۔ کائناتی قانون نشوونما

ii۔ تاریخی قانون تضاد

iii۔ اخلاقی قانون سعادت وشقاوت

i۔ کائناتی قانون نشوونما

نشوونما کے معنی مقصد کے قریب تر ہوتے جانا ہے۔ اس قانون کی تشکیل قرآن مجید ان الفاظ میں کرتا ہے:

جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین. (فرقان:۳۱)

لہذا ہر نبی جب اپنی دعوت پیش کرتا ہے تو مجرموں کی جانب سے دعوت کی مزاحمت ہوتی ہے اور اس مزاحمت کی مزاحمت سے دعوت کامیاب ہوتی ہے۔ اور بعثت کا مقصد حاصل ہوتا ہے اس قانون کی خاصیت یہ ہے کہ یہ بدلتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولن تجد لسنت اللہ تحویلا. (فاطر:۴۳)

یہ قانون نا قابل شکست اور نا قابل تغیر ہے۔ یہ مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا قانون ہے اس قانون کا وظیفہ (Function) یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر مقصود حاصل ہو کر رہتا ہے اور جب قومیں زوال میں مبتلا ہو کر اس قانون سے' اس کی ماہیت سے' اس کی خاصیت سے اور اس کے وظیفے (Function) سے غافل ہو جاتی ہیں تو زوال میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔" [۱۴]

ii۔ تاریخی قانون تضاد

قانون نشو و نما جب تاریخی قانون تضاد کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کی تشکیل یہ ہو جاتی ہے:۔

۱۔ دو جماعتیں وجود میں آتی ہیں: حزب اللہ اور حزب الشیطان۔

۲۔ ان دونوں کا اپنا اپنا مقصود ہوتا ہے: حزب اللہ کا حق کو غالب کرنا اور حزب الشیطان کا مقصود باطل کی حفاظت کے لئے نفع بخشی اور فیض رسانی کو روکنا۔

۳۔ ان دونوں جماعتوں کی اپنے اپنے مقصود سے وفاداری ہوتی ہے جس کے پیچھے دو منظم ارادے ہوتے ہیں۔

۴۔ ان منظم ارادوں کے درمیان تصادم ہوتا ہے

۵۔ اس تصادم کو کامیاب بنانے کے لیے دو پروگرام ہوتے ہیں اس کی حتمیت کے ساتھ اس کا نتیجہ اخلاقی قانون سعادت وشقاوت سے متعین ہوتا ہے۔ [۱۵]

iii۔ قانون سعادت وشقاوت

تاریخی قانون حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان تضاد و تصادم کا قانون ہے جس کے نتیجے میں حزب اللہ ہی کو غلبہ حاصل ہونا چاہیے اور حزب الشیطان کو

شکست ہونی چاہئے۔ اس کی ضمانت اس قانون سعادت وشقاوت میں ہے:

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا۔ (الشمس:۷۔۱۰)

کیونکہ جس کا نفس حرص ولالچ سے پاک ہوگا وہی دوسروں کو نفع بخشی اور فیض رسانی کرے گا اور نشوونما دے گا۔ اسلئے فلاح پائے گا۔ اور جو اپنے نفس کو حرص ولالچ میں مبتلا رکھے گا، نفع بخشی، فیض رسانی اور نشوونما کو روکے گا اس لئے تباہ وبرباد ہوگا۔[16]

فلسفہ انقلاب کے قرآنی استخراج اور عملی اطلاق کا عنوان:

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

یہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کے طبعی فقر، بے غرضی، توکل، درویشی اور زندگی بھر کی قرآن عظیم کی ساتھ وابستگی و تفکر کی برکت تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے فکر کو آگے بڑھانے اور اسے فروغ پذیر کرنے کا کام انجام دینے کے لیے رب ذوالجلال نے ایک ایسی شخصیت کو ڈاکٹر صاحب کے حلقہ درس میں شامل کردیا جس نے سن شعور کے آغاز سے ہی اپنی زندگی انقلاب اسلام کے لیے وقف کردی تھی۔ یہ شخصیت نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہے۔ قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی جاندار، ولولہ انگیز، سراپا یقین، بیدار مغز اور متحرک شخصیت نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی متعارف کردہ فکر انقلاب کی نہ صرف فکری تکمیل کی[17]، اس کے تشنہ پہلوؤں کو اپنی علمی وفکری صلاحیتوں سے مکمل کیا بلکہ اسے عملاً اپنا کر ایک زندہ حقیقت میں بدل دیا۔

قرآنی فلسفہ انقلاب کو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کرنے کا کام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دوران طالب علمی ہی شروع کردیا تھا اور ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء تک اس کے

اساسی خدوخال قرآن حکیم کی روشنی میں وضع کرلیئے تھے۔ جن کی روشنی میں بعد میں انہوں نے اپنی عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ملاحظہ ہوں اس کے کتاب کے آخر میں دیے گئے:

ضمیمہ نمبر ا۔ منتخبات قرآن جو قرآن حکیم کی انقلابی ہدایت سے عبارت ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲۔ قرآنی فلسفہ انقلاب کے بنیادی خدوخال۔

ضمیمہ نمبر ۴۔ تحریر قائد انقلاب محررہ ۱۹۷۳ء

ضمیمہ نمبر ۵۔ جدول عروج وزوال امم

ڈاکٹر برہان صاحب کی فکر انقلاب کا عنوان "منہاج القرآن" آج مشرق سے مغرب تک برپا عالمی انقلابی تحریک کا عنوان ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے "واما ما ینفع الناس " کے تحت امت مسلمہ کے عروج کے لیے قرآن حکیم میں تفکر کیا تو ان کے اس تفکر کو تحریک منہاج القرآن کی شکل میں رب کائنات نے فیمکث فی الارض کا مصداق بنادیا۔[۱۸]

ڈاکٹر اقبال نے جن تصورات کو متعارف کروایا تھا' ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی علمی و فکری بصیرت کی روشنی ان تصورات کو لیکر قرآن حکیم کی رہنمائی میں ایک فکر انقلاب وضع کرنے کی کاوش کی اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اسے ایک منظم فکر اور زندہ نظام میں بدل کر ایک تحریک کی شکل دے دی' قرآنی فلسفہ انقلاب کے فکر کو قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کئی پہلوؤں سے حد تکمیل تک پہنچایا:۔

ا۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے قرآن حکیم کو علم الغایات قرار دیا تھا مگر

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآنی وسعت و جامعیت کو دلائل و براہین سے بیان کیا۔ آپ مناہج العرفان فی لفظ القرآن میں فرماتے ہیں:

"یہ وہ کتاب ہے جو ہر شے کا علم اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے۔ اور تمام علوم و معارف پر حاوی اور محیط ہے۔"

ڈاکٹر محمد طاہر القادری قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو براہ راست قرآن حکیم سے ہی اخذ کرتے ہیں۔ قرآن کے مادہ ہائے اشتقاق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"لفظ قرآن کا پہلا مادہ اشتقاق قرء ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے "قرآن" کے دو معانی قرار پاتے ہیں:۔

ا۔ وہ کتاب جسے جمع کیا گیا ہو۔

۲۔ وہ کتاب جس کے اندر سب کچھ جمع کر دیا گیا ہو۔

قرآن کی اس شان جامعیت کو پھر ڈاکٹر صاحب داخلی اور خارجی دلائل سے بیان کرتے ہیں۔ داخلی دلائل بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیات (النحل: ۸۹، یوسف: ۱۱۱، الانعام: ۳۸، ۵۹، بنی اسرائیل: ۱۲) بیان فرماتے ہیں اور علامہ ابن برھان کا قول نقل کرتے ہیں:۔

ما من شي ء فهو في القرآن او فيه اصله

"کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر یا اس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔"

اسی طرح خارجی دلائل کے حوالے سے بھی جدید سائنسی فتوحات کی اصل اور جدید سائنسی علوم کے بنیادی اصولوں کو قرآن حکیم سے اخذ کر کے اس حقیقت کو

واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو شان جامعیت اور تفصیلیت عطا کی گئی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآن حکیم سے ماخوذ اصطلاحات کا سیرت نبوی اور اسوۂ انبیاء کی روشنی میں اطلاق کر کے ان کی مقصدیت کو منتہائے کمال تک پہنچادیا غلبہ دین حق کی جدوجہد کو انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد کی روشنی میں بعثت دعوت‘ اور اس کے نتائج کے حوالے سے مربوط کر کے واضح کیا۔ کہ کس طرح دینی جدوجہد کی نتیجہ خیزی کی قرآن حکیم ضمانت دیتا ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے تضاد کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ مگر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کی وضاحت کی کہ جب دعوت حق بلند ہو گی تو اسے ۳ طرح کی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا:

فرعونیت۔ قارونیت۔ ھامانیت

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دینی جدوجہد اور انقلابی کاوشوں کو ”مصطفوی انقلاب“ کا دل آویز عنوان دے کر فکر انقلاب کو ہر برنا و پیر کا جزو نطق بنادیا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے مذہبی واردات کو عصر نو کی ضرورت قرار دیا تھا ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تصوف کو زندگی کی زندہ قدر میں بدلنے کی تحریک کا آغاز کیا۔ آپ آسمان تصوف کے درخشندہ آفتاب سیدنا قدوۃ الاولیاء طاہر علاؤالدین القادری سے بیعت ہیں۔ اور فکری و نظری طور پر جمہور صوفیاء کی روایت فکر کے امین ہیں (ضمیمہ نمبر ۷)۔ مذہبی واردات کے حصول کا راستہ صرف تصوف ہے۔ جسے حقیقت میں بدلنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے خانقاہی نظام کا اجراء فرمایا۔ اور اس کے لیے باقاعدہ عملی دستور مرتب کر کے ہر سال ہونے والے سالانہ اجتماعی اعتکاف میں اس پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا۔

آپ نے اس تصور کو کہ مذہبی واردات ایمان و عمل کی خلیج تضاد کو پاٹنے کا ذریعہ ہیں عمل میں ڈھالا۔ اور اس تصور کو واضح کیا کہ کس طرح تصوف سے مذہبی واردات کا حصول ممکن ہے:۔

"تصوف کی ایک حیثیت ان مذہبی واردات کی ہے جن کے ذریعے ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ ہوتا ہے اور ایمان کے بعد "درجہ ایقان" حاصل ہوتا ہے۔ بقول استاذی المکرم ڈاکٹر برہان احمد فاروقی "انسانی شخصیت کے منظم و منضبط ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اعتقاد، علم اور عمل باہم سازگار ہوں"۔ زندگی میں اعتقاد اور علم باہم سازگار نہ رہیں تو عمل، اعتقاد کا ساتھ نہیں دیتا شخصیت اختلال کا شکار ہو جاتی ہے اور سیرت ضبط انقیاد کی بجائے مضمحل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے انسانی سیرت کو منظم و منضبط کرنے کی خاطر اعتقاد، علم اور عمل کو باہم سازگار کرنا ناگزیر ہے۔ اس کی تائید ہمارے روزمرہ کے مشاہدے سے ملتی ہے۔ ہم بحیثیت مسلم حقائق مابعد الطبیعی پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا ایوان اعتقاد متزلزل ہے اور ہم بحر تذبذب میں غوطہ زن ہیں۔ اگر قارئین حقیقت پسندانہ نظر سے اپنے دل و دماغ کا جائزہ لیں تو انہیں دبی آواز میں اس امر کی تائید سنائی دے گی۔ بالخصوص ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اس کش مکش قلب و ذہن میں مبتلا ہے۔ یہی عدم اطمینان، فکری انتشار اور ذہنی تشتت کا باعث بن رہا ہے۔ ہمیں ایسے حالات میں فکر کرنا ہو گا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس اختلال کا سبب کیا ہے؟ ہمارے اعتقاد، علم اور عمل میں یکسانیت اور سازگاری کیوں مفقود ہے؟ کیا اس کا جواب یہی ہے کہ ایسے طبقہ کو محض کافر و ملحد قرار دے دیا جائے؟ کیا اس کا علاج یہی ہے کہ اس ہمہ گیر کش مکش سے صرف نظر کر لیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ اس طرح مذہبی قیادت اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ہمیں منصفانہ

غور و فکر کا انداز اپنانا ہوگا۔ نئی نسل کو ان کی ذہنی و قلبی بے اطمینانی اور فکری افتراق کے باعث لادین قرار دینے کی بجائے انہیں اطمینان بخش جواب مہیا کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر عصر حاضر میں اسلام کی صحیح خدمت ناممکن ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دور سائنسی دور ہے عقل ہر چیز کو مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھتی ہے اس کے بعد ردو قبول کا فیصلہ کرتی ہے۔ مخالفین اسلام اپنے نظریات کو تجربہ و مشاہدہ کے ذریعے منوانے میں مصروف ہیں۔ سائنسدان جو دعویٰ کرتے ہیں۔ اسے تجربہ گاہ میں تجربی توثیق(Experimental Verification) کے ذریعے درست ثابت کر رہے ہیں' اور عقل لامحالہ انہیں محققین کے دعووں کی جانب جھکی جارہی ہے' جنکا نظام فکر روحانیت کے انکار اور مادیت کے اثبات پر قائم ہے۔ جو لوگ مادہ(Matter) کو ہی آغاز و انجام سمجھتے ہیں عالم روحانیت یا مسائل مابعد الطبیعیات کی نسبت کوئی واضح موقف نہیں رکھتے' عقل پسند طبقہ میں مقبولیت حاصل کر رہے ہیں کیونکہ جب عقل اپنی عادت کی بنا پر ایمانی حقائق کے نتائج کو مشاہدہ(Observation) کی کسوٹی پر پرکھتی ہے تو ناکام رہ ۔ لہذا ہمارا علم (جو تجربہ کی بنا پر حاصل ہوتا ہے) اعتقاد (ایمان) کی کامل تائید و تصدیق نہیں کر سکتا۔ جب اعتقاد اور علم میں یکسانیت و ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی تو عمل' اعتقاد سے سازگار نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان کی سیرت و شخصیت مختل اور مضمحل ہو کر رہ گئی ہے' لیکن موجودہ مذہبی قیادت قرآن و سنت سے ہدایت لے کر اس تشکیک قلب و نظر کو رفع کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اب ہمیں قرآن سے یہ تلاش کرنا ہوگا کہ ایمان میں پختگی ثابت قدمی اور رسوخ و تیقن کیسے حاصل ہو؟ تجربہ و مشاہدہ کی جستجو اور طلب' فطرت انسانی میں ودیعت کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان بالغیب کے بعد بھی حضور

الوہیت میں سوال کرتے ہیں۔

رب ارنی کیف تحی الموتیٰ (۲:۲۶۰)

"اے رب مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔"

یہ سوال عدم ایمان کی بناء پر نہیں بلکہ حصول ایقان و اطمینان کی خاطر ہے۔ خود فرماتے ہیں۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ یہ طلب مشاہدہ اطمینان قلب کے لیے ہی تو تھی جس کی حاجت خدا کا برگزیدہ نبی محسوس کر رہا ہے۔

وکذالك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین.

اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سیر کراتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

(۶:۷۵)

ابراہیم علیہ السلام کو اہل ایقان بنانے کی خاطر آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا جارہا ہے۔ گو "ایمان بالغیب" سے یقین ہو جاتا ہے اور یہ اشارہ یومنون بالغیب میں مضمر ہے تاہم درجہ ایقان (کمال یقین) اپنی جگہ مسلم ہے اور اس کے لیے مشاہدہ درکار ہے۔

خدا کے لیے مومنین کی مدد اس کا حق ہے اور اس کی جانب سے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا حاصل ہونا تمام مسلمانوں کا عقیدہ و ایمان ہے مگر حصول ایقان کی خاطر اس ایمان کے نتائج کا مشاہدہ یوں کرایا جارہا ہے۔

اذا جآء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین

جب خدا کی مدد آگئی اور فتح حاصل ہوگئی تو دیکھئے کہ لوگ فوج در فوج

الله افوا جا. اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

(۱۱۰:۱‘۲)

ایمانی حقیقت (نصرت الٰہی) کے نتیجے کا مشاہدہ حاصل ہو جانے کے بعد اب تلقین عمل کی جا رہی ہے۔

فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا. پس تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر اور استغفار کر' بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(۱۱۰:۳)

بظاہر یہ خطاب جناب رسالت مآب علیہ التحیۃ والتسلیم سے ہی ہے مگر عمومی سطح پر اسلامی معاشرے کے وہ تمام افراد مخاطب ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے نتائج دیکھے تھے۔ ثابت ہوا کہ قرآن نے خود حصول یقین اور اطمینان قلب کا طریق یہ بتایا ہے کہ ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ ہو تا کہ "رسوخ فی الایمان" نصیب ہو سکے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان حقائق کے نتائج کا مشاہدہ کیونکر ممکن ہے؟ رموز دین اور اسرار شریعت پر آگہی رکھنے والے اکابرین امت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف جو مذہبی واردات کی حیثیت رکھتا ہے "حصول ایقان" ' "رسوخ فی الایمان" اور پختگی اعتقاد کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ تصوف میں اخلاص و محنت سے چلنے والا ہر انسان ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ کرتا ہے۔ امام غزالیؒ' مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس دعویٰ کی صحت و حقانیت کے سب سے بڑے حامی و مؤید ہیں۔ وہ ذاتی تجربات و مشاہدات کی بنا پر تصوف و طریقت کو رسوخ الایمان کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالیؒ کی رائے اس سلسلے میں ملاحظہ ہو:

و اما الذوق فهو كالمشاهدة الا خذ باليد ولا يوجد الا فی طريق الصوفيه.

(المنقذ من الضلال)

اور جہاں تک ذوق کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت آنکھوں سے کیے ہوئے مشاہدے اور ہاتھوں سے محسوس کیے ہوئے کام کی طرح ہے اور یہ ذوق صرف طریق صوفیہ میں پایا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ تصوف کی نسبت فرماتے ہیں۔

فهذا هو منهاج تحصيل العلم الضروری.

(المنقذ من الضلال)

پس علم ضروری کی تحصیل کا یہی طریقہ (منہاج) ہے۔ آپ صوفیہ کے مشاہدہ کی نسبت فرماتے ہیں:

ومن اول الطريقة تبتدئی المكشافات والمشاهدات حتی انهم فی يقظتهم يشاهدون الملائكة و ارواح الانبياء و يسمعون منهم اصواتا ويقتبسون منهم فوائد.

(المنقذ من الضلال)

اور ابتداء طریقت میں مکاشفات و مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عین حالت بیداری میں وہ ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں' ان کی آوازیں سنتے اور ان سے کسب فیض کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ اسی باب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

و هذه حالة يتحققها بالذوق من سلك سبيلها......ومن

اور یہ وہ حالت ہے جس کا سالک کو ادراک ذوق سے ہوتا ہے......اور جو

جالسهم استفاد منهم هذا الایمان فهم القوم' لا یشقی جلیسهم.

(المنقذ من الضلال)

کوئی ان کے پاس اٹھے بیٹھے گا وہ ان سے اسی طرح کے ایمان کا ثمر پائے گا......یہی وہ لوگ ہیں جن کی صحبت میں بیٹھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔

لہٰذا جب تصوف کی وساطت سے اعتقاد علم اور عمل باہم یکساں اور سازگار ہو جائیں تو کوئی سبب نہیں کہ انسانی سیرت ضبط و انقیاد کا نمونہ کامل نہ بنے۔ اسی طرح جب نفس انسانی تصوف (مذہبی واردات) کا انفرادی طور پر محتاج ہے تو معاشرہ اس کی ضرورت و حاجت سے کیونکر بے نیاز ہو سکتا ہے۔ جیسی سیرت و شخصیت والے افراد کا اجتماع اداراتی صورت میں موجود ہوگا۔ اسی قسم کا معاشرہ قائم ہوگا۔ اور اسلام جو کہ صالحیت اور نظم و ضبط کے اعتبار سے ایک مثالی معاشرہ کا متقاضی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلامی معاشرہ اپنے صحیح اسلامی وجود' بقا اور ترقی و استحکام کے لیے مزکی و مصفی اور منقاد افراد کا حاجت مند ہے۔ چونکہ افراد کا یہی تزکیہ و تصفیہ ہی طریق تصوف ہے پس اسلامی معاشرہ کسی صورت میں بھی تصوف کی ضرورت و احتیاج سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

مذہبی واردات کی ماہیت بندے اور خدا کے درمیان نسبت کا شعور و تحقق ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر "ماہیت اسلام" کا شعور و تحقق مذہبی واردات (تصوف) کہلاتا ہے اور یہ شعور پوری انسانی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے اور عملی زندگی کا ایک خاص انداز اس نسبت کے تحقق ہونے کا شاہد ہے چونکہ افراد کی شخصیت اپنے نمونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور اس اختلاف نوعیت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شعور کے تین پہلو ہیں۔ جذبہ' ارادہ اور ادراک۔

نسبت کی نوعیت کا انحصار سالک کی انفرادی شخصیت کی اس خصوصیت پر ہے کہ اس کے شعور میں جذبہ ارادہ اور ادراک کے تین پہلوؤں میں سے کون سا پہلو غالب ہے۔ اس طرح ہر سالک کی واردات یعنی اس نسبت کے حصول اور اس کے تابع اس کی باطنی کیفیات کی حیثیت انفرادی واردات کی رہتی ہے اور ہر صاحب ولایت کو چونکہ واردات' نسبت کی ایک مخصوص شکل میں عطا ہوتی ہیں اس لیے اس سے مستفید ہونے والوں کی صلاحیت ان کی اپنی احتیاج اور شخصیات کے نمونوں کے حوالوں سے متعین ہوتی ہے اسی لیے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسبت کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے بعض شیوخ سے بعض طالبوں کو جیسا فیض درکار ہو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صورت حال دونوں کے اخلاص کے باوجود پیش آسکتی ہے اور ان طالبوں کو روحانی استفادے کے لئے بعض دیگر شیوخ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ البتہ شیخ قوی توجہ کا حامل ہو اور اگر چاہے تو کسی طالب کی نسبت بدل بھی سکتا ہے اور نسبت کا بدلنا خالصتاً شیخ کے روحانی تصرف کا نتیجہ ہوگا اور اس طرح اس طالب کو حصول فیض باطنی کے لیے کہیں اور رجوع کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور مطلوبہ فیض اپنے شیخ سے ہی حاصل ہوسکے گا۔

فطرت انسانی میں جب خدا طلبی کا داعیہ بیدار ہوتا ہے تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان جو نسبت ہے وہ متحقق ہو جائے۔ اس کے لیے جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں کوئی استعداد ایسی ضرور موجود ہے جس سے یہ نسبت بالفعل پیدا ہو جائے۔ وہ استعداد "وجدان" ہے۔ اگر وجدان کی استعداد تزکیہ کے بعد نشو نما پائے تو بیک وقت محسوسات' معقولات اور ورائے معقولات حقائق کے ادراک کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جس طرح حواس خمسہ ظاہری محسوسات کے علم کا ذریعہ

ہیں اور حواس خمسہ باطنی ورائے محسوسات کے ادراک کا ذریعہ ہیں اسی طرح صوفیہ کے نزدیک لطائف خمسہ ورائے معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہیں۔

تعلق باللہ انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر نفس کا تزکیہ نہ ہونے سے اسی تعلق کا ادراک و شعور اس لیے نہیں ہوتا کہ خواہشات نفسانی حجاب بنی رہتی ہیں۔ در حقیقت یہ حجابات ابتداءً خدا طلبی کی راہ میں سازگار شرط ہیں۔ ان کی وجہ سے خوابیدہ عزم بیدار ہوتا ہے۔ نفس خوگر آلام ہوتا ہے۔ انسان ان نفسانی حجابات کی ظلمت سے آشنا ہو کر اس ظلمت کو نور سے بدلنا چاہتا ہے۔ ریاضت و مجاہدہ کیا جاتا ہے اور اس طرح اس کی طبیعت ضبط و انقیاد کی عادی بنتی ہے۔ انجام کار یہ حجابات نفسانی رفع ہو جاتے ہیں۔

ان حجابات کے اٹھ جانے سے سالک کی طبیعت میں خاص نسبت کا تحقق ہو جاتا ہے۔ باطن کی آنکھ کھل جاتی ہے جس سے روحانی حقائق منکشف ہو جاتے ہیں اور لطائف کی زبان کھل جاتی ہے جس سے روحانی معارف بیان ہونے لگتے ہیں۔[۱۹]"

۴۔ جدوجہد انقلاب اور غلبہ دین حق کے نصب العین کے حصول کا لائحہ عمل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے اس لائحہ عمل کے مختلف مدارج یوں بیان کئے ہیں۔

۱۔ تضاد جو جدوجہد سے پہلے ہوگا۔

۲۔ کامیابی کی ضمانت

۳۔ قبل از وقت تصادم سے گریز

۴۔ انقلاب کے ۳ طرح کے رد عمل

۵۔ استقامت کا محرک

۶۔ ہر رد عمل کا مناسب جواب دینا ہوگا۔

مگر جب بنظر غائران مدارج کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان متعین کردہ مدارج میں تدریج کا فقدان ہے یعنی تضاد کے تعین سے جدوجہد کا آغاز ہو جائے گا اور آخر میں کامیابی ضرور ملے گی کہ اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ تضاد سے کامیابی تک درمیان کے سارے سفر کی تفصیل کیا ہوگی؟ اور قطرے سے گہر بننے تک کیا کیا مراحل آئیں گے اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ آخری ۴ مدارج دراصل احتیاطی تدابیر (Precautionary Measures) ہیں۔ جن کا عمل میں آنا راو انقلاب کی جدوجہد سے ملزوم ہے۔ اگر غلبہ حق کیلئے جدوجہد ہی نہیں ہوگی تو ان احتیاطی تدابیر کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تعین تضاد سے کامیابی تک سارے سفر کو طے کرنیکا پورا منہاج دیا جو حقیقتاً "منہاج القرآن" ہے اور براہ راست فکر قرآنی سے ماخوذ ہے۔[40]

آپ نے جدوجہد انقلاب کے مراحل کو اس طرح متعین فرمایا:

۱۔ تضاد کا تعین

۲۔ انقلابی جدوجہد کے مراحل خمسہ کا تعین

۳۔ عبوری حکمت عملی

۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی

۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت

آپ نے تحریک منہاج القرآن کو درج ذیل امتیازات پر قائم کیا۔

i۔ جامعیت ii۔ خالصیت iii۔ صالحیت اور روحانیت iv۔ انقلابیت v۔ آفاقیت

ب۔ فرد اور قوم کو قرآن و سنت کی انقلابی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لیے تحریک کو پانچ اہداف دیئے:۔

ا۔ تعلق باللہ کی دعوت

i۔ ذکر الٰہی ii۔ محبت الٰہی iii۔ خشیت الٰہی iv۔ اطاعت الٰہی v۔ عبادت الٰہی

۲۔ ربط رسالت کی دعوت

i۔ عشق رسول ii۔ اتباع رسول iii۔ ادب و تعظیم رسول iv۔ معرفت رسول v۔ نصرت رسول

۳۔ رجوع الی القرآن کی دعوت

i۔ قرآن مجید سے حبی تعلق ii۔ تعلق تلاوت iii۔ تدبر و تفکر

iv۔ عمل بالقرآن v۔ تبلیغ واشاعت قرآن

۴۔ اتحاد امت کی دعوت

i۔ سنت محمدی کا فروغ ii۔ امت کے تشخص کا فروغ iii۔ اجتماعی مفادات کا تحفظ iv۔ داخلی وخارجی حملوں کا تدارک v۔ عالمگیر دعوت کا احیاء

۵۔ غلبہ دین حق کی بحالی کی دعوت

i۔ فکری وذہنی انقلاب ii۔ اخلاقی وروحانی انقلاب

iii۔ معاشی وسماجی انقلاب iv۔ تعلیمی وثقافتی انقلاب v۔ سیاسی انقلاب

اور عالمی سطح پر

i۔ اسلامی دولت مشترکہ ii۔ عالمی اسلامی بلاک کا قیام۔

ان مذکورہ اھداف کے حصول کے لیے تحریک منہاج القرآن کی جدوجہد کے لیے ۵ مراحل مقرر کیے گئے:۔

i۔ مرحلہ دعوت ii۔ مرحلہ تنظیم iii۔ مرحلہ تربیت iv۔ مرحلہ تحریک v۔ مرحلہ انقلاب۔ ان سب کی وضاحت آگے کتاب میں آرہی ہے۔

۵۔ فکر انقلاب کو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآن حکیم کا انقلابی نقطہ نگاہ سے مطالعہ کیا۔ اور انقلابی ہدایت و ضوابط پر مشتمل آیات کا نصاب تیار کیا جسے "منتخبات القرآن" کا نام دیا (ضمیمہ نمبر۱) یہ سارا کام ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ کے زمانہ طالب علمی میں مکمل کیا۔ اور جب یہ انتخاب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کو دکھایا گیا تو انہوں نے کمال مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے سرورق پر وہی عبارت لکھی جو بعد میں ۱۹۸۶ء میں ان کی چھپنے والی کتاب منہاج القرآن کے سرورق پر چھپی:۔

البرهان علی سبیل الرشاد والایقان (ضمیمہ نمبر ۳)

قائد انقلاب کا ۷۱ء، ۷۲ء کا مرتب کردہ قرآنی آیات کا انتخاب کتاب ہذ کے آخر میں (ضمیمہ نمبر۱) دیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں سورہ فاتحہ سے سورہ حم السجدہ تک آپ نے قرآن حکیم سے (۲۳۲) ہدایات و نکات اخذ کیے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نکتہ نمبر ۲۴:۔ راہ حق پر کامیابی کے لیے صبر، ضبط، ملک و ملت کی حفاظت و نگہبانی اور تقویٰ ضروری ہیں۔ (آل عمران: ۲۰۰)

نکتہ نمبر ۳۲/۳۱: غلبہ دین حق کی جد و جہد کے مراحل خمسہ:

دعوت۔ تنظیم۔ تربیت۔ تحریک۔ انقلاب (المائدۃ: ۱۲تا۱۶)

نکتہ نمبر ۴۷۔ اہل حق کی فلاح اور کامیابی کی شرائط:

رسالت مآب ﷺ پر ایمان۔ آپ کی تعظیم۔ نصرت رسالت۔ اتباع رسالت
(اعراف:۱۵۷:۱۵۸)

نوٹ: بعد میں یہی شرائط تعلق بالرسالت کے تقاضے قرار پائے۔

نکتہ ۵۴۔ تحریکی جدوجہد کے عناصر اربعہ:

تعلق باللہ۔ ربط رسالت۔ اتحاد امت۔ انقلاب (توبہ: ا۔۲۹)

بعد میں رجوع الی القرآن کو ان میں شامل کر کے تحریک منہاج القرآن کے اساسی عناصر خمسہ قرار دیا گیا۔

نکتہ نمبر ۵۹: مومنین (اہل حق کی جماعت) کا کردار و صفات:

التائبون. العبدون. الحامدون. السائحون. الراكعون. الساجدون. الامرون بالمعروف، الناهون عن المنكر، الحافظون لحدود الله
(توبہ: ۱۰۷. ۱۱۲)

نکتہ نمبر ۸۹: قومی زوال کا قرآنی ضابطہ:

"کفران نعمت کی صورت میں پوری قوم اور ملک پر جوع و خوف (بھوک اور بے چینی) مسلط کر دیے جاتے ہیں۔" (النحل: ۱۱۲)

نکتہ نمبر ۱۱۵: اہل حق کی جدوجہد کے حوالے سے:

"دین حق کی سیاسی فتح کے لیے نصرت الٰہی کا وعدہ ہے۔ حتمی طور پر ظاہری کامیابی ہو گی۔" (الحج: ۴۰)

جب اہل حق کو تمکن فی الارض ملے گا تو وہ:

ا۔ اقامت صلوۃ ۲۔ ایتاء زکوۃ ۳۔ امر بالمعروف
۴۔ نہی عن المنکر کا باعث ہو گا۔ (الحج: ۴۱)

نکتہ نمبر ۱۳۳: اصول تضاد و تصادم:

"ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے کسی نہ کسی کی عداوت پیدا کر دی"

(الفرقان: ۲۶ ۔ ۳۱)

نکتہ نمبر ۱۶۰: "پیغمبرانہ بلاغ مبین کے نتیجے میں اتباع کرنے والے نجات پاتے ہیں اور مخالفین ہلاک ہوتے ہیں" (العنکبوت: ۱۸)

نکتہ نمبر ۱۶۱: "خدا کی رحمت سے مایوسی (بے یقینی) صرف کفار کو ہی ہو سکتی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب (عبرتناک انجام) ہے۔" (العنکبوت: ۲۳)

نکتہ نمبر ۱۷۰: سورہ روم کی آیات ۱۔ ۱۰ سے درج ذیل اصول و ضوابط مستنبط فرمائے:

۱۔ شکست و غلبہ حادثاتی چیزیں نہیں بلکہ خدائی قانون و ضابطہ کے مطابق ہوتی ہیں۔

۲۔ کائناتی قانون نشوونما

۳۔ تاریخی قانونی تضاد

نکتہ نمبر ۱۷۱: فطرت انسانی ثنویت کی حامل ہے:

فطرت بالقوت، فطرت بالفعل۔ (الروم: ۳۰ ۔ ۳۲)

نکتہ نمبر ۱۸۷: ختم نبوت اور تکمیل دین کا مفہوم و فلسفہ (الاحزاب ۳۵ ۔ ۳۶)

نکتہ نمبر ۲۳۲: قرآنی ہدایت:

ہدایت ربانی کتاب عزیز ہے (پختہ لائحہ عمل اور Guaranted Programme) اہل باطل کسی لحاظ سے بھی اس لائحہ عمل کو ناکام ثابت نہیں کر سکتے۔ (حم السجدہ: ۴۱، ۴۲)

ان چند بیان کردہ نکات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ابتداء سے ہی قائد انقلاب فکر انقلاب کے حوالے سے شرح صدر کے حامل تھے۔ اور براہ راست قرآن حکیم سے انہوں نے تحریک کے خصائص، تشکیل، اہداف و مقاصد اور ان کے حصول کے لائحہ عمل اور یقین و محرک کو اخذ کیا جو آنے والے جدو جہد کے تجربات سے مزید نکھرتا اور تکمیل پذیر ہوتا گیا۔

۶۔ کوئی بھی انقلابی تحریک اور جدوجہد اس وقت تک کامیاب اور باثمر نہیں ہوسکتی جب تک وہ فکر و عمل کے تمام تقاضے پورے نہ کرے۔ صرف فکری محاذ پر داد شجاعت دینا اور عملاً انقلاب کے لیے تیاری کا فقدان انقلابی تحریک کی ثقاہت کو ختم کردیتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے صرف انقلابی جدوجہد کے فکر و فلسفہ پر غور نہیں کیا بلکہ اس فکر کو عملاً رائج کرنے کے لیے اسلام کے نظام حیات کی عملی شکل پر بھی کام کیا۔ اجتماعی زندگی ۳ پہلوؤں پر مشتمل ہے:۔

۱۔ معاشرت ۲۔ معیشت ۳۔ سیاست

ان تینوں پہلوؤں میں واضح اور عملی رہنمائی کے لیے ڈاکٹر صاحب نے عملی کاوشیں کیں:

معاشرت

معاشرت میں انقلاب بپا کرنے کے لیے آپ نے (۳) سطحوں پر عملی کاوشیں انجام دیں۔

۱۔ اصلاح احوال

۲۔ رفاہ و بہبود عامہ

۳۔ بیداری شعور

۱۔اصلاح احوال

آپ نے اپنی جدو جہد کا آغاز دعوت سے کیا۔اور دعوت کے ذریعے جہاں قرآن و سنت کے پیغام کو عامۃ الناس کے سامنے رکھا وہاں انہیں قرآن و سنت کی انقلابی تعلیمات اور اس کے مقابل معاشرے میں موجودہ ظالمانہ' فاسقانہ اور استبدادی ڈھانچوں وقدروں سے بھی عوام کو آگاہ کیا۔اس سے لوگوں کی معاشرت میں نہ صرف تعلق باللہ اور ربط رسالت کی روشنی پیدا ہوئی بلکہ ان میں ملک پر مسلط غیر عادلانہ اور ظالمانہ نظام کے خلاف بھی شعور وجذبہ پیدا ہوا۔

۲۔رفاہ و بہبود عامہ

منہاج القرآن ویلفیئر سوسائٹی کے نام سے آپ نے تحریک کا رفاہی و بہبودی ونگ قائم کر کے معاشرے کے ضرورت مند افراد کی معاونت کے لئے عملی راستہ پیدا کیا تاکہ حتی الامکان معاشرے میں عملی اخوت اور ہمدردی کے ماحول کو پروان چڑھایا جاسکے۔

۳۔بیداری شعور

دنیا بھر کا غیر سرکاری (NGO) سطح پر سب سے بڑا تعلیمی پروگرام شروع کیا گیا تاکہ عامۃ الناس کو دولت شعور سے بہرہ ور کیا جائے۔ علاوہ ازیں دیگر شعبوں میں بھی اصلاح احوال کا کام جاری ہے۔

معیشت

اسلامی نظام معیشت کا عملی نظام بلاسود بنکاری کی شکل میں دیا۔جس میں آپ نے عملاً بتایا کہ دور حاضر میں بھی نہ صرف بلاسود بنکاری کا نظام قابل عمل ہے بلکہ اسی کو اپنانے میں ملک وملت کی فلاح ہے۔

سیاست

ملک میں رائج دجل و فریب کی سیاست کی اصلاح کے لیے ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء سے عملی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ جو تا حال جاری ہے۔ تاکہ معاشرے سے یزیدی اور لادینی سیاست کا خاتمہ کر کے مصطفوی سیاست کو عام کیا جائے۔

۷۔ وہ تمام اصطلاحات جو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی فکر میں تشنہ تعبیر ہیں آپ نے انہیں جامع مفاہیم دیئے اور انہیں زندگی کی عملی رو سے ہم آہنگ کر دیا:

مطاع مشہود

سے مراد ذات نبوت ﷺ ہے۔ قائد انقلاب نے مطاع مشہود سے ربط کی اہمیت کو تحریک کے اھداف اساسی میں رکھا اور اس کو شرح و بسط کے ساتھ واضح کیا کہ ربط رسالت کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہے اور یہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

مسلم معاشرے کے موجبات خوف و غم کا ازالہ

آپ نے موجبات خوف و غم کا تجزیہ اور خوف و غم کی تفاصیل کو بیان کیا۔ ان کے ازالے کو مسلم معاشرے کی بنیادی خصوصیات قرار دیا۔

روحانی الذہن افراد

وہ لوگ جو غلبہ دین حق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ روحانی الذہن ہوں گے۔ ان کی وضاحت کی کہ روحانی الذہن لوگ:

”فکر میں ایمان بالآخرت ‘ توکل ‘ ایمان بالغیب اور دیگر اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں گے عمل میں ایتائے حقوق اور استقامت علے الحق اور دوسرے قرآنی اوصاف حمیدہ کے حامل ہوں گے۔“

تغیرات

قائد انقلاب نے امت مسلمہ کی حیات اجتماعی پر طاغوتی اثرات کا تفصیلی تجزیہ کیااور انہیں ۷ اقسام میں تقسیم کر کے ان کا تاریخی پس منظر اور ان اثرات کے تدارک کا تفصیلی لائحہ عمل بھی بیان کیا۔ آپ نے دور زوال میں امت مسلمہ کی حیات اجتماعی میں مرتب ہونے والے تغیرات کو یوں بیان کیا:

۱۔ سیاسی فکر میں تغیر
۲۔ معاشی فکر میں تغیر
۳۔ فقہی و قانونی فکر میں تغیر
۴۔ عمرانی و سماجی فکر میں تغیر
۵۔ تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر
۶۔ دینی و مذہبی فکر میں تغیر
۷۔ تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر

ان تغیرات کا تذکرہ کتاب ہذا میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔

تزکیہ

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اگرچہ تزکیہ کو مقصود بعثت کی طلب اور انفاق فی سبیل اللہ سے منسلک کر کے ایک نیا مفہوم دے دیا تھا مگر اپنے طبعی جوش غائیتیت (Telealogical Enthusism) کے تحت وہ تزکیے کے اس پہلو کو نظر انداز کر گئے۔ جو ان دونوں مذکورہ پہلوؤں کی اساس تھا' وہ تھا بندہ مومن کا نفسی پہلو۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فطرت انسانی کی اصلاح کے لیے تزکیہ کو ضروری قرار دیتے ہوئے اس کے مفہوم میں عناصر ثلاثہ کو عملاً جمع کر دیا۔

۸۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے فکر انقلاب کے خدوخال کو واضح کرنے میں کمال جرات فکر کا مظاہرہ کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے فکر کو صرف فکر نہ رکھا بلکہ اس کو عملاً برتا اور عمل (Practice) میں ڈالا سو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخفی تسامحات (Hidden flaws) بھی سامنے آتے گئے۔ اس طرح انہوں نے قرآن حکیم سے اخذ کردہ اپنی فکر کو سیرت نبویؐ کے معیار پر پرکھا اور اپنی جدوجہد میں نتیجہ خیزی کی ضمانت کو یقینی بنانے کیلئے سیرت نبوی ﷺ سے ملنے والی رہنمائی سے عملی ہم آہنگی اختیار فرمائی مثلاً:

i۔ ۱۹۸۹ء میں سیاسی جدوجہد کا آغاز کر کے معاشرے پر مسلط استعماری بتوں کے خلاف غیر مصالحانہ جنگ کا آغاز کردیا گیا۔ مگر جب ضرورت محسوس ہوئی تو اس غیر مصالحانہ جنگ کی توانائیوں کو سماجی انقلاب اور بیداری شعور کے سفر کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور پھر میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ سے اکتساب ہدایت کرتے ہوئے دوبارہ سیاسی میدان میں اس طرح تحریک کو واپس لایا گیا۔ کہ ملک کے بڑے سیاسی حلقوں نے تحریک کی قیادت میں کام کرنا منظور کیا۔

ii۔ نتیجہ خیزی تحریک منہاج القرآن کا نمایاں وصف ہے۔ جو آج مشرق سے مغرب تک کسی بھی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ مگر کیا انتقال اقتدار اور باطل و استعماری ایجنٹوں کا مکمل استیصال بھی مقررہ مدت میں حاصل ہو کر رہے گا؟ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نتیجہ خیزی کے مفہوم کا تعین یوں کرتے ہیں:۔

"جدوجہد ہر مرحلے پر نتیجہ خیز ہوگی۔ جس جس مرحلے کے تقاضے پورے کئے جائیں گے اس مرحلے پر نتیجہ خیزی بھی سامنے آئے گی۔ یہ تقاضے قیادت اور وابستگان دونوں کی طرف سے پورے کرنے ہوں گے۔ بالآخر جدوجہد غلبہ حق اور

استیصال باطل پر منتج ہو گی۔"[21]، [22]

۹۔ دعوت دین کو ملت کے دینی وجود میں ایک روح کی حیثیت حاصل ہے۔ دعوت کا عمل ہی ملت کے جسد مذہبی میں زندگی کی حرارت کو تازہ رکھتا ہے۔ اور دعوت کے عمل سے بیگانگی ملت کو اپنے فرائض منصبی سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ آج بھی ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری ہے۔ مگر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے دعوت و تبلیغ کے پیغمبرانہ کام کو آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق فکر و نظام دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق موثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ:۔

ا۔ اسلام کی فکری و علمی حقانیت کا یقین پیدا کیا جائے۔

۲۔ اسلام کے عملی نظام کی برکتوں کا شعور دلایا جائے۔

۳۔ اسلام کے روحانی نظام کی برکتوں اور تعمیر شخصیت میں اس کے کردار کو آشکارا کیا جائے۔

غرضیکہ دعوت و تبلیغ کو کار ثواب سے اٹھا کر قائد انقلاب نے اس اصطلاح کو کار انقلاب کا مفہوم دیا ہے۔

تحریکی و انقلابی جدوجہد کا آغاز عمل دعوت سے کر کے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پیغمبرانہ اسلوب کی پیروی کی۔ نہ صرف عمل دعوت کو مروجہ دعوت و تبلیغ کے بے نتیجہ اسلوب سے ہٹا کر نتیجہ خیز طریقہ کار سے آگے بڑھایا بلکہ فکر دعوت کے نئے گوشوں کو بھی آشکار کیا۔

قائد انقلاب کے مطابق

ا۔ عمل دعوت قوموں کے لیے زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر

کوئی قوم زوال پذیر ہو چکی ہو تو اسے زوال کی موت سے عروج کی زندگی تک لانے کا کارگر نسخہ اول عمل دعوت ہے۔ اس استنباط کے لیے ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم سے استشہاد سے قبل ایک اصول بیان کرتے ہیں کہ

''کائنات میں ہمہ گیر وحدت کا اصول کارفرما ہے۔ اور جزو و کل کی خصوصیات میں مطابقت پائی جاتی ہے۔''

ہمہ گیر وحدت کے اصول کے تصور کی اہمیت اس وقت اجاگر ہوتی ہے جب ہم اسے قرآنی تناظر (Quranic Perspective) میں دیکھیں اور اس اصول کو سامنے رکھ کر قرآنی امثال و تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کریں تو حقائق و معارف کے نئے افق سامنے آتے ہیں ہمہ گیر وحدت کے اصول کا تصور تعبیر نص کے باب میں ڈاکٹر صاحب کی عدیم المثال تفسیری کاوش بھی ہے۔

فرد و قوم کی حیات و موت کے تصور کو ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح سے قرآن کی بیان کردہ مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

ب۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک موثر دعوت کے تقاضے یہ ہیں:

۱۔ اس سے حیات طلبی کا داعیہ پیدا ہو۔

۲۔ داعی سراپا ذکر و تسبیح (تقویٰ) ہو۔

۳۔ یہ دعوت باطل کو پیچ و تاب میں مبتلا کر دے۔

۴۔ یہ مبنی بر منسک ہو۔

ج۔ موثر دعوت کا اسلوب بھی ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم سے اخذ کرتے ہوئے اس کے عناصر ثلاثہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

ا۔ شاہدیت ۲۔ مبشریت ۳۔ نذیریت

د۔ اسی طرح داعین کے لیے سورہ مزمل اور سورہ مدثر سے پورا ضابطہ اور لائحہ عمل مستنبط کر کے بیان کرتے ہیں۔

دعوت کے ان تمام پہلوؤں کی تفصیل کتاب ہذا کے باب ”دعوت اور اس کی اہمیت“ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی فکر میں قرآن حکیم کو جب علم الغایات سمجھ کر فی نفسہ ہدایت قرار دے دیا جاتا ہے اور دینی جدوجہد کو پیغمبرانہ شخصیت کی معجزہ آفرینی سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے تو اس سے ذات نبوت سے دوری کا شائبہ پیدا ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کا عملاً تدارک کیا۔ جہاں فکری طور پر تعلق بالرسالت کو اپنی فکری کائنات کا سنگ بنیاد اور لازمی عنصر قرار دیا وہاں عملاً بھی ذات نبوت ﷺ سے ربط پیدا کرنے کی سعی کی۔ آج کے دور میں اگر کسی تحریک کو تحریک عشق رسول کا عنوان دیا جانا ہو تو یہ امتیاز و اعزاز صرف تحریک منہاج القرآن کو حاصل ہوگا۔ کہ اسے تحریک عشق رسول قرار دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف فکری اور نظریاتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے امت کے تعلق کو پختہ اور استوار کرنے کی کوشش انجام دی بلکہ عملاً اس تعلق کو ان کی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اور اس سے اقبال کے اس پیغام کی روشنی نظر آرہی ہے:۔

”قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

تلك عشرة كاملة

عصری تناظر میں قرآنی پیراڈائیم کی ضرورت:

عالمی سطح پر اشتراکی دنیا کے زوال کے بعد جب سے مغربی سرمایہ داریت کو بلاشرکت غیرے برتری حاصل ہوئی ہے، عالمی منظر نامہ بدل رہا ہے۔ اقوام وملل کے تشخص اور بقا کے لئے نئے حوالے سامنے آرہے ہیں۔ پھر اس کے زیر اثر ان کی بقاء کو لاحق نئے نئے خطرات و چیلنج بھی۔ تاریخ کے خاتمے کا تصور دینے والا معروف مغربی دانشور فوکویاما (Francis Fukuyama) لکھتا ہے:

"The increasing salience of culture in the global order is such that Samuel Huntington has urged that the world is moving into a period of "Civilizational Clash", in which the primary identification of people will not be ideological, as during the cold war, but cultural. Accordingly, conflict is likely to arise not among fascism socialism and democarcy but among the world's major cultural groups: Western, Islamic, Confucian, Japanese, Hindu and so on." [۲۳]

"عالمی نظام میں کلچر کی بڑھتی ہوئی اہمیت سیموئیل ہنٹنگٹن کے بقول اس طرح اشارہ کر رہی ہے کہ دنیا تہذیبی تصادم کی طرف رواں دواں ہے۔ جس میں لوگوں کی شناخت کی اساس سرد جنگ کے دور کی طرح نظریاتی نہیں بلکہ ثقافتی اور تہذیبی ہوگی۔ اس طرح تفرق و تنازع فاشزم، سوشلزم یا جمہوریت کے مابین نہیں

بلکہ دنیا کے بڑے ثقافتی گروہوں بشمول مغرب' اسلام' کنفوشزم' جاپان اور ہندوازم وغیرہ کے درمیان ہو گا۔

اگرچہ مغربی اہل دانش مستقبل میں اقوام کی عروج وزوال کی کشمکش کو مبنی بر ثقافت و تہذیب دیکھ رہے ہیں تاہم یہ اساس بھی فکری و نظریاتی تار و پود سے آزاد متصور نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغرب میں سماجی میدان میں سیکولرازم 'معاشی میدان میں سرمادار یت اور سیاسی میدان میں مغربی جمہوریت کو آخری راستے کے طور پر اختیار کیا جارہا ہے جو مغرب کے فکر و نظریے سے جنم لینے والے نظام کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اندریں حالات مسلم دنیا کو ایک ایسے واضح' جاندار اور حیات افروز نظام فکر کی ضرورت ہے جو نہ صرف انہیں مستقبل کے تہذیبی تصادم کا سامنے کرنے کی سکت دے بلکہ اپنے اندر ایک نئے دور کی تخلیق کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ ایسا مثالی نظام فکر وضع کرنے کے لئے ایک ایسا ماخذ ہدایت درکار ہے جو:

- ☆ اپنی معنوی وسعت میں بے مثال ہو۔
- ☆ اطلاقی لحاظ سے زمانی تفرقات ثلاثہ کو محیط ہو۔
- ☆ جس میں انسانی شعور کے ارتقائی پہلو کو مستحضر رکھا گیا ہو۔
- ☆ اپنی ثقاہت کی تصدیق خود پیش کرتا ہو۔
- ☆ جس کی معنویت آفاقی' غیر متبدل اور ابدی ہو۔

اس معیار پر صرف ایک ہی ماخذ ہدایت پورا اترتا ہے یعنی اللہ کی آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم۔ اس کتاب ہدایت سے اخذ کردہ مذکورہ نظام فکر جو قرآن حکیم کی

عظیم انقلابی اور حیات افروز ہدایت پر مشتمل ہے **"قرآنی فلسفہ انقلاب"** ہے۔

انقلاب فکر و عمل کا یہ سفر جاری ہے۔ آج ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ولولہ انگیز شخصیت اور ان کی سرپرستی اور قیادت میں عالم اسلام میں برپا تحریک منہاج القرآن عالمی سطح پر امت مسلمہ کے احیاء' اقدار دین کی بحالی اور غلبہ دین حق کے عظیم تر **"مصطفوی انقلاب"** کی بنیاد رکھ رہی ہے۔ ان کی جدوجہد کی نہج' اٹھان اور ان کے پاکیزہ' زرخیز اور حیات افروز پس منظر کا حامل فکر (جس کی تفصیل پر یہ کتاب مشتمل ہے) اس امر کے غماز ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب ملت اسلامیہ کا زوال عروج سے بدل جائے گا اور اقبال کی یہ نوید حقیقت زندہ بن کر صفحہ ہستی پر رقم ہو جائے گی:

فروغ خاکیاں از نوریاں فزوں شود روزے
زمیں از کوکب تقدیر ما گردو شود روزے

طاہر حمید تنولی' لاہور

۲۷۔ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

۵ جنوری ۲۰۰۰ء

باب اول

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله

(۹:۶۱)

و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الورثین

(۵:۲۸)

قرآنی فلسفہ انقلاب کیا ہے؟

اقوام کے عروج وزوال کی حرکت مستدیر قدرت کے ساختہ آفاقی قوانین کی پابند ہے۔ ان قوانین کا احترام اقوام کو بام عروج پر فائز رکھتا ہے۔ اور ان قوانین سے انحراف زوال سے دوچار کرتا ہے۔ اگر ہم "مطالعہ تاریخ" کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ دراصل اقوام عالم کے عروج وزوال سے گزرنے کی تفصیلات کی ایک واقعاتی داستان ہے۔ جسے ہر مورخ اپنے اپنے انداز سے بیان کرتا ہے اور اس سے اپنے مزاج و فہم کے مطابق نتائج اخذ کرتا ہے۔ گویا اقوام عالم کے عروج پر فائز رہنے اور عروج کے بعد زوال پذیر ہو جانے کا علم تو علم تاریخ ہوا مگر زوال پذیر ہونے کے بعد اس دلدل سے نکلنے کی سبیل کی تلاش کا علم کیا ہوگا؟ اس موضوع پر بہت کم سوچا یا لکھا گیا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ایک نئے فن کی ضرورت کا پیش خیمہ بنتا ہے کہ ایک علم ایسا بھی ہو جس سے زوال پذیر اور انحطاط شدہ اقوام کو پھر سے زندہ و غالب کر دیا جائے اور حصول غلبہ و حیات ملی کے اصول و ضوابط کو براہ راست قرآن حکیم کے فکر سے اخذ کیا جائے۔

قومی زندگی میں راست فکر کی اہمیت:

قوموں کی زندگی کی سمت کے تعین میں ان کے نظام افکار بنیادی اور کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ افکار تازہ نے ہر دور میں قوموں کے زوال کو عروج میں بدلا۔ اور انہیں زندگی کی نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ فی زمانہ جبکہ عقل اور تفکر کا عروج پہلے ادوار کی نسبت کہیں زیادہ ہے ایک مثالی اور حیات افروز نظام فکر کی ضرورت کہیں زیادہ بڑھ

جاتی ہے۔ اگر موجودہ دور کے رجحانات کا تقابل سابقہ ادوار سے کیا جائے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج دنیا پر افکار ہی کا غلبہ و حکمرانی ہے۔ انسانی تہذیب کے آغاز میں سے تا حال بعضکم لبعض عدو کے آفاقی اصول کے تحت تفاوت باہمی نسل انسانی میں ہمیشہ ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود رہی۔ گو اس کی نوعیت اور درجہ ہر دور میں بدلتا رہا۔ انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں یہ تفاوت و عداوت شخصی درجہ پر تھی۔ شخصی تفاوت (Personal Conflicts) بعد کے دور میں سماجی و قومی تفاوت (Social & National Conflicts) میں بدلی حتیٰ کہ دور حاضر میں اس نے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کی شکل اختیار کرلی۔ جو دراصل تہذیبوں کے اپنے فکر و نظریہ کی بقا کی جنگ ہے جس میں انجام کار اصلح کو ہی بقا اور دوام حاصل ہوگا۔ اور اس معیار پر پورا نہ اترنے والا نظام فکر یا تہذیب صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادیا جائے گا۔

قرآنی نظام فکر چہار گانہ فرائض نبوت کی روشنی میں

دور زوال میں عروج کے حصول کے لئے قرآنی نظام فکر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اگر ہم قرآن حکیم سے اخذ کرنا چاہیں تو قرآن حکیم کے وہ مقامات جو نزول قرآن کا اقتضاء و منشا بیان کرتے ہیں اور جو منصب نبوت کے فرائض کی تفصیل بیان کرتے ہیں ان کی ترتیب اور باہمی ربط و تعلق فکر قرآن کی معرفت دیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ

"اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱۵۱:۲)

پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔[۲]

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں فرائض چہار گانہ نبوت کی ترتیب یوں بنی:

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفس

۳۔ تعلیم کتاب ۴۔ تعلیم حکمت

قرآنی فلسفہ انقلاب کے ذیل میں آیت مذکورہ میں آخری نکتے یعنی حکمت کو ہی فکر قرآن کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا ہر مرحلہ و ہر نکتہ کی اپنی تفاصیل ہیں کہ ان سے امت کی رہنمائی کے مختلف چشمے پھوٹے مثلاً:

۱۔ تلاوت آیات

ان سے موعظت و تذکیر کے موضوعات نکلے کہ ان سے انسان نصیحت حاصل کرے۔ اس کی رغبت دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف ہو اور اسے اپنی اصلاح کی فکر دامن گیر ہو۔ وہ تہذیب اخلاق کی طرف راغب ہو۔ تلاوت آیات سے یہ سارے امور انجام پاتے ہیں۔ گویا تلاوت آیات کا ماحصل و مقصود داعیہ عمل کو جنم دینا ہے۔ جب یہی مرحلہ مزید ترقی پذیر ہوا تو اس سے قرآت و تجوید کے فنون اور سماع آیات کے آداب کے ابواب نے جنم لیا۔

۲۔ تزکیہ نفوس

جب تلاوت آیات سے داعیہ عمل بیدار ہو گیا تو اس سے عمل صالح اور اخلاص فی العمل نے جنم لیا جو تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کا باعث بنا اس سے تصوف۔ طریقت، معرفت اور حقیقت کی راہیں نکلیں۔

۳۔ تعلیم کتاب

اس سے مراد کتاب (قرآن مجید) کے محتویات کی تفصیلات جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا ہے۔ اس سے مسائل تفسیر اور احکام شریعت معلوم ہوئے۔ قرآن مجید سے متعلق سارے علوم اور علوم حدیث اس کے ذیل میں آ گئے۔

۴۔ تعلیم حکمت

حکمت کا مادہ اشتقاق حکم ہے اور حکم کا لغوی معنیٰ ہے منع، منعاً لا صلاح یعنی کسی چیز کی اصلاح کے لئے روک دینا اسی طرح حکم کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کا نام ہے۔ گویا حکم اور حکمت کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ موجود ہے یعنی حکمت بنیاد ہے اور حکم اس پر کھڑی عمارت ہے اور حکم کسی چیز کی حقیقت معلوم کر کے اس کے متعلق کیا گیا وہ فیصلہ ہے جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو گئے

بالفاظ دیگر حکمت سے مراد وہ ذہنی و فکری بصیرت ہے جس سے انسان معرفت حقائق اور اشیاء کے عیون و خواص کے جملہ پہلوؤں کا علم ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس علم کی تہہ میں موجود اس غایت کو بھی پا لیتا ہے جو ان کے وجود کی اساس ہوتی ہے اور جس سے ان کی بقاء کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ حکمت کی اس اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (۲:۲۶۹)

جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی

گویا تزکیہ و تعلیم کی آخری منزل حکمت ہوئی صرف علم سے آگہی تو مل سکتی ہے مگر آگہی اور محتویات آگہی کے دھاروں کو نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کے لئے حکمت درکاری ہوتی ہے جسے فکر کا نام دیا گیا یعنی علم صرف آگہی ہے اور فکر یا حکمت اساس انقلاب ہے۔ مگر وہی فکر اساس انقلاب بنے گا جو چہار گانہ فرائض نبوت کی حقیقی ترتیب کا نتیجہ ہو گا۔ وہ حکمت جو علم صالح سے پیدا ہو اور وہ علم صالح، عمل صالح (تزکیہ) کے خمیر سے اٹھایا گیا ہو۔

تاریخ انبیاء اس امر کی گواہ ہے کہ جس بھی پیغمبر کو علم عطا ہوا اسے حکمت سے بھی نوازا گیا کیونکہ پیغمبرانہ علم کی شان یہ ہے کہ یہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور نتیجہ خیزی سوائے حکمت کے ممکن نہیں ہے۔ پیغمبران عظام دنیا میں کتابیں اور نصابات پڑھانے نہیں آئے۔ وہ انقلاب بپا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ وہ انسانیت کو ان چاروں مراحل سے گزار کر اس منزل تک لے آتے ہیں کہ وہ انقلاب آشنا ہو سکے۔

اسوہ انبیاءؑ کی روشنی میں حکمت کی اہمیت

اگر قرآن حکیم کی روشنی میں انبیائے کرامؑ کے نبوی کردار کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ ہر نبی محترم کو نبوت عطا کرتے وقت حکمت بھی عطا کی گئی۔ کیونکہ انبیائے کرام کا مقصود صرف الوہی احکامات کی ترسیل ہی نہ تھا بلکہ انہیں لوگوں کے لئے ایک ایسا ضابطہ حیات کے طور پر بھی پیش کرنا تھا جو ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا۔ یہ اس وقت ممکن تھا جب وہ وصف حکمت سے بھی متصف ہوتے۔ حضرت

داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:۔

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ

(۲۵۱:۲)

اور داود نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو (یعنی داؤد کو) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا۔

دو ے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ. اِنَّهٗ اَوَّابٌ○

(اے رسول) آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی قوت والے تھے (اور) بے شک وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والے تھے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ○ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ○

(۳۸:۱۷۔۲۰)

ہم نے پہاڑوں کو ان کا تابع فرمان کیا جو صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔اور پرندے بھی ان کے ساتھ جمع ہو کر (تسبیح کرتے اور) سب انکے تابع فرمان تھے۔اور ہم نے ان کی حکومت کو بڑا استحکام دیا اور ان کو حکمت اور قول فیصل (کا سلیقہ) سکھایا (کہ سننے والا خود ان کے انصاف کا قائل ہو جائے)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۴۸:۳، ۴۹)	اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اورانجیل (سب کچھ) سکھائے گا۔اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلًا . وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ (۵:۱۱۰)	جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرا احسان یاد کرو جب میں نے پاک روح (جبریل) کے ذریعے تمہیں تقویت بخشی۔ تم گہوارے میں (بعہد طفولیت) اور پختہ عمری میں (بعہد تبلیغ ورسالت یکساں انداز سے) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت (ودانائی) اور تورات اور انجیل سکھائی

وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‏ ○

(۶۳:۴۳)

(اور دین حق کی طرف رسول کا لوگوں کا بلانا کوئی نئی بات نہیں) جب عیسیٰ بھی نشانیاں (یعنی معجزات) لے کر آئے تو انہوں نے (بھی یہی) کہا کہ (لوگو) میں تمہارے پاس حکمت (کی باتیں) لے کر آیا ہوں اور اس لیے (آیا ہوں) کہ بعض وہ باتیں جن میں تم جھگڑتے رہتے ہو تم پر واضح کردوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضور اکرم ﷺ کو کتاب کے ساتھ حکمت عطا کرنے کو یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ‌ وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ ۚ وَكَانَ

اور (اے حبیب) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو ان (دغابازوں میں سے ایک گروہ یہ ارادہ کرچکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں جبکہ وہ محض اپنے آپ کو ہی گمراہ کررہے ہیں اور آپ کا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (۴:۱۱۳)

نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًاO (۱۷:۳۹)

یہ حکمت و دانائی کی ان باتوں میں سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہیں اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا (ورنہ) تو ملازمت زدہ (اور اللہ کی رحمت سے) دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائیگا۔

حتی کہ امہات المومنین کو آپؐ کے اس وصف کی خبر دی گئی:۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًاO (۳۳:۳۴)

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کو (خوب) یاد رکھو (لوگوں تک ان کا پہنچانا علم کی) زکوۃ ہو گی) بیشک اللہ بڑا باریک بیں (اور) بہت باخبر ہے۔ (وہ خوب جانتا ہے کہ دنیامیں کس قدر دین تمہارے ذریعہ

پھیلے گا وہ حقائق اور ان کی لطافت سے
بھی خوب واقف ہے۔

جہاں اکثر انبیائے کرامؑ کے تذکرے کے ساتھ کتب و حکمت عطا کرنے کا ذکر کیا گیا وہاں یوم میثاق تمام انبیاء کرامؑ کو حکمت عطا کرنے کا مجموعی طور پر بھی تذکرہ کر دیا گیا تاکہ اس بنیادی اصول کی وضاحت ہو جائے کہ حکمت نبوت کا خاصہ ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ
(۸۱:۳)

اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانیوالا ہو جو تمہارے ساتھ ہونگی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے[۵۲]

قرآن حکیم کے بیان کردہ چہار گانہ فرائض نبوت کے مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکمت قرآن کی روشنی میں قرآن سے اخذ کردہ وہ فکر جس سے معاشرے میں انقلاب بپا ہو سکے اور معاشرے کے طاغوتی اور استحصالی بت پاش پاش ہوں اور ان کے شکنجوں سے ملت اسلامیہ کو نجات مل سکے اور غلبہ امت مسلمہ کے عظیم انقلاب کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے **"قرآنی فلسفہ انقلاب"** ہے۔[۵۳]

کیا فلسفہ انقلاب ایک سائنس ہے؟

قرآن حکیم اقوام کے عروج وزوال کے مضمون کو اتنے دوٹوک انداز سے بیان کرتا ہے کہ ان ضوابط کی حتمیت میں کوئی ابہام اور شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ پھر عروج وزوال کے جن آفاقی اصولوں کو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے ان کی تجربی توثیق بھی تاریخ انسانی کی مختلف اقوام کے احوال حیات سے فراہم کی گئی ہے۔ اس تناظر میں جب فلسفہ انقلاب کو قرآن حکیم سے اخذ کیا جائے تو لا محالہ یہ ایک سائنس قرار پاتا ہے۔ ؎

حکمت قرآن کی روشنی میں جب فلسفہ انقلاب کو بطور ایک فکر اور سائنس کے قرآن حکیم سے اخذ کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو اس کی جملہ تفصیلات کو قرآن حکیم سے اس طرح اخذ کرنا ہوگا کہ وہ انقلابی جدوجہد کو آغاز سے تا حصول منزل رہنمائی دے سکیں۔ اگر اس حوالے سے ہم تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اوائل ادوار کے علماء نے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ جو نتائج انقلاب سے پیدا کرنا مقصود تھے وہ نتائج تو معاشرے میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ اسلام کا اور اسلامی تہذیب وتمدن کا غلبہ تھا۔ کفر ہر لحاظ سے تابع اور مغلوب تھا اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ دس صدیاں اس طرح گزر گئیں جزوی طور پر بگاڑ آتے رہے مگر ان کی جزوی اصلاح بھی ہوتی رہی اگر اسلامی معاشرے میں دین کے عملی نفاذ کے حوالے سے دیکھیں تو دین کے دو پہلے ہیں:

ا۔ معیاری دین

اس سے مراد غلبہ حق کی جدوجہد ہے، یہ مقصد بعثت محمدی ﷺ سے عبارت ہے۔ اس کی غایت حق کو غالب کرکے حق کے اقدار کو پیدا کرنا ہے۔

۲۔ معمول بہ دین

یہ شریعت اور کتاب و سنت کا وہ عملی ڈھانچہ ہے جس کا مقصد پیدا شدہ اقدار کو بتمام و کمال محفوظ رکھنا ہے۔

آج اسلامی معاشرے میں جس ہمہ گیر سیاسی انقلاب کی ضرورت پیش نظر ہے اسلام کے دور عروج میں اس کی ضرورت نہ تھی کہ معمول بہ دین موجود تھے جو کہ تین عناصر سے عبارت ہے:

۱۔ شریعت: یہ فقہ و قانون اسلامی کا نظام ہے جو اعمال کے نظم کے لئے ہے۔

۲۔ طریقت: یہ احوال باطنی کی اصلاح کا نظام ہے۔

۳۔ مسالک: عقائد کی اصلاح کے لئے مکاتب فکر اور مسالک کا نظام ہے۔

ماضی میں جب بھی بگاڑ آیا معمول بہ دین کے ان تینوں شعبوں میں جزوی طور پر بگاڑ پیدا ہوا تو اس کی اصلاح بھی ہوتی رہی۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے طریقت کے بگاڑ کی اصلاح کی، امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد کے باب میں اصلاح کی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد و طریقت کے بگاڑ کو درست کیا۔ دور حاضر میں جب اہانت رسالت مآب ﷺ اور اہانت اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی صورت میں بگاڑ پیدا ہوا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحی مساعی انجام دیں۔ غرضیکہ تجدیدی اور اصلاحی تحریکیں ہر دور میں چلتی رہیں اور ہر دور میں علماء حق اپنا کردار ادا کرتے رہے مگر ماضی میں چونکہ دین سیاسی طور پر بحال تھا تو معمول بہ دین کے تین پہلو بھی زندہ اور تر و تازہ رہے مگر جب گزشتہ دو تین صدیوں سے اجتماعی انحطاط اور زوال کا آغاز ہوا اور غلبہ دین حق بحال نہ رہا تو معمول بہ

دین کے ان تین پہلوؤں کا تحرک اور نتیجہ خیزی بھی بحال نہ رہی۔ اس المیئے کے پیش نظر آج اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ **"قرآنی فلسفہ انقلاب"** کی صورت میں قرآن سے اس انحطاط و زوالِ اجتماعی کے تدارک کی راہ تلاش کی جائے۔

قرآن حکیم زندگی کا ایک ایسا ہمہ گیر اور جامع تصور پیش کرتا ہے جو بیک وقت علم و عمل کو محیط ہے۔ قرآنی فکر میں علم و عمل میں باہمی تفرق و تفوق کے بجائے توازن و اعتدال پایا جاتا ہے:۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ○ (۶:۱۳۲)

اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجات (مقرر) ہیں اور آپ کا رب ان (کاموں) سے بے خبر نہیں ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۵۸:۱۱)

اور اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بلندی درجات کے عمل کو علم و عمل دونوں کے ساتھ مربوط کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام میں علم بے عمل یا عمل بے علم ہرگز محمود نہیں۔ اگر ہم نماز ہی کی مثال لیں فی نفسہ بجوائے مشمولات نماز ایک علم ہے مگر اس کی اقامت ایک عمل۔ گویا قرآنی فکر علم و عمل میں توازن کا تقاضا کرتا ہے ایسا توازن جو دونوں کے ارتقاء کے عمل کو جاری رکھے:

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ○ ثُمَّ اِنَّ

پس جب ہم پڑھا کریں (یعنی وحی

عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (۷۵:۱۸،۱۹)

نازل ہو)(۱) تو آپ (اس کو سنا کریں اور) اس کو اسی طرح پڑھا کریں (یہاں اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے وحی سنانے کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ یہ اتباع اللہ ہی کی رہے)(۲)۔ پھر بلاشبہ اس کو کھول کر بیان کر دینا ہمارے ہی ذمہ ہے(۳)۔

اس آیت میں نمبر ۱ علم، نمبر ۲ عمل اور نمبر ۳ ارتقاء الی الاعلیٰ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم نے جہاں اپنی ابدی اور آفاقی تعلیمات اور ان کے حیات افروز اثرات و نتائج کو بیان کیا ہے وہاں قوانین الٰہی سے انحراف کرنے پر پیش آنے والے انجام و نتائج کو بھی بیان کرتا ہے۔ اقوام و ملل کی باہمی کشمکش اور ان کے عروج و زوال کی داستان روز اول سے جاری ہے ایک قوم کا عروج کل زوال اور ایک کا زوال آنے والے زمانے میں عروج میں بدل جاتا ہے۔ تاریخ کا یہ سارا عمل چند مقررہ اصول و ضوابط کے تحت ہو رہا ہوتا ہے اور اسمیں کسی طور پر بھی اتفاق کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے مختلف اقوام کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ذیل میں واضح رہنمائی کی ہے اور اقوام کی عروج و زوال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اجتماعی قوانین۔ قوموں کی اخلاقی خصوصیات اور ان کے عقائد و اعمال وغیرہ تک کو بیان کیا ہے۔ جس سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ وہ کچھ مقررہ اصولوں کے تحت ہی ہو رہا ہے۔ نہ کہ تاریخ کے اندھے اور منہ زور دھارے کے رخ پر۔

قرآن حکیم نے اسے اصطلاحی انداز سے "سنۃ اللہ" سے تعبیر کیا ہے جو کسی بھی طرح سے تبدیل یا تحویل نہیں ہو سکتے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (۶۲:۳۳)

(اور) اللہ کا تو یہی دستور ان (منافقین اور کفار) کے بارے میں بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (چلا آ رہا ہے) اور آپ اللہ کے کسی دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔ (نہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکے نہ یہ بچ سکیں گے)۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ (۷۷:۱۷)

ان سب رسولوں (کیلئے اللہ) کا دستور (یہی رہا ہے) جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائینگے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۴۳:۳۵)

کس طرح اور کب یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اور اللہ کے دستور میں آپ کوئی تغیر نہ پائیں گے۔

جس طرح اقوام و ملل کی تشکیل کا آغاز افراد قوم سے ہوتا ہے اسی طرح ان کے اجتماعی عروج و زوال کا تعین بھی ان کے اجتماعی نفسی احوال سے ہوتا ہے جو انفرادی نفسی احوال سے ہی تشکیل پاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط (۱۱:۱۳)

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ لا (۵۳:۸)

یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر ارزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ از خود اپنی حالت نعمت کو بدل دیں

یعنی کسی بھی قوم کی اچھی یا بری حالت کو تبدیل تب ہی کیا جا سکتا ہے جب وہ خود اس تبدیلی کے لئے انفسی طور پر جواز فراہم کر دیتی ہے۔ تبدیلی انفس کی اقوام کے اجتماعی عروج و زوال میں اس محوری اہمیت کی وجہ سے انفس کو اقوام کی وہ زمین قرار دیا جا سکتا ہے جہاں سب سے پہلے عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ انفس میں ہونے والی تخم ریزی ہی انجام کار خارج اور ماحول میں عروج یا زوال کی صورت میں متشکل ہوتا ہے۔ یعنی خارج اور ماحول کی تبدیلیاں کسی طور پر بھی انفس سے الگ نہیں کی جا سکتیں۔ انسانی ماحول اور مافیہ (انفس) کے اس ربط و تعلق کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

ہم عنقریب ان کو دنیا میں اور خود ان کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌO (۴۱:۵۳)

پر کھل جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔ کیا آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لیے کافی نہیں (اگر وہ آپ کی نبوت آپ کے دین کا شاہد ہے تو کفار کے انکار سے کیا ہوتا ہے)۔

قرآن حکیم کی اس واضح رہنمائی سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ عروج ہو یا زوال اسکی فطری اور قدرتی ترتیب وقوع یہ ہوگی:۔

i۔ نفسی اور شعوری سطح پر تبدیلی

ii۔ عملی واخلاقی سطح پر تبدیلی

یعنی پہلے اقوام وملل میں افکار، تصورات کی سطح پر تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ یا اسفل درجہ زندگی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کے بعد خارج میں مذکورہ تصورات حقائق میں بدلتے ہیں جب تک کوئی بھی قوم عروج واقتدار کے منصب سے سرفراز ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور رہتی ہے اس سے یہ منصب سلب نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جب تک کوئی قوم شعوری اور عملی سطح پر اپنا استحقاق ثابت نہیں کرتی اسے منصب عروج پر فائز نہیں کیا جاتا۔

عروجِ وزوال اور بقاو فنا کے کائناتی ضابطے کو قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم ایک مثال سے اسے یوں واضح کرتا ہے:۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِھَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ

اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا تو وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے

زَبَدًا رَّابِيًا. وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ
فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ
زَبَدٌ مِّثْلُهٗ. كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ. فَاَمَّا الزَّبَدُ
فَيَذْهَبُ جُفَآءً. وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ.
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝
(۱۷:۱۳)

مطابق بہ نکلیں پھر سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جن چیزوں کو آگ میں تپاتے ہیں زیور یا دوسرا سامان بنانے کیلئے اس پر بھی ویسا ہی جھاگ تو (پانی والا ہو یا آگ والا سب) بیکار ہو کر جاتا رہتا ہے اور البتہ جو کچھ لوگوں کیلئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اس بنیادی اصول کی وضاحت کردی گئی ہے کہ نفع بخشی ہی وہ بنیادی اصول ہے جو بقاواستحکام اور عروج و تمکن کا باعث بنتی ہے۔اگر کوئی قوم نفع بخشی کی روش کو اختیار کرے گی تو مشیت الٰہی بھی اسے بقااور عروج کے راستوں کی رہنمائی عطا کرے گی بصورت دیگر اس کا مقدر سوائے زوال کے کچھ نہیں ہو سکتا۔

ابدی فلاح کا قانون قرآن حکیم کی روشنی میں

رب ذوالجلال نے فاما یا یتینکم منی ھدی الخ کے وعدہ کے تحت جب انبیاء کرامؑ کو مبعوث فرمایا' تو ہر دور میں انسانیت کی فلاح کے لئے انبیاء کرامؑ نظام فکرو عمل لے کر آتے رہے۔ان کی دعوت بایں طور انسانیت کو بام عروج پر فائز کرنے کے لئے جاری رہی کہ:

عقائد کے باب میں ہر اس فکر و نظریے کی نفی کی جائے جو انسانیت کو غیر

اللہ کی بندگی میں گرفتار کر کے اس سے تکریم و شرف انسانیت چھین لے۔

معاشرت کے باب میں ہر اس امر کی نفی کی جائے جو منکر (کے قرآنی تصور) سے عبارت ہو اور ہر اس امر کو فروغ دیا جائے جو (قرآن کے دیئے ہوئے تصور) معروف پر مشتمل ہو۔

سیاست کے میدان میں مبنی بروحی نظام رائج کیا جائے جہاں انسانوں پر کسی انسان یا مافوق الفطرت دیو مالائی طاقت کی حکمرانی نہ ہو بلکہ رب ذوالجلال کی حکمرانی ہو۔ اور ارضی حکمران قانون الٰہی کے تحت اپنا اختیار حکمرانی بطور ایک امانت اور ذمہ داری کے استعمال کریں۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر دور میں انبیاء کرامؑ مصروف کار رہے تاہم ہر نبیؑ ایک مخصوص علاقے خطے اور کسی خاص قوم کے لئے مبعوث ہوا تا آنکہ یہ سلسلہ رشد و ہدایت نبی آخر الزماں حضور اکرم ﷺ پر آکر تکمیل پذیر ہو گیا:۔

آتش صد ابراہیم سوخت

تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

حضور ختمی مرتبتؐ پر نبوت کے خاتمے کا مفہوم یہ ہے کہ الوہی ہدایت کا سلسلہ آپ پر آکر اپنے کمال و اتمام کو پہنچ گیا اور اب قیامت تک انسانیت کو کسی دوسرے نظام ہدایت کی احتیاج باقی نہیں رہی۔ گزشتہ انبیاء کرامؑ کے عطا کردہ نظام ہائے ہدایت اس آفاقیت کے حامل نہ تھے مزید یہ کہ مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان اقوام نے بھی اپنے انبیاءؑ کی عطا کردہ تعلیمات کو مسخ کر کے ان کو اصل روح سے بیگانہ کر دیا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو احکام الٰہی کی پابندی کی تلقین کی:۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ٥
(۸۳:۲)

اور (یاد کرو) جب ہم نے اولاد یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا' اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی (بھلائی کرنا) اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہنا' پھر تم میں سے چند لوگوں کے سوا سارے (اس عہد سے) روگرداں ہو گئے اور تم (حق سے) گریز ہی کرنے والے ہو۔

قوم موسوی نے نہ صرف حضرت موسیٰؑ کے عطا کردہ نظام فکر و عمل کو بھلا دیا بلکہ اگر عمل بھی کیا تو صرف ظاہر پر اور اس تعلیم کی روح اور حقیقت کو پس پشت ڈال دیا۔ اس طرح ظاہری تشریح ان کا وطیرہ بن گیا واقعہ سبت اور ذبح بقرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ہوئی تو یہود کے اس طرز عمل کے تدارک پر آپ کی تعلیمات میں خصوصی زور دیا گیا۔ آپ نے اصلاح باطن کا پیغام دیا مگر اس پیغام پر عمل اتنی افراط کے ساتھ کیا گیا کہ آپ کے متبعین زندگی کے ظاہری تقاضوں سے لاتعلق ہو گئے اور اصلاح باطن کی اس حد تک جا پہنچے جس کا مستقلاً لحاظ رکھنے پر وہ خود بھی قادر نہ تھے ارشاد ربانی ہے:۔

وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۝ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(۲۷:۵۷)

اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا فرمائی اور ان کے متبعین کے دلوں میں شفقت و رحمت ڈال دی اور (آگے چل کر انہوں نے ترک دنیا و ترک لذات شروع کیا تو یہ) رہبانیت جس کی ابتدا خود انہوں نے کی ہم نے اس کو ان پر فرض نہ کیا تھا مگر انہوں نے اسے اللہ کی رضامندی کے لیے اختیار کیا لیکن جس طرح اس کو نبھانا چاہیے تھا نباہ نہ سکے (افراط و تفریط میں پڑ گئے رضاء الٰہی کی جگہ اپنے تقوی پر نازاں ہونے لگے) پھر (بھی) ان میں جو ایمان لے آئے ہم نے ان کو اجر دیا اور ان میں سے اکثر (تو) نافرمان ہی ہیں (اس لیے کہ وہ خاتم النبین ﷺ پر ایمان نہیں لاتے)۔

گزشتہ اقوام اپنے انبیاءؑ کی عطا کردہ تعلیمات میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس کی اصل روح کو گم کر بیٹھے۔ اس لئے جب اس سلسلہ رشد و ہدایت کو حضور ختمی مرتبت ﷺ پر ختم کیا گیا تو اسے ہر لحاظ سے شان تکمیلی عطا کی گئی:۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ (۱۱۵:۶)	اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کی رو سے پوری ہو چکی اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

صداقت اور انصاف و عدالت الوہی ہدایت میں ہی مضمر ہے۔ گزشتہ اقوام وامم کا طرز عمل اس امر پر گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی دعوت کو جھٹلایا اور باغیانہ روش اختیار کی تو وہ تباہی بربادی اور ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔ پیغمبرانہ دعوت اور مقصد بعثت کے محتویات اور اس کے مقابل ان کی اقوام کے رد عمل اور اس رد عمل کے نتائج کی تاریخ کو اگر اقوام کے عروج وزوال کے حوالے سے دیکھیں تو یہ قرآنی اصول ہمارے سامنے آتا ہے:۔

"انسانیت کی فلاح جملہ شعبہ ہائے حیات میں مبنی بروحی نظام زندگی کو اختیار کرنے میں ہے اور اس سے روگردانی کا لازمی نتیجہ ہلاکت وخسران ہے"

اس قرآنی اصول کی ہمہ اطلاقی نوعیت اس وقت سامنے آتی ہے جب قرآن حکیم کی روشنی میں اس اصول کے درج ذیل ذیلی عنوانات کا جائزہ لیا جائے:

ا: کیا گزشتہ اقوام کی ہلاکت کسی تاریخی حادثہ کے تحت بلا کسی سبب کے ہوتی رہی؟

ب: اگر گزشتہ اقوام کسی سبب کے تحت ہلاکت سے دوچار ہوتی رہیں تو وہ اسباب کیا ہیں؟

ج: فلاح یاب لوگ کون ہیں؟

د: قرآن حکیم کی روشنی میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟

کیا گزشتہ اقوام کی ہلاکت ایک تاریخی حادثہ تھی؟

اگر گزشتہ اقوام کی زوال پذیری کے اسباب قرآن حکیم سے معلوم کئے جائیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصود ہی یہ تھا کہ انسانیت فلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡمًاo (۴:۱۴۷)	اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُهۡلِکَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَo (۱۱:۱۱۷)	اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلماً ہلاک کر ڈالے درآنحالیکہ اس کے باشندے نیکوکار ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے اس کی ہلاکت اور تباہی کا فیصلہ کیا گیا تو پہلے اس کی اصلاح کے لئے وہاں انبیاء کرامؑ ضرور مبعوث کئے گئے:

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَo (۲۶:۲۰۸)

اور ہم نے کسی بستی کو غارت نہیں کیا مگر اس کے لئے (عواقب سے) ڈرانے والے (ان بستیوں میں موجود) تھے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ اُمِّهَا رَسُوْلاً يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَo (۲۸:۵۹)

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کی بڑی (اور مرکزی) بستی میں کسی کو پیغمبر (بنا کر) نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور (ساتھ ہی ہمارا یہ بھی دستور ہے کہ) جب تک ان (بستیوں) کے رہنے والے ظالم نہ ہوں ہم ان بستیوں کو غارت نہیں کرتے۔

اور جب انبیاء کرامؑ کی بعثت کے باوجود انکی اقوام نے ان کی دعوت پر لبیک نہ کہا اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اس طرح وہ ظلم کے مرتکب ہوتے اور انکی یہی ظالمانہ روش ان کی تباہی کا باعث بن گئی:

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَo (۲:۵۷)،(۷:۱۶۰)

اور (ہمارے احکام سے عدول حکمی ان اور نافرمانی کر کے) انہوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ (۱۱۷:۳)

اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اسی طرح کا مفہوم (۱۶:۳۳) میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی بھی بستی کی ہلاکت کا فیصلہ اس حال میں نہیں کیا جاتا کہ وہ پیغام ہدایت سے آگاہ نہ ہو۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۝ (۱۳۱:۶)

یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لیے تھا کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلم کے باعث ایسی حالت میں تباہ کرنے والا نہیں ہے کہ وہاں کے رہنے والے (حق کی تعلیمات سے بالکل) بے خبر ہوں (یعنی انہیں کسی نے حق سے آگاہ ہی نہ کیا ہو)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ (۷۰:۹)، (۹:۳۰)

پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ (انکار حق کے باعث) اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ (۴۴:۱۰)

بیشک اللہ لوگوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ○

(۱۰۱:۱۱)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کیا سو ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے جب آپ کے رب کا حکم (عذاب) آیا تو وہ (دیوتا) صرف ان کی ہلاکت و بربادی میں ہی اضافہ کر سکے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ○

(۱۱۸:۱۶)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کا مفہوم (۷۶:۴۳) میں بیان کیا گیا ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ○

(۴۰:۲۹)

پھر ہر ایک کو ان کے گناہوں پر ہم نے پکڑا۔ تو ان میں سے بعض پر ہم نے ہوا کے ساتھ پتھر برسائے اور بعض وہ تھے جن کو ایک (آتشیں) چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسایا اور کسی کو ہم نے (دریا میں) ڈبویا اور (یہ سب ان کے اپنے اعمال بد کے باعث ہوا

ورنہ) اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود اپنے پر ظلم کر رہے تھے۔"

مندرجہ بالا آیات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ مشیت ربانی ہرگز نہیں کہ بلاوجہ کسی قوم کو ہلاکت وتباہی اور زوال سے دوچار کر دیا جائے بلکہ جو بھی قوم تباہی و زوال سے دوچار ہوئی اپنے اعمال بد اور احکام الٰہی سے روگردانی کر کے اس نے خود اس کا امکان پیدا کیا۔

گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب

اگر قرآن حکیم کی روشنی میں گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہدایت الٰہی سے روگردانی ہی وہ بنیادی سبب تھا جو ان اقوام کی ہلاکت پر منتج ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَ كَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(٦٦:٥)

اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور قائم کر دیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر وسعت عطا ہو جاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر رزق ختم نہ ہوتا) ان میں سے ایک گروہ میانہ رو (یعنی اعتدال پسند ہے)

اور ان میں سے اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی برا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (۹۶:۷)	اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا سو ہم نے انہیں ان (اعمال بد) کے باعث جو وہ انجام دیتے تھے (عذاب کی) گرفت میں لے لیا گیا

بغاوت و سرکشی کی اس روش کو قرآن حکیم نے کہیں جرم قرار دیا:۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (۲۷:۶۹)	(آپ ان سے) فرمایئے! ذرا زمین کی سیر کرو پھر دیکھو کہ یہ گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔
اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ (۴۴:۳۷)	بھلا (قوت و طاقت میں) یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ اور جو ان سے پہلے گزر چکے ہم نے ان سب کو غارت کیا بے شک وہ بڑے گنہگار تھے۔

کفر اور سرکشی کے اس طرز عمل کو کئی مقامات پر ظلم سے تعبیر کیا گیا:۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ○

(۶:۴۷)

آپ (ان سے یہ بھی) فرمادیجئے کہ تم مجھے بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا آن پڑے تو کیا ظالم قوم کے سوا (کوئی اور) ہلاک کیا جائے گا؟

وَ تِلْكَ الْقُرٰىٓ اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا○

(۱۸:۵۹)

اور یہ بستیاں ہیں ہم نے جنکے رہنے والوں کو ہلاک کر ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انکی ہلاکت کے لے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی قوم پر ظلم متوقع نہیں بلکہ ہر ہلاک ہونے والی قوم اپنے اعمال بد سے خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان پیدا کرتی رہی:۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ○

(۳:۱۸۲)

یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ خود آگے بھیج چکے ہیں اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ہدایت الٰہی سے روگردانی کی روش کو بعض مقامات پر فسق سے تعبیر کیا گیا:۔

بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ○

(۴۶:۳۵)

یہ پیغام حق ہے۔ (سن لو کہ) اب وہی غارت ہوں گے جو نافرمان ہیں۔

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر سرکش اقوام کے اس طرز عمل کو تکذیب کا عنوان دیا:۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ○

(۳:۱۳۷)

تم سے پہلے (گذشتہ امتوں کے لئے قانون قدرت کے) بہت سے ضابطے گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چلا پھرا کرو اور دیکھا کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

قرآن حکیم نے کہیں شرک اور کفر کو ہلاکت کا سبب بیان فرمایا:۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ○

(۳۰:۴۲)

آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ ان میں بہت شرک کرنے والے تھے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا○

(۴۷:۱۰)

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا (دیکھو) اللہ نے ان پر تباہی نازل کی اور اس طرح کے معاملات کافروں کے ساتھ ہوں گے (وہ بھی تباہ و برباد کئے جائیں گے)۔

اور کہیں ذنوب (گناہوں) کو تباہی کا سبب بیان کیا گیا:۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ○

(۲۱:۴۰)

کیا ان لوگوں نے زمین میں سیاحت نہیں کی کہ ان سے پہلے والوں کا (جو منکرین حق تھے) کیسا (برا) انجام ہوا۔ حالانکہ وہ لوگ ان سے قوت میں (بھی) زیادہ تھے اور ان نشانیوں میں (بھی) جو وہ زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ (ان کے مضبوط قلعے' عالیشان محل اور دیگر یادگاریں ان کی قوت و ثروت کا پتہ دیتی ہیں لیکن جب عذاب کا وقت آیا وہ اس سے بچ نہ سکے) پس اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کی گرفت کی اور اللہ (کے عذاب) سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوا۔

کامیاب لوگ کون ہیں؟

قرآن حکیم نے اقوام کے اسباب زوال بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ فلاح یاب لوگ کون ہیں؟ اور وہ کون سے خصائص اور کردار کی خصوصیات ہیں جن کو اختیار کرنے سے دنیا و آخرت کی فلاح انسانیت کا مقدر بن سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ
الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ
كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ
وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا
النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ۝

(١٥٧:٧)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول کی
پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی
ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے
پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبار
غیب اور معاش و معار کے علوم و
معارف بتاتے ہیں) جن (کے
اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے
پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا
پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم
دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع
فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ
چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر
پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان
سے انکے بار گراں اور طوق (قیود) جو
ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط)
تھے، ساقط تھے، ساقط فرماتے (اور
انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب
کرتے) ہیں پس جو لوگ اس
(برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے
اور انکی تعظیم و توقیر کریں گے اور

ان (کے دین کی مدد و نصرت کریں
گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی
کریں گے جو انکے ساتھ اتارا گیا ہے'
وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

یعنی اس آیت مبارکہ میں:

☆ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان
☆ رسول اللہؐ کی تعظیم اور نصرت اور اتباع
☆ احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونے اور
☆ معروف کی اطاعت اور منکر سے احتراز

کا ثمر یہ عطا کیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان کو طیبات کے حلال اور خبائث کے حرام' ہر نوع کے بوجھ اور طوق سے آزادی اور دنیا و آخرت کی فلاح کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔

فلاح کے اس تصور اور حصول فلاح کے تقاضوں کا تذکرہ دوسرے مقام پر یوں کیا گیا:

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
(۳۱: ۴۔۵)

جو نماز قائم رکھتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں اور وہی آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ (یعنی جس اللہ کے روبرو انہیں آخرت میں جانا ہے اسے ہمیشہ حاضر و ناظر جان کر اس کی عبادت کرتے ہیں خواہ یہ عبادت ذات، نماز ہو یا اس کا

تعلق مال کی پاکیزگی اور معاشرہ کی آراستگی سے ہو)۔

قرآن حکیم کی روشنی میں فلاح نہ صرف احکام الٰہی کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے بلکہ تعلیمات قرآنی اس امر کی متقاضی ہیں کہ اہل حق جہاں خود ہدایت مبنی بر وحی پر کاربند ہوں وہاں وہ اس طرز حیات کو ایک تحریک میں بدلنے اور پورے معاشرے میں اسے جاری وساری کرنے کے لئے بھی آمادہ کار رہیں کہ یہی راہ فلاح ہے ارشاد ربانی ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

(۳:۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ○ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ○

(۱۰۳:۳)

مگر (اس ناقابل تلافی نقصان سے وہی محفوظ رہے) جو (خدا اور خدا کے رسول پر) ایمان لائے اور (ایمان ہی پر اکتفانہ کی بلکہ) نیک عمل کئے اور (یہی نہیں بلکہ وہ) آپس میں ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر (و استقلال) کی تاکید کرتے رہے۔

ان اوصاف کے حامل اہل ایمان کو قرآن حکیم حزب اللہ کہتا ہے فلاح ابدی

جن کا مقدر ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

(۲۲:۵۸)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (یہ اعتماد رضا یہ لطف رضا، یہ مسرت، یہ راحت جسے ملے وہی جانے) یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں (اللہ والے ہیں۔ اللہ کے لیے زندہ رہتے اور اللہ کے لئے مرتے ہیں) سن رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت فلاح پانے والی ہے (اس کو اس کے ایمان و عمل کا صلہ ملے گا اور خوب ملے گا)۔

قرآن حکیم نے نہ صرف فلاح پانے والوں کے خصائص اور اوصاف کو بشرح وبسط بیان کیا بلکہ ان منفی اقدار کا تذکرہ بھی کیا ہے جو حصول فلاح میں سد راہ کا کردار ادا کرتی ہیں:۔

کفر منزل فلاح سے محروم کر دیتا ہے:۔

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ○

(۱۱۷:۲۳)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی معبود قرار دے کہ جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس رب کے یہاں ہوگا۔ بلاشبہ کافروں کا (اس روز) بھلا نہ ہوگا۔ (ان کو اللہ کے عذاب سے

چھٹکارا نہ ملے گا)۔

ظلم کا ارتکاب فلاح سے محروم کر دیتا ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰی عَلَے اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ والظّٰلِمُوْنَ٥ (۶:۲۱)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا یا اس نے اسکی آیتوں کو جھٹلایا بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

اس عمل کو دوسرے مقام پر جرم سے تعبیر کیا گیا:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰی عَلَے اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ٥ (۱۰:۱۷)

پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اسکی آیتوں کو جھٹلا دے بیشک مجرم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟

قرآن حکیم نے جہاں گزشتہ اقوام کی ہلاکت وزوال کے اسباب کو بیان کیا۔ اہل حق کی فلاح یابی کی شرائط اور تقاضوں کو بیان کیا وہاں اس بات کی واضح ضمانت بھی دی کہ اگر اہل حق ان اوصاف کو عملاً اختیار کریں گے تو اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت ان کے شامل حال ہو گی اور غلبہ تمکنت اور ابدی فلاح ان کا مقدر بنے گی:۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو

الْغٰلِبُوْنَ○ (۵۶:۵)

(وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ○ (۲۱:۵۸)

اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوت والا (اور) غلبہ والا ہے۔

اور یہ کہ ہمیشہ اسی اصول پر عمل ہوتا رہا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ○ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ○

(۳۷:۱۷۱۔۱۷۳)

اور ہمارے پیغام پہنچانے والے بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی سے حکم ہو چکا ہے۔ کہ انہیں کی مدد کی جائے گی۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔

اور اسی سنت الٰہی کو یعنی انبیاءؑ ورسلؑ کی مدد اور انہیں غلبہ عطا کرنے کی سنت کو ان کے متبعین یعنی اہل ایمان کے لئے بھی جاری رکھا گیا:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل ان کی (اپنی اپنی) قوموں کی طرف کتنے پیغمبر بھیجے تو وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر پہنچے (لیکن بہتوں نے ان کو

الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (۴۷:۳۰)

جھٹلایا) پھر ہم نے ان لوگوں سے بدلہ لیا جو مجرم تھے اور مومنوں کی مدد تو ہمارے ہی ذمہ تھی۔ (انہیں کون مغلوب کر سکتا تھا۔ ہر زمانہ میں باطل کو شکست ہوئی اب بھی ہوگی اور دین اسلام ابر رحمت کی طرح چھا جائے گا)۔

اور یہی بشارت امت محمدی علیہ کو سنائی گئی:۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (۱۳۹:۳)

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔

جہاں امت مسلمہ کو غلبہ و کامیابی کی الوہی ضمانت دی گئی وہاں ایسی کتاب ہدایت بھی عطا کر دی گئی جو اس ضمانت کی امین ہے ارشاد ربانی ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ۝ (۴۴:۴۳)

اور بے شک یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لئے باعث (شرف و) نصیحت ہے (کیونکہ تا قیام قیامت راہ ہدایت کا یہ شرف آپ ہی کی امت سے وابستہ رہے گا) اور (لوگو) عنقریب تم سے (قیامت کے روز) پوچھا جائے گا (کہ تم نے دین

حق سے اپنا رشتہ کس حد تک جوڑا اپنی
زندگی کو نور قرآن و نور رسالت سے
کس حد تک سنوارا)۔

امت مسلمہ کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ حضور ختمی مرتبت کو وہ کتاب آخریں عطا کی گئی جو ہدایت و ناموری اور عزت و وقار کا سرچشمہ ہے اور کتاب اللہ کا یہ فیضان امت مسلمہ کے لئے تا قیامت جاری رہے گا۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

(اقبال)

مگر اس اعزاز و تکریم کے ساتھ یہ حقیقت بھی امت مسلمہ کو نہیں فراموش کرنی چاہئے کہ وقار و تمکنت کی یہ نعمت کل امت مسلمہ کو معرض مسؤلیت میں بھی کھڑا کرے گی کہ مقصد بعثت انبیاءؑ کی معراج کے وارث ہونے کے ناطے اور ہدایت آخریں کے حامل ہونے کے ناطے انہوں نے کس حد تک اسے عملاً اختیار کیا اور انسانیت تک اس کے فیض کو منتقل کرنے میں کیا کردار ادا کیا؟

ی ندانی آیہ ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب
آب و تاب چہرہ ایام تو
در جہاں شاھد علے الاقوام تو
جلوہ در تاریکی ایام کن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کن
لرزم از شرم توچوں روز شمار
پرسدت آں آبروئے روزگار

حرف حق از حضرت ما بردہ
پس چرا با دیگراں نسپردہ

(اسرار ورموز)

جدوجہد انقلاب کے تین ادوار

جب فلسفہ انقلاب کو ایک باقاعدہ سائنس کی صورت میں لیا جاتا ہے تو تمام تر جدوجہد انقلاب تین ادوار پر محیط ہو گی:

(۱) دور ما قبل انقلاب (۲) دور انقلاب (۳) دور مابعد انقلاب

دور ما قبل انقلاب بیج بونے کا مرحلہ ہے جبکہ دور انقلاب پودا اگنے' اس کی حفاظت کرنے اور اسے بلوغت تک پہنچانے کا مرحلہ اور دور مابعد انقلاب درخت کی ثمر وری کا دور ہے۔

تاریخ عالم میں ان تینوں ادوار کا جامع اور جملہ پہلوؤں کی مکمل رہنمائی فراہم کرنے والا انقلاب صرف "مصطفوی انقلاب" ہے جو حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں سرزمین عرب پر بپا ہوا جس میں تمام پہلو جمع ہیں۔ انقلاب کی یہ جامعیت کہیں اور نظر نہیں آتی۔

انقلاب کے تعینات خمسہ

کامیاب انقلابی جدوجہد کے لئے پانچ بنیادی امور کا تعین ضروری ہے۔ فلسفہ انقلاب کے تشکیلی عناصر اور ترکیبی منابع یہی پانچ تعینات ہیں۔ ان پر توجہ مرکوز کئے بغیر فلسفہ انقلاب کو ایک سائنس کے طور پر سمجھنا ناممکن ہے:

۱۔ تضاد کا تعین

۲۔ جدوجہد کے مراحل خمسہ کا تعین

۳۔ عبوری حکمت عملی

۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی

۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت

ا۔ تضاد کا تعین

انقلابی جدوجہد میں تضاد کا تعین ہی کلیدی اور محوری کردار ادا کرتا ہے کیونکہ تضاد کا تعین افراد جماعت کی وفاداری کو اپنی جماعت کے ساتھ منضبط اور مستحکم کرتا ہے۔ حزب مخالف کے خلاف انقلابی جنگ اور فیصلہ کن تصادم کو یقینی بناتا ہے۔ تضاد کے تعین میں چار تعینات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے:

ا۔ کون سا تضاد ابھارا جائے۔

۲۔ تضاد کس سطح پر ابھارا جائے۔

۳۔ تضاد کس وقت ابھارا جائے۔

۴۔ تضاد کس کے خلاف ابھارا جائے۔

اس کے علاوہ تضاد کا تعین کرتے وقت جن امور کو مد نظر رکھا جاتا ہے ان میں درج ذیل تین چیزیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں:

ا۔ ایسا تضاد ابھارا جائے جو انقلابیوں کی مشن' قیادت اور اپنی جدوجہد کے ساتھ وفاداری یا عدم وفاداری میں سے ایک کو واضح کر دے اس کے اندر ایسا جوہر ہو جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے اور اس حقیقت کو منظر عام پر لا کھڑا کرے کہ فلاں اپنی قیادت' مشن اور جدوجہد کے ساتھ مخلص اور وفادار ہے اور فلاں محض حصول مفادات کی خاطر یا اپنے ذاتی تحفظات کی بناء پر انقلابی تحریک سے وابستہ ہے اگر تضاد کے اندر یہ جوہر نہیں ہو گا تو اس کو موثر تضاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

۲۔ تضاد کے اندر ایسی ضمانت موجود ہو جو انقلابی جدوجہد کرنے والوں کو ایک لڑی میں پرو دے' ان میں خاص نظم و ضبط اور ارتباط و انطباق پیدا کر دے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

تری المومنین فی تراحمھم و تعاطفھم و توادھم کمثل الجسد اولاحد ان اشتکی عضو منه تباعی له سائر جسدہ۔ (البخاری:۲)

"تو مومنین کو ان کی ایک دوسرے کے لئے رحمت و شفقت' عطف و مہربانی اور محبت و مودت میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا جس طرح اگر کوئی ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بخار اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

باہمی ارتباط و اتحاد کی یہ انتہائی شکل اور مثالی صورت ہے کہ انقلابی جماعت اپنے اندر اجتماعیت اور مرکزیت کے ذریعے ایسا بے مثل نظم و ضبط اور اتحاد قائم کرے کہ "بنیان مرصوص" بن جائے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت اس میں رخنہ نہ ڈال سکے اور آپس میں اس کے افراد ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کا پیکر اور محبت و مودت کا مجسمہ بن جائیں۔ ہر انقلابی' اجتماعی ہیئت کے لئے ایک آنکھ بن جائے اور اس شعر کا نمونہ بن کر جدوجہد کرے:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو' روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

۳۔ تضاد کے اندر تیسری اہم ضمانت یہ ہونی چاہئے کہ وہ نتیجہ خیز ہو محض فساد انگیزی اور قتل و غارت گری کا سبب نہ بن جائے۔

دور حاضر میں جب اقامت دین کی جدوجہد برپا کی جائے گی تو مسلم معاشرے کے اندر سے ابھرنے والا تضاد ان مختلف سطحوں اور نوعیتوں پر مشتمل ہوگا:۔

۱۔ نظریاتی تضاد ۲۔ معاشی تضاد ۳۔ سیاسی تضاد

۴۔ سماجی تضاد ۵۔ ثقافتی تضاد

پھر نظریاتی اور مادی تضاد میں سے ہر ایک کی دو نوعیتیں ہوں گی:

۱۔ جلی تضاد

۲۔ خفی تضاد

پھر ان کے بھی مختلف حوالوں سے کئی درجات ہوں گے۔ اور ہر درجہ کے تضاد کے مقابل اس کے متعلقہ تقاضوں کے تحت مزاحمت کی جائے گی۔ تاکہ غلبہ دین حق کی جدوجہد انقلابی جماعت کی توانائیاں ضائع کئے بغیر جاری رکھی جاسکے۔ تاریخ انبیاءؑ سے اگر ہم تضاد اور اس کے رد عمل کا جائزہ لیں تو اس کی دو نوعیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱۔ کفار و منکرین حق کا رویہ اور اس کے مقابل انبیاء کرامؑ کا رد عمل جو ان کی ہلاکت پر منتج ہوا

۲۔ دعوت حق قبول کرنے والوں کا رویہ اور اس کے مقابل انبیاء کرامؑ کا رد عمل جو اصلاح احوال کی کوششوں پر مبنی رہا۔

موخر الذکر صورت میں اگر امت مبتلائے گمراہی بھی ہوگئی تو اس درجہ کا رد عمل سامنے نہیں آیا جس طرح کفار کے حوالے سے تھا۔ قوم بنی اسرائیل کی مثال اس حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ان کی قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مساعی کے باوجود قوم شرک

سے باز نہ آئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس اپنی قوم میں تشریف لائے تو آپ کی باز پرس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ آج بھی انقلابی جدوجہد کرنے والوں کے لئے ایک رہنما اصول کا درجہ رکھتا ہے:۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ. اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ○

(۲۰:۹۴)

وہ بولے اے میرے ماں جائے (بھائی مجھ کو مورد الزام قرار نہ دو اور) میری ڈاڑھی اور میرے سر کے بالوں کو نہ پکڑو۔ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ (اگر میں ان کو چھوڑ کر نکلوں تو) تم یہ نہ کہو کہ تم نے آل یعقوب میں تفرقہ ڈال دیا (کچھ کو لے کر یہاں آگئے اور بعضوں کو وہاں چھوڑ دیا) اور میری نصیحت کو یاد نہ رکھا۔ (اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ حتی الامکان ان کو مجموعی طور پر سمجھاتا رہوں اور تمہارا انتظار کروں)۔

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کی گمراہی کے باوجود اس کی وحدت کو ایسے ردعمل پر ترجیح دی جو اسے تفرقہ میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ردعمل بھی یہاں دو نوعی تھا:۔

۱۔ سامری جو اس اجتماع قومی گمراہی کا سبب اور محرک تھا آپ نے اس کے لئے بددعا کی اور ابدی عذاب و بربادی اس کا مقدر بنا۔

۲۔ قوم کو آپ نے توبہ اور اصلاح احوال کی راہ کی طرف ہدایت فرمائی آپ کے رد عمل کی یہی صورت حال قوم اور فرعون کے حوالے سے تھی:

ا۔ فرعون اور اس کے پیروکاروں کے لئے عذاب اور ابدی زوال آیا۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○ (۴۵:۴۰)	پس اللہ نے اس (مرد مومن) کو لوگوں کی بری تدبیر سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے آگھیرا۔
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (۱۰۳:۷)	پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے (درباری) سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان (دلائل اور معجزات) کے ساتھ ظلم کیا پھر آپ دیکھئے کہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔'
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○ (۱۶:۷۳)	پھر (جب) فرعون نے (ہمارے) اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو بری طرح پکڑ لیا۔

۲۔ قوم کو باوجود لغزشوں اور خطاؤں کے استغفار اور اصلاح کی طرف رہنمائی عطا کی۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِ	اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بیشک تم نے

كُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْآ اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ. فَتَابَ عَلَيْكُمْ. اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُO

(۲:۵۴)

بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا کر اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ہے تو اب اپنے پیدا فرمانے والے (حقیقی رب) کے حضور توبہ کرو پس (آپس میں) ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو (اس طرح کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی اور اپنے دین پر قائم رہے ہیں وہ بچھڑے کی پرستش کر کے دین سے پھر جانیوالوں کو سزا کے طور پر قتل کر دیں) یہی عمل (تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہترین (توبہ) ہے' پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمالی' یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ. يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ.

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَO

(۷:۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو' بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام خیر پرہیزگاروں کیلئے ہی ہے۔

اور آپ کی اسی نظری و عملی روش کا ثمر تھا کہ انجام کار قوم بنی اسرائیل کو فرعونی' قارونی اور ھامانی نظام سے نجات نصیب ہوئی:

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا. وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا. وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ○
(۷:۱۳۷)

اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور (یوں) بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا' اس وجہ سے کہ انہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر کیا تھا۔ اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کردیا جو فرعون اور اسکی قوم نے بنا رکھے تھے اور ان چنائیوں (اور باغات) کو بھی جنہیں وہ بلندیوں پر چڑھاتے تھے۔

گویا تضاد ابھارنے اور اس تضاد کے رد عمل کے طور پر انقلابی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے حوالے سے درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا ہوگا:

۱۔ اگر تضاد غیر مسلم قوم اور معاشرے کی طرف سے سامنے آرہا ہو تو اس کا جواب بھی اتنا ہی شدید دینا ہوگا کہ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَ

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم

تَغلِبُونَ اِنْ کُنتُمْ مُؤْمِنِینَO ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔ (۱۳۹:۳)

کا منظر سامنے آجائے۔ حالیہ تاریخ میں اس کی واضح مثال تحریک پاکستان ہے جس میں ہندو مسلم تضاد کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

۲۔ اگر دعوت حق کے جواب میں تضاد مسلم معاشرے کی طرف سے ابھر رہا ہو تو:

الف۔ اس تضاد کو متاع و مستقر کی بنیاد پر خانہ جنگی تک نہ پہنچایا جائے الا یہ کہ حکمران اہل حق اور انقلابی جماعت کے مقابل تضاد کا علمبردار طبقہ نفاق کا مظہر ہو اور حدود الٰہی کی واضح پامالی کی راہ پر گامزن ہو تو ان کی بیخ کنی کرنا ہو گی' تاہم مد مقابل عالم کفر ہی کو رکھا جائے گا تاکہ وحدت ملی سلامت رہے۔

ب۔ جواب ہارون علیہ السلام کی روشنی میں ملت کے جسد اجتماعی کو ہر نوع کے افتراق سے بچایا جائے۔

ج۔ اس تضاد کو ایسا رنگ ہرگز نہ دیا جائے کہ کفر و طاغوت کے مقابل امت جسد واحد بننے کی بجائے باہمی جنگ و جدل کا شکار ہو جائے۔ یزید کے طاغوتی اقتدار کے خلاف حضرت امام حسینؓ کی انقلابی جدوجہد اس اصول کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے انقلابی جدوجہد کے انتہائی آخری تقاضے تک پورے کئے مگر امت میں باہمی جنگ و جدل کا سامان پیدا نہ کیا۔

د۔ مسلم معاشرے میں تضاد ابھارتے وقت یا موجود تضاد کا سامنا کرتے وقت مسلمانوں کے باہمی طبقاتی تضاد پر کفر و اسلام کے تضاد کو زیادہ نمایاں بنایا جائے۔ کشمیر' فلسطین و بوسینیا کی حالیہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

د۔ معاشرے میں تضاد ابھارنے پر انقلابی تحریک کو دو طرح کے ماحول کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۔ معاندماحول(Hostile Atmosphere) :

یہ تین نوعی طبقات پر مشتمل ہو گا

الف۔ منافقین ب۔ مخالفین ج۔ متعصبین

۲۔ غیر معاندماحول(Non-Hostile Atmosphere):

یہ بھی تین نوعی طبقات پر مشتمل ہو گا

الف۔ موافقین ب۔ لا تعلق افراد ج۔ غرض مند افراد

معاند ماحول کی تسخیر کے لئے اور اسے معاون ماحول میں بدلنے کے لئے حکمت پر مبنی کارگر لائحہ عمل وضع کیا جائے تاکہ انقلابی تحریک کی توانائیاں بے ثمر جدوجہد میں تضیع کا شکار نہ ہوں۔

و۔ ہر درجے کے تضاد کا اس کے تقاضوں کے مطابق سامنا کیا جائے۔ اور نتیجہ خیزی کے حصول کے لئے ہر دائرہ حیات میں قرآن حکیم کے دیئے گئے مناہج جدوجہد کو حسب تقاضہ بروئے کار لایا جائے' تاکہ انقلابی جدوجہد کا ہر قدم نتیجہ خیز ثابت ہو اور ہر آنے والا لمحہ اسے منزل انقلاب کے قریب تر کر دے۔

۲۔ مراحل خمسہ کا تعین:

تضاد کے تعین کے بعد انقلابی جدوجہد کے جملہ مراحل اور اس کی تفاصیل سے آگہی بہت ضروری ہے تاکہ انقلابی جماعت اس سفر کے جملہ تقاضوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کی تیاری کر سکے۔ قرآن حکیم اس ذیل میں یوں رہنمائی عطا کرتا ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا. وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ. لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِO

(۱۲:۵)

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور (اس کی تعمیل و تنفیذ اور نگہبانی کے لیے) ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری خصوصی مدد و نصرت تمہارے ساتھ رہے گی) اگر تم نے نماز قائم رکھی اور تم زکوۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر (ہمیشہ) ایمان لاتے رہے اور ان (کے پیغمبرانہ مشن) کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو (اس کے دین کی حمایت و نصرت میں مال خرچ کر کے) قرض حسن دیتے رہے تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو ضرور مٹادوں گا اور تمہیں یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے (بھی) کفر (یعنی عہد سے انحراف) کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

سا س آیت مبارکہ میں انقلابی جدو جہد کے مدارج مرحلہ وار بیان کر دیئے گئے ہیں:

ا۔ دعوت	۲۔ تنظیم
۳۔ تربیت	۴۔ تحریک وانقلابی جدو جہد
۵۔ انقلاب	۶۔ انقلابی راہ سے انحراف کا انجام: زوال

ا۔ دعوت:

اس سے مراد انقلابی تحریک کا پیغام' مقاصد اور نصب العین عام کرنا ہے۔ اور معاشرے وقوم کی اکثریت کو اس سے آگاہ کر کے انہیں انقلابی تحریک کا عضو فعال بنانا ہے تاکہ اقامت دین حق کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے غلبہ دین حق کی راہ ہموار کی جا سکے۔

۲۔ تنظیم:

جب معاشرے میں افراد کی ایک متعد بہ تعداد انقلابی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسے قبول کرے تو انہیں ایک باقاعدہ نظم دے کر ایک تنظیم میں تبدیل کیا جاتا ہے تاکہ یہ انقلابی جدو جہد کو موثر انداز سے آگے بڑھانے میں ممد و معاون ہو۔

۳۔ تربیت:

تربیت سے مراد انقلابی تحریک سے وابستہ افراد میں انقلابی فکر کا رسوخ ہے تاکہ وہ فکری واضحیت اور عملی صحت کے ساتھ انقلابی جدو جہد میں داخل ہو سکیں۔ اگر انقلابی تحریک کے وابستگان کو اس نوع کی تربیت کے عمل سے نہ گزارا گیا تو ان کی وابستگی کبھی بھی دائمی' پختہ اور استوار ہو سکے گی۔

۴۔ تحریک:

تحریک سے مراد معاشرے میں اجتماعی سطح پر اعلیٰ اقدار کے احیاء و قیام کے

لئے کی جانے والی ایسی جدو جہد ہے جو ایک طرف صالح اور اعلیٰ اقدار کے فروغ و نفوذ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف ان طبقات اور عناصر کی بیخ کنی بھی کرتی ہے جو معاشرے میں غلبہ دین حق کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ یہ سارا عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک قوم کی ایک موثر تعداد شعوری اور عملی طور پر اس امر کی انجام دہی کے لئے کمر بستہ نہ ہو جائے۔

۵۔ انقلاب:

یہ انقلابی جدو جہد کی وہ منزل ہے جو علمی، فکری، اخلاقی و روحانی اور معاشی و معاشرتی سطح پر اس اعلیٰ و ارفع معیار حیات کے حصول سے عبارت ہے جس کا اظہار قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًاO

(۲۸:۴۸)

وہی (اللہ) تو ہے جس نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر مکمل طور پر غالب کر دے (اور جملہ حقائق و معارف کو ظاہر فرما دے اور کلمۂ طیبہ کی صداؤں سے عالم گونجتا رہے) اور یوں تو دین حق کی صداقت اور رسول کی رسالت پر) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔

چونکہ اس کے لئے انقلابی جدو جہد مقصد بعثت نبویؐ کی اقامت کے لئے اور سیرت نبویؐ ہی کی رہنمائی میں انجام پذیر ہوئی ہے اس نے اسے ''مصطفوی انقلاب'' کا عنوان

دیا گیا ہے۔

مصطفوی انقلاب سے مراد ایک ایسا صالح اور مثالی معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر فرد معاشرہ حقیقی اور عملی معنوں میں:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَO (۳۸:۲)

تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

کا مشاہدہ کرے۔ اندریں حالات اگر کوئی بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کرے گا تو:

فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِO (۱۲:۵)

اس کے بعد تم میں سے جس نے (بھی) کفر (یعنی عہد سے انحراف) کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

کے مصداق وہ اپنے آپ کو وعدہ الٰہی کی مذکورہ برکات سے بعید پائے گا۔

۳۔ عبوری حکمت عملی:

زندگی کی نوعیت اپنی اصل کے اعتبار سے امکاناتی اور احتمالی ہے۔ یعنی زندگی کبھی بھی لگے بندھے اصولوں اور ضوابط کی ہی پابند نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات ایسے حالات بھی حیطہ ظہور میں آتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کیلئے وقتی اور ہنگامی لائحہ عمل اختیار کرنا پڑتی ہے۔ انقلابی جدوجہد کرنے والی جماعت کو نوعیت کی عبوری حکمت عملی تشکیل دینے اور دوران جدوجہد ہر نوع کے پیش آمدہ حالات اور واقعات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت کا حامل ہونا چاہئے۔ سیرت نبوی ﷺ اس حوالے سے جامع رہنمائی عطا کرتی ہے۔ اہل اسلام کیلئے حکم جہاد موجود ہونے کے باوجود صلح

حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے کفار سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور اس طرح نفوذ و فروغ اسلام کے نئے امکانات کے باب وا کر لیے۔

عبوری حکمت عملی پر نظر رکھنے سے جہاں انقلابی قیادت ہنگامی حالات سے کماحقہ عہدہ برآ ہو سکتی ہے وہاں انقلابی جماعت کے کارکن و وابستگان بھی وسعت نظر و عمل کے حامل بنتے ہیں کہ وہ قیادت کے ایسے فیصلوں کو اساسی فکر سے انحراف (Deviation) قرار نہیں دیتے بلکہ سوئے منزل بڑھنے کی ایک راہ گردانتے ہیں۔

۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی:

انقلابی جدوجہد کے دوران انقلابی تحریک کو پیش آنے والے ممکنہ رد عمل کا تعین فکر انقلاب کا ایک اہم عنصر ہے۔ انقلابی تحریک کو اپنے جدوجہد کے سفر کے دوران تین طرح کے رد عمل کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان کسی انقلابی جدوجہد کی کامیابی کی ضمانت ان عوامل کی مزاحمت کی موثر مزاحمت میں ہوگی۔ وہ تین رد عمل یہ ہیں:۔

۱۔ ایمان ۲۔ کفر ۳۔ منافقت

اس سے یہ گروہ وجود میں آئیں گے:۔

۱۔ موافق ۲۔ مخالف ۳۔ مفاد پرست

انہیں قرآن حکیم کی اصطلاح میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ مسلمان ۲۔ کافر ۳۔ منافق

جدید اصطلاحی زبان میں ہم انہیں یوں عنوان دے سکتے ہیں:

۱۔ انقلابی ۲۔ رجعت پسند ۳۔ مصلحت کش

۱۔ موافقین کا رد عمل:

فکر انقلاب کی دعوت پر موافقین اور انقلابیوں کا رد عمل یہ ہوگا کہ

مومنانہ کردار ادا کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہیں گے اور انقلابی جدوجہد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ وہ قیادت کے دست و بازو بنیں گے اور مشن کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے وہ انقلابی جدوجہد کے ذریعے باطل' فرسودہ اور سامراجی واستحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر مبنی بر حق' جاندار اور عادلانہ نظام حیات نافذ کرنے کے لئے تگ و دو کریں گے۔ ان کے فکر و عمل کی وضاحت قرآن حکیم کی روشنی میں یوں کی جاسکتی ہے:۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَO (۳:۲)	جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۲۸۵:۲)	(اس) رسول نے جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اس کی تصدیق کی
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (۱۶۲:۴)	اور مومن لوگ اس (وحی) پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اس (وحی) پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے (برابر) ایمان لاتے ہیں۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ	ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○

(۲:۸)

ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال) کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

(۴،۳:۸)

ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں۔ (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے) (یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کیلئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ
اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ
عَشِيْرَتَهُمْ. اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ
مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا.
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ. اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO

(۲۲:۵۸)

آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض خاص سے تقویت بخشی ہے (وہ دنیا میں بھی فیضیاب ہوں گے) اور (آخرت میں اللہ) ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ ان کا اجر ہے اور فیضان یہ کہ) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (یہ اعتماد رضا یہ لطف رضا' یہ مسرت' یہ راحت جسے ملے وہی جانے) یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں (اللہ والے ہیں۔ اللہ کے لیے زندہ رہتے اور اللہ کے لیے مرتے

ہیں) سن رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت فلاح پانے والی ہے (اس کو اس کے ایمان و عمل کا صلہ ملے گا اور خوب ملے گا۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

(۹:۵۹)

اور (یہ مال) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو (ہجرت والے) گھر (یعنی مدینہ) میں پہلے سے مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں (یعنی) جو شخص ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں (اس کو اپنا سمجھتے ہیں) اور جو کچھ مہاجرین کو ملتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی خلش (رشک یا تنگی پیدا) نہیں ہوتی اور (یہی نہیں بلکہ وہ ان کو) اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں (ان کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں) اور اگرچہ خود ان کو شدید ضرورت (ہی کیوں نہ) ہو اور (ان کا یہ مجاہدہ نفس اللہ کے یہاں پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے سچ تو یہ ہے کہ جس کو

(توفیق الٰہی سے) اس کے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○
(۱۵:۴۹)

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں۔ ان کا منتہائے نظر منزل صدق ہے ان میں سب سے بڑے کا نام صدیق ہے)۔

ان آیات سے اہل ایمان انقلابیوں کے درج ذیل اوصاف سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ یہ لوگ ہی حزب اللہ ہیں اور فلاح ابدی انہی کا مقدر ہے۔

۲۔ ان کی جدوجہد کی بنیاد ایمان بالغیب پر ہے۔ اللہ کا وعدہ ان کے لئے زندگی کی ہر حقیقت سے بڑی حقیقت ہے یہ اپنے ایمان بالغیب کی توثیق اقامت صلوۃ اور انفاق فی المال سے کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا کلام ان کے لئے یقین و ایمان کا سرچشمہ و منبع ہے۔

۴۔ ان کے لئے ایمان ایک تصور نہیں بلکہ ان کی زندگی کی ایک زندہ حقیقت ہے۔ ذات ربانی کا تصور ان کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے سو آیات الٰہی کی تلاوت و سماعت ان کے لئے زیادتی ایمان اور دولت توکل کا باعث بنتی ہے۔

۵۔ یہ لوگ مغفرت کے امیدوار ہیں اس عملی و ذہنی روش کے ساتھ کہ مغفرت اقامت صلوۃ اور انفاق فی المال سے منسلک ہے۔

۶۔ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کی کوئی گنجائش نہیں چاہے وہ ان کے قریبی عزیز اور خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

۷۔ اقامت دین کے لئے ترک وطن و مفادات ان کے کردار کا حصہ ہے۔ وہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں پر خرچ کرنے کو اپنی ذات پر خرچ کرنے پر ترجیح دیتے ہیں چاہے یہ شدید ابتلاء و مشکلات پر ہی کیوں نہ منتج ہو۔

۸۔ ان کی انقلابی جدوجہد ہر طرح کے شک و ریب سے بالاتر اور جہاد بالمال و بالنفس سے مملو ہوتی ہے۔ جو ان کے صدق اور نصب العین سے سچی لگن کی عملی دلیل ہے۔

۲۔ مخالفین و رجعت پسندوں کا ردعمل

انقلاب کے لئے دوسرا ممکنہ ردعمل مخالفین کی طرف سے ہوگا یہ وہ رجعت پسند لوگ ہوں گے جن کے مفادات پر انقلاب کے ذریعے براہ راست زد پڑے گی۔ جن کی اجارہ داریوں کو دھچکا لگے گا' جن کے کبر و رعونت کے بت پاش پاش ہوں گے۔ جن کی مفاد پرستیاں انہیں بکھرتی اور ریزہ ریزہ ہوتی نظر آئیں گی اور وہ کافرانہ کردار ادا کرتے ہوئے مخالف و مزاحم ہوں گے۔ مشن اور دعوت انقلاب جتنی مبنی بر حق ہوگی اس کی مخالفت اتنی ہی شدت سے ہوگی کیونکہ حق میں نکھار مخالفت کی وجہ سے آتا ہے

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد
ظہور مصطفوی ﷺ را بہانہ بولہبی است
(پیام مشرق)

اگر دعوت انقلاب پر مخالفانہ ردعمل نہ ہو تو اس فکرِ انقلاب میں خالصیت اور باطل نظام کو تبدیل کرنے کی قطعاً کوئی صلاحیت نہ ہوگی نہ وہ باطل اور طاغوتی طاقتوں کے لئے کوئی واضح چیلنج بن سکے گا۔

مخالفین و رجعت پسندوں کے کردار کا تعین قرآن حکیم کی روشنی میں یوں کیا جا سکتا ہے:۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (۹۶:۲)	آپ انہیں یقیناً سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس میں مبتلا پائیں گے اور (یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی زیادہ ‘ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر مل جائے
مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۱۰۵:۲)	نہ وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہوگئے ہیں اور نہ ہی مشرکین اسے پسند کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی اترے
وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ	بہت سے اہل کتاب کی یہ خواہش ہے تمہارے ایمان لے آنے کے بعد پھر

كُفَارًا — تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں

(۲: ۱۰۹)

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَا عرفُوا كفرُوا بِهِ — سو جب ان کے پاس وہی نبی (حضرت محمد ﷺ اپنے اوپر نازل ہونے والی

(۲:۸۹)

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ — اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے (اب) نازل فرمایا ہے (تو) کہتے ہیں ہم صرف اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی اور وہ اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں

(۲:۹۱)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط — اور یہود و نصاریٰ آپ سے (اس وقت تک) ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلیں

(۲:۱۲۰)

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ○ — اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (روش) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں

(۲:۱۷۰)

اور نہ ہی ہدایت پر ہوں۔

وَدَّالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً.

(۱۰۲:۴)

کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر دفعتۃً حملہ کر دیں

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ○

(۵۹:۵)

(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب تمہیں ہماری کونسی بات بری لگی ہے بجز اس کے کہ ہم اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر جو پہلے نازل کی جا چکی ہیں ایمان لائے ہیں اور بیشک تمہارے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

ان آیات سے مخالفین اور رجعت پسندوں کے کردار کے درج ذیل خصائص ہمارے سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ ان کے نزدیک اصل زندگی دنیاوی زندگی ہے۔ وہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ اہل ایمان کی بھلائی اور ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ انہیں ہر خیر حتی کہ دولت ایمان تک سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ وہ دعوت حق پر تعقل اور استدلال کی بنیاد پر غور نہیں کرتے بلکہ ہٹ دھرمی اور

انانیت کی روش پر گامزن ہونے کی وجہ سے تعصب کی بنیاد پر اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۴۔ وہ ہمہ وقت اہل ایمان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔ تاکہ وہ انہیں ان کے ایمانی' دینی اور ملی تشخص سے محروم کر دیں اور اپنے کافرانہ تہذیبی' سماجی اور ثقافتی رنگ میں رنگ لیں۔

۳۔ منافقین و مصلحت پسندوں کا ردعمل

انقلاب کے لئے تیسرا اور آخری ردعمل ایسے مفاد پرست طبقے کی طرف سے ہوگا جو نہایت خطرناک اور تاریخ میں گھناؤنا کردار سرانجام دینے والا ہے۔ یہ طبقہ منافقین اور مصلحت پسندوں کا طبقہ ہے۔ یہ منافقین سے مل کر انہیں اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلاتے اور مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جونہی مخالفین کی صفوں میں قدم رکھتے ہیں انہیں کے ہو جاتے ہیں اور مفادات کے حصول کی خاطر "صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں" کا نمونہ بنے رہتے ہیں۔

جونہی تحریک انقلاب کو استحکام ملتا ہے اور وہ روز افزوں ہوتی ہوئی ترقی کے زینے طے کرتی جاتی ہے۔ مذکورہ تینوں قسم کے ردعمل ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں تحریک کی تیزی گہرائی اور ترقی کے ساتھ ساتھ یہ ردعمل بھی تیز تر گہرے اور ترقی حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں منافقین کی علامت درج ذیل ہیں:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ	اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۝

(۲:۸، ۹)

(ہرگز) مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر (فی الحقیقت) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝

(۲:۱۱، ۱۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد بپانہ کرو، تو کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! یہی لوگ (حقیقت میں) فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں (اس کا)احساس تک نہیں۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ. وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۝

(۶۳:۱)

(اے نبی کریم) جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں (لیکن یہ منافق جو کہہ رہے ہیں یہ ان کے دل کی آواز نہیں وہ ہرگز دل سے آپ کی رسالت کے قائل نہیں) اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے

ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ.

وہ اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

(۱۱:۴۸)

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللهِ قَالُوْا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَاللهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا○

وہ (منافق) جو تمہاری (فتح و شکست کی) تاک میں رہتے ہیں' پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (ظاہری فتح میں سے) کچھ حصہ مل گیا تو (ان سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور (اس کے باجود کیا) ہم نے تمہیں مسلمانوں (کے ہاتھوں نقصان) سے نہیں بچایا؟ پس اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر (غلبہ پانے کی) ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔

(۱۴۱:۴)

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں

تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا

(۱۲۰:۳)

بری لگتی ہے، اور تمہیں کوئی رنج پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ.

(۱۳:۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (تم بھی) ایمان لاؤ جیسے (دوسرے) لوگ ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم بھی (اسی طرح) ایمان لے آئیں جس طرح (وہ) بیوقوف ایمان لے آئے۔

اِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ.

(۸۱:۴)

کہتے ہیں کہ (ہم نے آپ کا) حکم مان لیا۔ پھر جب وہ آپ کے پاس سے (اٹھ کر) باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کی کہی ہوئی بات کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ

(۸۳:۴)

اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں (ابتداء کچھ عرصہ کے لیے) یہ کہا گیا کہ اپنے ہاتھ (قتال سے) روکے رکھو اور نماز قائم کیے رہو اور زکوۃ دیتے رہو (تو وہ اس پر

خَشْيَةً. وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ. لَوْلَا اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ

(۷۷:۴)

خوش تھے) پھر جب ان پر جہاد یعنی کفر اور ظلم سے ٹکرانا) فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ (مخالف) لوگوں سے (یوں) ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی بڑھ کر۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر (اس قدر جلدی) جہاد کیوں فرض کر دیا۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا. قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ. هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ.

(۱۶۷:۳)

اور ایسے لوگوں کی بھی پہچان کرادے جو منافق ہیں۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کر دیا (دشمن کے حملے کا) دفاع کرو تو کہنے لگے اگر ہم جانتے کہ (واقعتہً کسی ڈھب کی) لڑائی ہو گی یا ہم سے اللہ کی راہ میں جنگ جانتے) تو ضرور تمہاری پیروی کرتے اس دن وہ (ظاہری) ایمان کی نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب تھے

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَائِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا.

(اور) اللہ تم لوگوں میں سے ان کو بھی خوب جانتا ہے جو (لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے سے) روکتے ہیں اور

وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًاO (۱۸:۳۳)

اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ (کہاں لڑائی میں مر رہے ہو) ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور یہ خود لڑائی میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں پیش آنے والے رد عوامل کا سامنا کرنے کے لئے انقلابی قیادت کے پاس واضح حکمت عملی بھی ہونی چاہئے۔ انقلابی جدوجہد کے دوران احتیاطی اقدامات کے تحت انقلابی قیادت کو قبل از وقت تصادم سے گریز کرنا ہوگا۔[9]

قبل از وقت تصادم کا التواء

دور ما قبل انقلاب میں تصادم کو خاص عرصے تک ملتوی رکھا جاتا ہے اپنے فکر کے ہمنوا پیدا کر کے بتدریج ان کی تعداد میں اضافہ کرنا قیادت کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشرے میں پہلے سے موجود ظالم' استحصالی اور سامراجی نظام کے دست تظلم کے گردش میں ہونے کی وجہ سے اس نظام کی فرسودگی' بطلان اور سامراجیت کو للکارنا اپنی قوت کو خود اپنے ہاتھوں قبر میں اتارنا ہے لہذا ایک خاص مدت تک تصادم کو معرض التواء میں رکھا جاتا ہے۔

یہ چیز ذہن نشین رہے کہ جب تصادم معرض التواء میں ہو اس وقت انقلابیوں کے سامنے ایسا پروگرام ہونا چاہئے جس سے ان کے حوصلے اور جذبے نرم اور سرد نہ ہوں اور وہ تسلسل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں اور تحریک جب تصادم کو دعوت دینے کے مرحلے تک آ پہنچے تو کسی تاخیر کے بغیر میدان کارزار میں کودا جائے گویا فیصلہ کن قوت کے تیار ہونے سے پہلے تصادم کو ملتوی رکھنا اور انقلابیوں کے جذبات اور حوصلوں کو سرد نہ ہونے دینا راہ انقلاب کے اہم تعینات

ہیں۔

التواء کے اس سارے دور میں دعوت' تربیت' تنظیم کے مراحل سے انقلابیوں کو گزارا جائے اور مواخات مدینہ کی طرز پر انقلابیوں کے معاشی استحکام کے لئے کام کیا جائے۔

انقلابی قیادت کو مذکورہ بالا ہر ردعمل کے جواب میں یہ حکمت عملی اختیار کرنا ہو گی:

۱۔ مومنین اور انقلابی جماعت کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ان کے ایمان و کردار کی تعمیر کے ساتھ ساتھ انہیں معاشی استحکام عطا کر کے ان کی انقلابی قوت کو فروغ دیا جائے گا:

۲۔ رجعت پسندوں' منکرین اور کافروں کو ہر سطح پر قوت سے دبایا جائے گا:

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ. (۲:۱۹۳)	اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے ۔

۳۔ منافقین کی پردہ دری کی جائے گی۔ مصلحت کوشوں کو ہر سطح پر بے نقاب کیا جائے گا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (۹:۷۳)	اے نبی (معظم!) آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

اس کا عملی نمونہ ہمیں سیرت نبوی ﷺ سے ملتا ہے کہ خاص وقت تک

انتظار کے بعد پیغمبر انقلاب ﷺ نے مصلحت پسندوں کو بے نقاب کر دیا اور ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکالا گیا۔

فاخرج من المسجد یا فلان انت منافق — اے فلاں مسجد سے نکل جا تو منافق ہے۔

گویا انقلابیوں کی ہر سطح پر حوصلہ افزائی کرنا، رجعت پسندوں کو ہر سطح پر قوت سے دبانا اور مصلحت کوشوں کو ہر سطح پر بے نقاب کرنا یہ ممکنہ رد عمل کے جواب ہوں گے۔ فلسفہ انقلاب کے ان پانچ تعینات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام اپنے خاص وحی پر مبنی پاکیزہ مقاصد کے حصول کی خاطر انقلاب بپا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور کفر اپنے طریق پر اپنے باطل مقصد کے حصول کی خاطر انقلاب لانے کی دعوت دیتا ہے۔"

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی
حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
اس کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت

غلبہ دین حق کے لئے کی جانے والی جد و جہد نتیجہ خیز ہو گی اور انجام کار اپنے نصب العین کی تکمیل سے بہرہ ور ہو گی۔ یہ تصور جہاں فکر انقلاب کا اہم اور نمایاں تعین ہے وہاں دیگر افکار حاضرہ اور **"قرآنی فلسفہ انقلاب"** میں ایک نکتہ امتیاز بھی ہے۔

ملت کے دورِ زوال سے دوچار ہو جانے کے بعد دوبارہ غلبہ و عروج کو حاصل کرنے کے دو منہج ہوں گے:۔

ا۔الوہی منصوبہ بندی (Divine Planing)

۲۔احیائی جدوجہد (Revivalistic Struggle)

ا۔الوہی منصوبہ بندی:

کائناتِ ارضی پر انسانی زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی جب ہبوطِ آدم علیہ السلام سے نسلِ آدم علیہ السلام کا سلسلہ شروع ہوا تو ربِ ذوالجلال نے نسلِ آدم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ ان کے پاس ابدی فلاح کی ضامن ہدایت آتی رہے گی جس کی اتباع ان کے لئے ہر نوع کے خوف و حزن سے نجات کا باعث ہوں گے۔ اس سلسلہ ہدایت کو مسلسل قائم رکھنے کے لئے انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کیا گیا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً. فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. (۲:۲۱۳)	(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے' (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہوگئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا' اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جنمیں وہ اختلاف کرنے لگے تھے'
وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ○ ذِكْرٰى. وَمَا كُنَّا	اور ہم نے کسی بستی کو غارت نہیں کیا مگر اس کے لیے (عواقب سے)

ظٰلِمِيْنَ O
(۲۶:۲۰۸_۲۰۹)

ڈرانے والے (ان بستیوں میں موجود) تھے۔ نصیحت کرنے کے لیے ۔ اور ہمارا کام ظلم کرنا نہیں (یعنی پہلے ہدایت کے لیے اللہ کے نبی اس کے بندے لوگوں کو بداعمالیوں کے عواقب سے ڈراتے ہیں جب پھر بھی وہ راہ ہدایت پر نہیں آتے تب ہلاک کیے جاتے ہیں)۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ O وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ O
(۴۳:۶_۷)

اور (سلسلہ وحی اور انبیاء کوئی نئی بات نہیں) ہم گزشتہ امتوں میں بہت سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں۔ اور (ان کفار کا تو یہی حال رہا کہ) جو پیغمبر بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے۔ (لیکن ان کے انکار کے باعث اللہ نے اپنا حکم بھیجنا بند نہ کیا)

یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت تو ہر دور میں عالم انسانیت کے پاس آتی رہی جس کی اتباع میں ان کی فلاح تھی مگر وہ تمرد اور سرکشی کی روش کی وجہ سے الوھی ہدایت سے میسر آنے والی فلاح سے محروم رہے:

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا

اور اس میں اختلاف بھی بھی فقط انہی لوگوں نے کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی

بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○

(۲:۲۱۳)

تھی' باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی بغض و حسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے' اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

ہر قوم اپنی سرکشی کے سبب سے انجام کار تباہی اور بربادی سے دوچار ہوتی رہی مگر ان کے لئے اصلاح احوال کے دروازے کھلے رکھے گئے گو اپنی غفلت' نفس پرستی اور ہدایت الٰہی سے دوری کے سبب وہ اصلاح احوال کی راہ اختیار کر کے نجات حاصل نہ کر سکے۔ گزشتہ اقوام کی حالات بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم ایک اصول کے طور پر قوم یونس علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ان کی سرکشی کے سبب چھوڑ کر چلے گئے اور قریب تھا کہ وہ قوم عذاب الٰہی سے دوچار کر دی جاتی مگر توبہ واستغفار اور عملاً اصلاح احوال کے عزم اور ہدایت ربانی کی طرف رجوع میں انہیں عذاب سے نجات دے کر دوبارہ ان کے زوال (خزی) کو عروج (ومتعنھم) میں بدل دیا:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ. لَمَّآ اٰمَنُوْا

پھر قوم یونس (کی بستی) کے سوا کوئی اور ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ○ (۱۰:۹۸)	لائی ہو اور اسے اسکے ایمان لانے نے فائدہ دیا ہو جب (قوم یونس کے لوگ نزول عذاب سے قبل صرف اسکی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی میں (ہی) رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک منافع سے بہرہ مند رکھا

اس تذکرے سے قرآن حکیم اس بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ زوال و تباہی سے نجات اور عروج و تمکنت کا حصول الوحی ہدایت کی ایسی اتباع جو تعقل، تفکر اور تدبر کے ذریعے پوری زندگی کو صحت مند روش پر گامزن کر رہی ہو، ہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ○ (۱۰:۱۰۰)	اور کسی شخص کو (از خود یہ) قدرت نہیں کہ وہ بغیر اذن الٰہی کے ایمان لے آئے وہ (اللہ) کفر کی گندگی انہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو (حق کو سمجھنے کیلئے) عقل سے کام نہیں لیتے

۲۔ احیائی جدو جہد:

تاریخ ملل میں ملت اسلامیہ کو یہ شان امتیاز حاصل ہے کہ اسے ابدی زوال و تباہی سے وراء اور مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل ہر قوم کو ایک مدت معینہ

کے بعد ان کے انجام کے حوالے کر دیا گیا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ	ہر امت کے لئے ایک فیصلہ کن ساعت ہے۔
(۴۹:۱۰)	

اور اجل کے لئے فرمایا گیا:

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ	ہر فیصلہ کن ساعت کے لئے ایک کتاب ہے۔
(۳۸:۱۳)	

کتاب کا تعلق اس فیصلے سے ہے جو فیصلہ کن ساعت میں کسی امت کے متعلق طے پاتا ہے کہ کون سی امت اس کی حق دار ہے کہ وہ باقی رہے اور ترقی کرے اور کون سی امت اس امر کی مستحق ہے کہ اسے مکافات عمل کے تحت نابود کر دیا جائے۔ تاہم اجل کی کتاب کے مفہوم کو متعین کرتے ہوئے اس امتیاز کو سامنے رکھنا ہو گا کہ قرآن حکیم نے اس کا مفہوم امت مسلمہ اور ما قبل امم کے لئے مختلف انداز سے متعین کیا ہے وہ امم سابقہ کے لئے کیا گیا:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○	ہر امت کیلئے ایک میعاد (مقرر) ہے، جب انکی (مقررہ) میعاد آ پہنچتی ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔
(۴۹:۱۰)	

مگر ملت اسلامیہ کے حوالے سے اس مفہوم کو یوں بیان کیا گیا:

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ	اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب
(۳۹_۳۸:۱۳)	

(لوح محفوظ) ہے۔

گویا ملت اسلامیہ کو زماں و مکاں کے اثرات و نفاذ نابودیت سے ماوراء منصب عطا کیا گیا:

از اجل ایں قوم بے پروا ستے
استوار از نحن نزلنا استے

(اقبالؒ)

اسی امتیاز سے متصف ہونے کے باعث ہر دور زوال میں ملت اسلامیہ کے عروج واحیاء کے لئے کی جانے والی جدوجہد انجام کار کامیابی پر منتج ہو گی بشرطیکہ وہ مطلوبہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ نتیجہ خیزی کے لئے مطلوبہ تقاضے دو نوعی ہیں:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

(العصر)

قسم ہے زمانے کی یقیناً انسان خسارے میں رہا (کہ کسب سعادت اور کسب فیض سے محروم رہا۔ یہ آخری دور پایا اور ایمان نہ لایا) مگر (اس ناقابل تلافی نقصان سے وہی محفوظ رہے) جو (خدا اور خدا کے رسول پر) ایمان لائے اور (ایمان ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ) نیک عمل کیے اور (یہی نہیں بلکہ وہ) آپس میں ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر (و استقلال) کی تاکید کرتے رہے۔

یعنی عصر کے ابدی خسران سے مستثنیٰ وہی قوم ہوگی جو

ا۔ ایمان ویقین اور

۲۔ عمل صالح سے متصف ہوگی۔

ایمان ویقین

یقین جدوجہد برپا کرنے اور اس میں استقامت کے لئے نتیجہ خیزی سے پہلے ضروری ہے کامیابی (مشاہدہ) کے لیے جدوجہد (مجاہدہ) ضروری ہے اور موثر جدوجہد بغیر یقین کے نہ ہوسکے گی۔ یعنی جدوجہد سے پہلے جب تک جدوجہد کرنے والے کو اپنی کامیابی کا یقین نہ ہوگا وہ اس راہ پر کوئی موثر قدم نہ اٹھا سکے گا۔ اور پھر یہی یقین اسے راہ جدوجہد میں استقامت وپامردی اور استحکام دے گا جو حصول منزل کی ضمانت بنے گا۔ جبکہ یقین کو مشاہدہ ہی سے مربوط کردینے سے نہ صرف یقین کی عملی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کی روشنی میں بعض اوقات مشاہدہ بھی یقین خیزی کا سبب نہیں بنتا جب تک شاہد خود اس مشاہدہ سے یقین حاصل نہ کرنا چاہتا ہو:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ○

(۱۱۱:۶)

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم ان پر ہر چیز (آنکھوں کے سامنے) گروہ در گروہ جمع کردیتے وہ تب بھی ایمان نہ لاتے سوائے اس کے جو اللہ چاہتا اور ان میں سے اکثر لوگ جہالت سے کام لیتے ہیں۔

یعنی اگر انسان کا وطیرہ یجھلون (To practice Ignorance) ہو تو مشاہدہ بھی

یقین و ایمان کی دولت نہ دے گا چاہے وہ ارض و سموات کی جمیع آیات اور دلائل و براہین پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو! جدوجہد سے پہلے ضرورت یقین کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝ (۲۴:۳۲)

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں جب تک وہ صبر سے کام لیتے رہے بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

i۔ جدوجہد میں استقامت (صبر)

ii۔ قانون الٰہی کی واقعیت اور اس پر کاربند رہنے کی صورت میں وعدہ الٰہی کی صداقت کا یقین۔

قرآن حکیم نے متفرق مقامات پر یقین کے اس عملی پہلو کو بیان کیا ہے:۔

ا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی مظالم سے بچانے کے لیے مادر موسیٰ علیہ السلام کو رب ذوالجلال نے وحی فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو حوالہ دریا کردو۔ یہ ایک مشکل امر تھا مگر وعدہ الٰہی پر یقین نے انہیں یہ کار مشکل انجام دینے کا حوصلہ دیا۔ وعدہ الٰہی پر یقین کا ثمر کیا ہوا ارشاد ربانی ہے:۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اس طرح ہم نے ان کو ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ (بیٹے کی جدائی سے) غمگین نہ ہوں اور جان لیں کہ بے

يَعْلَمُوْنَ O شک اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (اور جب کسی معاملہ میں دیر ہوتی ہے یا کوئی اور صورت پیدا ہوتی ہے تو ان میں تذبذب پیدا ہونے لگتا ہے)۔ (۱۳:۲۸)

یعنی مادر موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ الٰہی کی حقانیت کا مشاہدہ مل گیا مگر تب جب انہوں نے اپنی جانِ جان کو وعدہ الٰہی پر یقین کرتے ہوئے بنظر ظاہر نذر ہلاکت کر دیا۔

ب۔ جب موسیٰ علیہ السلام حکم ربانی کے تحت اپنی قوم کو لیکر روانہ ہوئے تو فرعونی لشکر بھی ان کے تعاقب میں آگئے۔ جب دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو بنی اسرائیل آگے دریا اور پیچھے فرعونی لشکروں کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے انہیں اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَ كُوْنَ O پھر جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا (لو) ہم تو پکڑے گئے۔ (۶۱:۲۶)

مگر ان دگرگوں اور ہلاکت خیز حالات میں بھی جو جواب اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام نے دیا وہ پیغمبرانہ یقین کا حامل جواب تھا:۔

قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ O (موسیٰ نے) فرمایا ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ (نجات) بتادے گا۔ (۶۲:۲۶)

یقین سے مملو اس جواب کے ساتھ ہی وحی ربانی آئی:۔

فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِO (۲۶:۶۳)

چنانچہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو (انہوں نے تعمیل حکم کی) تو دریا (دو حصوں میں) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا پانی کے ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ (اس طرح دریا نے اللہ کے حکم سے موسیٰ کو راہ دی)۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یقین کی نتیجہ خیزی غلبہ حق کی شکل میں سامنے آئے گی۔ اور غلبہ حق کو قرآن اسی دنیا میں غلبے سے تعبیر کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰىO (۲۰:۶۴)

آج وہی کامیاب (و کامران) ہے جو غالب آئے۔

گویا یہ آیۃ مبارکہ انتم الا علون کی وضاحت بھی بیان کر رہی ہے! اور اگر کہیں نتیجہ خیزی نظر نہ آ رہی ہو تو اس کا سبب بھی بجوائے قرآن یقین کا فقدان ہو گا:۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍO (۳۴:۵۴)

اور (اس دن تو) ان میں اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جائے گا (ایسا پردہ کہ دین حق کی تمنا بھی نہ کر سکیں) جیسا کہ ان سے قبل ان ہی جیسے (باطل پرست)

لوگوں کے ساتھ کیا گیا کیونکہ وہ لوگ
(بھی غیب کی باتوں کے متعلق) ایسے
شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے
ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

یقین نہ صرف اہل حق کی جدوجہد کے لیے شرط اولین (Very first Pre-requisite) ہے بلکہ نتیجہ خیزی کا ضامن بھی۔ اور اگر نتیجہ خیزی سامنے نہ آ رہی تو قرآن حکیم کی روشنی میں یقین کے معیار اور اس کے تقاضوں کا از سر نو جائزہ لینا ہو گا جو نتیجہ خیزی کے حوالے سے "وحیل بینھم" کی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنے کا سبب بنے گا۔

جب یہ امر طے پایا گیا کہ نتیجہ خیزی کا یقین نتیجہ خیزی کے مشاہدے سے پہلے ضروری ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یقین میسر کیسے آئے گا؟

وعدہ الٰہی اور نتیجہ خیزی پر یقین کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ قرآن حکیم محسوس حقائق کا مشاہدہ کروا کر غیبی حقائق کا یقین دینے کا اسلوب اپناتا ہے۔ تخلیق کائنات میں تفکر کی دعوت اس لیے دی جاتی ہے۔ کہ "حق" کی معرفت حاصل کی جا سکے۔ اس طرح وعدہ الٰہی کی واقعیت اور حقانیت کا یقین حاصل کرنے کے لیے رب کائنات انسان کے سامنے Data رکھتا ہے کہ یا تو انسان اس Data کے چیلنج کو قبول کر کے اسے رد کرنے کی سعی کرے اور اگر اسے رد نہ کر سکے تو اسے قبول کر کے اس کے محتویات کے مصداق بننے کی جدوجہد کرے۔ یہ ربانی Data ان اجزاء پر مشتمل ہے:۔

ا۔ ذات نبوت　　　　۲۔ قرآن حکیم

ا۔ذات نبوت

سیرت نبوی کی عدم مثلیت کا یہ عالم کہ نزول قرآن سے بھی قبل آنے والے قرآن کی تصدیق کروانے کے لئے کفار کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے جس سند کو پیش کیا وہ آپ کی سیرت مبارکہ تھی:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (۱۶:۱۰)	بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں سو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

بقول اقبال

می توان منکر یزداں شدن
منکر از شان نبی نتواں شدن

یعنی اھل حق کو خاتم الانبیاء اور خاتم الوحی کی ناقابل چیلنج حیثیت (Unchallangable Status) سے ان کے دیئے گئے وعدوں کا یقین حاصل کر کے سوئے منزل نو سفر کا آغاز کرنا ہوگا۔

۲۔ قرآن حکیم

قرآن حکیم دنیا کی واحد کتاب ہے جو اپنی تصدیق ثقاھت (Falsification Test) کے لیے اپنے مخالفین کو دعوت دیتی ہے کہ اگر وہ اس کتاب کو منزل من الحق کتاب تصور نہیں کرتے اور انسان کی ساختہ تخلیق سمجھتے ہیں تو وہ بھی کوشش کر دیکھیں کہ اسی شان کی حامل کوئی کتاب بنالیں۔

ارشاد ربانی ہے:۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا O
(۱۷:۸۸)

فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائینگے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ. قُلْ فَاْتُوْا
بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O
(۱۱:۱۳)

کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے فرما دیجئے تم (بھی) اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی مدد کیلئے) جسے بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

یہ دونوں Datas آج بھی اپنے کمال اور شان اتمامیت کے حوالے سے دنیا بھر کے لیے چیلنج ہیں۔

یقین سے نتیجہ خیزی کس طرح آئے گی؟

جب اہل حق اس دولت یقین سے بہرہ ور ہو کر کہ:

ا۔ ان کی نصرت کا وعدہ اللہ کر چکا ہے:

کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی (۵۸ : ۲۱)

"اللہ نے ان یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔"

ب۔ یہ ارادہ الٰہی ہے کہ انہیں مدد و نصرت و غلبہ سے نوازا جائے:۔

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ (۵:۲۸)	اور ہم چاہتے تھے کہ کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک میں بالکل کمزور کر دیا گیا تھا اور یہ کہ ان کو سردار بنادیں اور (فرعون کے ملک و سلطنت کا) ان کو وارث بنادیں۔

راہ حق کے مسافر بنیں گے اور عمل صالح کو اپنا وطیرہ بنائیں گے تو فلاح ضرور ان کا مقدر بنے گی۔

عمل صالح

عمل صالح کا مفہوم بھی قرآن کی روشنی میں طے کرنا ہوگا۔ قرآن حکیم کی روشنی میں عمل اس وقت ہی عمل صالح بنتا ہے جب وہ درج ذیل حیثیتوں میں صالح ہو:

ا۔ حیثیت عرفی

یعنی عمل معروف معنوں میں اچھا ہو:

واللہ یعلم المفسد من المصلح (۲ : ۲۲۰)

"اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے۔"

۲۔ حیثیت شرعی

وہ عمل شرعی لحاظ سے بھی محمود ہو:

فمن امن واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۶ : ۴۸)

"سو جو شخص ایمان لے آیا اور (عملاً) درست ہو گیا تو ان پر نہ کوئی خوف

ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔"

۳۔ حیثیت نوعی وقوعی

وہ عمل کمال صحت مندی (Excellence) کے ساتھ انجام دیا گیا ہو۔ صحت مندی کا یہ مفہوم اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے:۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ (۲۱:۹۰)	پھر ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو یحییٰ (سا صالح وارث) بخشا اور ان کی بیوی کو اچھا کر دیا (اولاد کے قابل بنا دیا)

عمل کی صالحیت کا یہ پہلو اس آیہ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌO (۳۴:۱۱)	کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (اس کی) کڑیاں مناسب انداز سے جوڑو۔ اور نیک عمل کرو (یعنی خوب محنت و مشقت سے زرہیں بناؤ اور یاد رکھو) کہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ حیثیت نفسی

وہ عمل نیت کے لحاظ سے بھی صالح ہو۔ یعنی وہ عمل نمود و نمائش دنیا و جاہ طلبی یا نفس پرستی کے لئے نہیں بلکہ نیک نیتی، رضائے الٰہی کے حصول اور لوجہ اللہ انجام دیا گیا ہو۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ. (۴:۱۲۸)

اور صلح (حقیقت میں) اچھی چیز ہے اور طبیعتوں میں (تھوڑا بہت) بخل (ضرور) رکھ دیا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO (۶۴:۱۶)

اور (اللہ نے) جس کو اس کے نفس کے لالچ سے بچادیا گیا (وہی مراد کو پہنچا) یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

۵۔ حیثیت عقبی

وہ عمل اپنے انجام اور نتیجہ کے لحاظ سے بھی صالح ہو۔ یعنی اس کے مقبول بارگاہ ہونے سے ہی اس کی نتیجہ خیزی مرتب ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عمل کی انجام دہی تقویٰ کے جملہ تقاضوں کو مد نظر رکھ کر کی جائے:۔

والعاقبة للمتقين. (۲۸:۸۳)

"اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔"

فمن اتقى و اصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون (۷:۳۵)

"پس جو پرہیزگار بن گیا اور اس نے (اپنی) اصلاح کرلی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ (ہی) وہ رنجیدہ ہوں گے۔"

کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ان کی ثمروری ان کے خاتمے سے واضح ہوتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

الاعمال بخواتيمها. (فتح رباني: مجلس ۱۷)

ترجمہ: اعمال کے (حسن وقبح) کا فیصلہ تو ان کے خاتمے (پر قبولیت یا عدم قبولیت) سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

جب ایمان ویقین اور عمل صالح کے ان تقاضوں کو پورا کیا جائے گا تو یہی ہدایت یابی اور منزل یا فتگی کی ضمانت ہے:۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ کَرِیْمٍO (۱۱:۳۶)	آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو آپ کے سمجھانے پر چلے (نصیحت کو قبول کرے قرآن کا تابع ہو جائے) اور (خدائے) رحمٰن سے بلا دیکھے ڈرے۔ (آپ اسی کو ذکر و شغل میں لگایئے) پس آپ اس کو مغفرت اور بڑے درجہ کے ثواب کی بشارت دیجئے (جو یہاں اور وہاں اس کے لیے بڑی عزت کا باعث ہوگا)

جبکہ اس کے برعکس اگر جدوجہد راہ حق کے دوران عمل صالح چھوٹ گیا تو نہ صرف منزل کا حصول محال ہے بلکہ ایمان ویقین کی شمع بھی گل ہو جائے گی:۔

کَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَی الَّذِیْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَO	اسی طرح آپ کے رب کا حکم نافرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ وہ ایمان نہیں لائینگے۔

(۱۰:۳۳)

کیونکہ ایمان ویقین اور فسق دو متضاد حقیقتیں ہیں جن کا جمع ہونا محال ہے۔

عمل صالح کو جب عملاً شخصیت کا حصہ بنانے کی جدوجہد کی جائے گی تو یہ تشکیل وتعمیر کردار پر منتج ہوگی۔ انقلابی جدوجہد کرنے والے افراد کے کردار کی تشکیل

و تعمیر بنیادی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ وہی عمل جاندار اور نتیجہ خیز ہوگا جو باکردار افراد کی طرف سے انجام دیا جائے گا۔ تشکیل کردار کا ضابطہ اس آیۂ مبارکہ سے مترشح ہو رہا ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ تَرٰیهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ. وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ.

(۲۹:۴۸)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل (ایک دوسرے کے ساتھ اخلاص اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کا غصہ ان کی محبت سب اللہ کے لیے ہے، اے دیکھنے والے) تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں ہیں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے افضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں ان کی علامت (ان کے پرنور پر رونق نشان سجدہ سے) ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے (ان کے چہروں پر عبادت کے آثار، پیشانی پر سجدہ کے نشان، ولایت کا بار ان کی

جبین پر ہے یہ تو الگ پہچانے جاتے
ہیں) ان (صحابہ) کی تعریف توریت
میں اور ان کے اوصاف انجیل میں
(آئے) ہیں

اس آیہ مبارکہ سے انقلابی جماعت کے ان کارکنوں کے کردار' جو اس سے ماقبل آیت (۲۸:۴۸) میں بیان کردہ مقصد بعثت نبوی کی اقامت کی خاطر مصروف جدوجہد ہوں گے' کے یہ دو پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔ فکری و باطنی کردار
۲۔ عملی و ظاہری کردار

اور ان دونوں پہلوؤں میں ان کے کردار کا مرکز و محور ذات نبوت ﷺ سے پیوستگی ہوگا۔

ا۔ فکری و باطنی کردار:

یہ افراد روحانی الذہن ہوں گے۔ اور اپنے فکر و نظریہ کے حوالے سے دیگر لوگوں سے ممتاز ہوں گے یعنی وہ

ا۔ ہر معاملے میں اللہ کی رضا کے طالب ہوں گے:

یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

۲۔ وہ ان اعلیٰ اخلاقی و روحانی اوصاف سے متصف ہوں گے جو انہیں دوسروں کے لئے مینارہ نور بنا دے:

سیما ھم فی وجوھم من اثر السجود

دوسرے مقام پر اس وصف کو یوں بیان کیا گیا:۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○

(۲۹:۸)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے (انکے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو۔ اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس فتنہ ہی ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

(۲۸:۵۷)

اے ایمان والو (تم) اللہ سے ڈرتے رہو۔اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ (یعنی دل سے تم ان کو اپنا وسیلہ اور عالم کے لیے رحمت تصور کرو اور ان کے ہو جاؤ تو اللہ) تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصے عطا فرمائیگا۔ (دنیا میں بھی اللہ اور رسول کی رحمت تمہاری معاون ہو گی) اور تمہارے لیے ایک نور پیدا کر دیگا (ایمان اور تقویٰ سے تمہارا وجود ہی نورانی ہو جائیگا) تم اس کی روشنی میں چلو گے (یہاں بھی اور آخرت میں بھی) اور

وہ تم کو (تمہاری لغزشوں پر) بخش دے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۳۔ اپنی انقلابی جدوجہد پر انہیں غیر متزلزل یقین ہوگا:۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ○

(۶۰:۳۰)

پس تم صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے (حق ہے) اور (دیکھو) جو لوگ یقین نہیں لاتے کہیں تم کو (تمہارے عزم سے) ہلا نہ دیں۔

۴۔ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں گے۔ سو وہ جانی و مالی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کریں گے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(۶۱:۱۰۔۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو (آخرت کے) دردناک عذاب سے بچالے۔ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ (بہت معمولی سی چیز دے کر آخرت کی ابدی راحتیں خرید رہے ہو' اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوگی۔)

۵۔ زندگی کے ہر معاملے میں وہ مثبت اور تعمیری رویے کے حامل ہوں گے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ. اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ○

(۴۱:۳۴۔۳۵)

اور (اے حبیب) بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ آپ حسب معمول لوگوں کی سختی اور برائی کو اپنے) نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے تو (آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص میں اور آپ میں دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا ایک دلی دوست (اس کی دوستی میں اخلاص کے ساتھ گرم جوشی ہو گی جب سرکار دو عالم نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمر فاروق ﷺ کی طرف اشارہ ہے)۔

۲۔ عملی و ظاہری پہلو

انقلابی جماعت کے کارکنوں کی ظاہری زندگی جہاں ان کے روحانی الذہن ہونے اور عبادت کے نور کے سبب پاکیزگی کا مرقع ہو گی وہاں وہ

ا۔ باہم ترحم و مودت کے سبب رحماءبینھم کی تصویر ہوں گے اور

ب۔ مخالفین حق کے لئے فولاد سے بھی سخت ہوں گے۔ اور ان کے فتنہ کے قلع قمع اور غلبہ دین حق کے لئے مسلسل مصروف عمل رہیں گے۔ کردار کے ان پہلوؤں کی توضیح اگلے ابواب میں آ رہی ہے۔

جب انقلابی جماعت کے کارکن اس کردار کے حامل ہوں گے تو ان کی

جد و جہد کے اثرات کا دیرپا ہونا اور باثمر و نتیجہ خیز ہونا قرآن حکیم آیت کے اگلے حصے میں یوں بیان کرتا ہے:۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○

(۲۹:۴۸)

ان کی مثال ایک کھیتی کی مانند ہے کہ اس نے (پہلے) سوئی (کی طرح کی ایک پتی) نکالی، پھر (اردگرد کے ماحول اور زمین سے قوت حاصل کرکے) اس کو مضبوط (اور قوی) کیا۔ پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر (بڑھ کر) اپنے بل پر کھڑی ہو گئی (اور یہ سرسبز و لہلہاتی ہوئی کھیتی) کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسلام کی کھیتی بھی لہلہا رہی ہے) تاکہ کافروں کا جی جلے (اور یہ تو دنیا میں ان صحابہ کرام اور مومنوں کا انعام ہے' آخرت میں تو) اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول نتائج وعدہ الٰہی پر یقین کی پختگی کا متقاضی ہے۔ قرآن حکیم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وعدہ الٰہی کی حقانیت اور ہدایت ربانی کی نتیجہ خیزی پر اہل حق کو اتنا ہی یقین ہو جو یقین انہیں اپنے معمولات حیات کے

حقائق پر حاصل ہے۔ یعنی ان کے لئے دیکھے اور ان دیکھے حقائق میں مرتبہ یقین کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو:۔

وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَO وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَO فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَO

(۵۱:۲۰۔۲۳)

اور (یوں تو) یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بے شمار) نشانیاں ہیں اور (اے لوگو) خود تمہارے نفسوں میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور (یاد رکھو جس طرح تمہاری روح کی پرورش کے لیے غذائے روحانی یعنی قرآن آسمان سے اترا ہے اسی طرح) تمہارا رزق آسمان (ہی) میں ہے (لوح محفوظ میں وہ سب کچھ تحریر ہے جو تم کو دنیا میں ملتا ہے' اگر یہ سمجھ لوگے تو کبھی حرص و ہوس میں مبتلا نہ ہوگے) اور جو کچھ تم سے وعدہ (آخرت کا) کیا گیا ہے (وہ بھی وہیں درج ہے)۔ پس قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ یہ بات (یعنی قرآن یا آخرت) حق ہے (اور یہ اسی طرح حق ہے) جیسے تم بات چیت

کرتے ہو۔

اسی مقام پر سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا:

ولم تزد دنی یقینا ولو کشفت الغطاء
اگرچہ پردے ہٹادیے جائیں میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

نتیجہ خیزی' وعدہ الٰہی پر یقین کے "قدر" سے ہی مرتب ہوگا۔ جس حد تک وعدہ الٰہی کی حقانیت پر یقین ہوگا اس "قدر" اس کے نتائج مرتب ہوں گے اور جدوجہد بھی نتیجہ خیز ہوتی جائے گی:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْ ءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍO (۲۱:۱۵)
اور (کائنات کی) کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور ہم اسے صرف معین مقدار کے مطابق ہی اتارتے رہتے ہیں۔

اسی لئے اقبال نے کہا:۔

گر یک ذرہ کم گردد از انگیز وجود من
بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودانے را

اب اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کیا مشاہدہ یقین پیدا کرتا ہے؟ اگر ہم اس امر کا بنظر غائر جائزہ لیں تو یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ یقین سے مشاہدہ پیدا ہوتا ہے اور مشاہدہ سے اطمینان۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے آیات الٰہی کے مشاہدہ کا تقاضا کیا تو اس کا مقصود بھی یہی تھا:۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ
اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب

كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى. قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ . قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ

(۲:۲۶۰)

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے' ارشاد ہوا کیا تم یقین نہیں رکھتے' اس نے عرض کیا کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔

یہی اطمینان یقین کو مزید پختگی تک پہنچا دیتا ہے کہ غیب و حضور ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ○

(۶:۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ:۔

ا۔ ابراہیم علیہ السلام نے طلب مشاہدہ یقین کے ساتھ اطمینان قلب کیلئے کیا اور

ب۔ رب نے اس مشاہدہ ملکوت کو ابراہیم علیہ السلام کی پختگی یقین کا ذریعہ بنا دیا۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یقین اور اطمینان میں ایک بنیادی فرق ہے۔

یقین ان دیکھی منزلوں کو حاصل کرنے کیلئے جدو جہد کا محرک جذبہ ہے۔ اور اطمینان منزل کو پالینے پر احساس یافت' اطمینان کا ثمر پانے کے لئے یقین کی تخم ریزی پہلے

مرحلے کی حیثیت رکھتی ہے۔

انقلاب کے دو نقطہ ہائے نظر

انقلاب کے ان تعینات خمسہ کی تعریف (Classification) کے بعد معاشرے میں انقلاب بپا کرنے کا سوال آتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں انقلاب بپا کرنے کے حوالے سے دو نقطہ ہائے نظر کار فرما رہے ہیں:

(الف) اگر معاشرے میں انقلاب بپا کرنا ہے اور معاشرتی ڈھانچے کو تبدیلیوں سے ہم آہنگ کرنا ہے تو پہلے معاشرے میں اخلاقی انقلاب بپا کیا جائے۔ تعلیم و تربیت، تبلیغ و لٹریچر کے ذریعے سے پہلے معاشرے میں فکری انقلاب بپا کیا جائے جب معاشرے میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد اسلامی ذہن کی حامل ہو جائے تو معاشرے میں خود بخود انقلاب بپا ہو جائے گا۔ اس فکر کے علمبرداروں میں سید قطب شہید وغیرہ شامل تھے۔ برصغیر میں سید قطب شہید اور حسن البنا سے ہی اس فکر کو مودودی صاحب نے لیا۔ اس مکتبہ فکر کے نزدیک معاشرے میں فکری و اخلاقی انقلاب مقدم ہے اور سیاسی انقلاب مؤخر ہے کہ فکری اور اخلاقی انقلاب کے نتیجے میں سیاسی انقلاب خود بخود بپا ہو جائے گا۔

مگر اس فکر کے جتنے بھی اساطین تھے ان میں سے کوئی بھی اپنی زندگی میں انقلاب بپا نہ کر سکا کوئی اس کوشش میں اپنی زندگیاں صرف کر کے رخصت ہوئے۔ جنہوں نے تحریکی زندگی کو اختیار کیا تو زندگی میں اپنی راہ عمل کو بدل ڈالا چونکہ فکر الگ تھا اور راہ عمل الگ، نتیجۃً فکر و عمل میں خلیج پیدا ہوئی اور نتائج پیدا نہ ہوئے اور بجائے نتائج اور عملی ثمرات کے سامنے آنے کے ان کے فکر و عمل کے تضاد نے ان کے بارے میں التباسات اور متنازعہ نقطہ ہائے نظر کو جنم دیا۔

(ب) دوسرا نقطہ نظر یہ رہا کہ سیاسی انقلاب مقدم ہے' اگر معاشرے میں تبدیلی لانی ہے تو اس کا آغاز صرف اور صرف سیاسی انقلاب سے ہوگا۔ پہلے سیاسی انقلاب کے نتیجے میں انتقال اقتدار ہو پھر معاشرے کو تبدیلی سے ہمکنار کیا جائے۔ جب سیاسی انقلاب مقدم ٹھہرا تو انتقال اقتدار کے لئے دستوری' انتخابی' خونی یا انقلابی و فوجی و عوامی بغاوت کے طریقے میں کوئی تمیز نہ رہی مگر اس کے نتیجے میں بھی معاشرے میں دیرپا تبدیلی کی توقع ممکن نہیں کہ اس طرح وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کی جڑیں گہری اور تبدیلی پیدا کرنے والی نہیں ہوتیں۔

انقلاب کا قرآنی تصور

ان دونوں مذکورہ بالا تصورات سے جامع اور نتیجہ خیز تصور وہ ہے جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے اور ایک لحاظ سے ان دونوں کی تطبیق (Synthesis) بھی ہے۔ اس کے مطابق سیاسی انقلاب مقدم ہے اور سماجی و معاشرتی انقلاب اس کا نتیجہ ہے۔ مگر پہلے قدم کا آغاز سیاسی انقلاب سے نہ کیا جائے بلکہ آغاز دعوت سے کیا جائے۔ اس طرح انقلاب کے تین ادوار ہوں گے:

(۱) دور ما قبل انقلاب (۲) دور انقلاب (۳) دور مابعد انقلاب

دور ما قبل انقلاب میں بھی کچھ مراحل ہوں گے۔ وہ مراحل دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل ہیں۔ ان مراحل کے ذریعے عوامی سطح پر انقلابی فکر کو شناسائی ملے گی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ جانثار (Dedicated) لوگ بھی پیدا ہو جائیں گے۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ فکری' عملی اور روحانی تربیت بھی جاری رہے گی۔ دعوت کا عمل پوری انقلابی جدوجہد میں کبھی بھی معطل نہ ہوگا اور یہ روز اول سے آخر تک مسلسل جاری رہے گا حتی کہ وہ دن آجائے کہ آقا دوجہاں ﷺ نے فرمایا" میرا دین اور

میرا پیغام وہاں وہاں تک جا پہنچے گا جہاں جہاں تک سورج اور چاند جاتے ہیں۔" گویا اس دن کی صبح تک (روز قیامت تک) دعوت کا کام جاری رہے گا۔ دعوت کا عمل تنظیم اور تربیت سے خالی نہیں ہو گا یعنی ان دائروں (Spheres) میں نقطہ اختتام (Point of Saturation) کبھی نہیں آئے گا۔ مرحلے بدلیں گے مگر اصلاً یہ تینوں کام ہمیشہ جاری رہیں گے۔ مثلاً ان کی تربیت جنہوں نے دعوت کو آگے پہنچانا ہے اور فکر کو نافذ کرنا ہے اور عوام الناس کی تربیت جنہوں نے فکر کو اپنانا ہے گویا ہر ہر سطح پر کام جاری رہے گا۔

جب اس مرحلے پر کچھ مشکلات جھیلنے والے اور سر فروش تیار ہو جائیں گے تو دور انقلاب کا آغاز ہو گا جب اہل حق باطل اور طاغوتی طاقتوں سے فیصلہ کن تصادم اختیار کریں گے کیونکہ ہمیشہ دعوت و تربیت کے مرحلے پر ہی مداومت کسی تبدیلی کا باعث نہیں بن سکے گی۔ جب معاشرے میں حق اور نیکی کے پیچھے صرف وعظ کی قوت ہو تو وہ صرف مسجد و خانقاہ میں ہی رہے گا اور باقی ساری زندگی پر شر کی حکمرانی رہے تو ایسے معاشرے میں حق کا دور دورہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا معاشرہ اخلاق حسنہ اور نیکی کا مرقع نہیں بن سکتا۔ اب دعوت کے عمل کے ساتھ ساتھ ایسی انقلابی جدوجہد کا آغاز بھی کیا جائے گا جو سیاسی قوت حاصل کر کے باطل اور طاغوتی نظام کے فروغ کا باعث بننے والوں سے مسند اقتدار چھین کر غلبہ دین حق کو ممکن بنائے گا۔

سیرت نبوی ﷺ سے اس طریق کی تائید ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک مدت تک دعوت کا کام کیا اور اپنی قوم کے سامنے اپنے ماضی اور کردار کو ہی دلیل کے طور پر رکھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۱۶:۱۰)

بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ بسر کرچکا ہوں۔ سو کیا تم عقل نہیں رکھتے

مگر ایک مخصوص وقت کے بعد لیظھرہ علی الدین کلہ (۹:۳۳) پر عمل کا آغاز فرمایا۔ سیرت نبوی ﷺ سے اس امر کی تائید ملتی ہے کہ جب تک اقتدار اہل حق کے ہاتھوں میں نہ ہوگا وعظ وعظ ہی رہے گا معاشرے کا عملی ضابطہ نہ بن سکے گا۔

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو!
کیا حسین فریب ہے کہ کھائے ہوئے ہیں ہم

حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فکر کی تائید اور اس کے مخالف فکر کی تردید مختلف مقامات پر کی ہے:

ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت
نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہے مملکت ہند میں عجب طرفہ تماشا
اسلام محبوس ہے اور مسلماں ہے آزاد

(ضرب کلیم)

غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے انقلابی جدوجہد کا قرآنی تصور یہ ہے کہ آغاز دعوت حق سے کیا جائے گا جس کے نتیجے میں سیاسی انقلاب بپا ہونے کی راہ ہموار ہو گی اور جب قوت نافذہ اہل حق کے پاس آئے گی تو پھر معاشرتی' معاشی اور اقتصادی

ڈھانچے بدلے جائیں گے اور معاشرے کی ہر ہر نہج کو ضابطہ حق کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ قرآن پاک کے متعدد مقامات اس تصور کی تائید کرتے ہیں چند منتخبات درج ذیل ہیں:

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَO وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُO

(۲۴:۵۵۔۵۷)

اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ وہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا، جیسا کہ ان سے قبل کے لوگوں کو حاکم بنا چکا ہے اور ان کا دین جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے مستحکم کردے گا اور ان کے اس خوف کے بعد (جس سے وہ قومی و معاشرتی زندگی میں دوچار ہیں) ان کو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے (اور اپنے مقصد حیات یعنی اپنے فکر و عمل میں) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد بھی (میری اور میرے رسول کی اطاعت سے) انکار کرے پس وہی لوگ بدکردار ہیں (ان کے لیے نہ

دین ہے نہ ایمان) اور (اے مسلمانو!)
نماز کو قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور
رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر
رحم کیا جائے (تم پر اس کی رحمت ہو)
(اور اے مخاطب) یہ ہرگز خیال نہ کرنا
کہ یہ کافر (اللہ کو) زمین میں تھکا دینگے
(یہ نہ تم کو مغلوب کر سکتے ہیں نہ اللہ
کے عذاب سے بھاگ سکتے ہیں) اور
ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی
برا ٹھکانا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں درج ذیل نکات بیان ہوئے ہیں:

۱۔ اہل حق کو غلبہ اور اقتدار کی خوشخبری دی گئی۔
۲۔ اقتدار اور غلبہ کی خوشخبری کے ساتھ ہی تمکن دینی کا بیان ہوا کہ اہل حق کا اقتدار دراصل الوھی ضابطوں اور دین کے تمکن کا اقتدار ہے۔
۳۔ اہل حق کو خوف کی بجائے امن (security) کی بشارت دی گئی۔
۴۔ غلبہ دین حق کی بحالی اور الوھی نظام کے اجراء کے بعد ناشکری، گمراہی اور حدود اللہ کی پامالی کو فسق گردانا گیا۔
۵۔ اہل حق کو اقتدار عطا کرنے کے بعد اقامت الصلوۃ، ایتائے زکوۃ اور اطاعت نبوی کا حکم دیا گیا۔
۶۔ اہل حق کے غلبہ کو بیان کر کے کفار کو مخاطب کیا گیا کہ وہ کسی طور پر حق پر غالب

نہیں آ سکتے بلکہ ان کا مقدر مایوسی' ناکامی اور خسران ہے۔ دنیا میں بھی وہ حق کو عاجز کرنے کی بجائے خود حق کے سامنے مغلوب اور عاجز بن کر رہیں گے (بشرطیکہ اہل حق "اہل حق" ہوں) اور آخرت میں بھی ان کا انجام دوزخ ہے۔

۲- وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَO

(۲۶:۸)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم (مکی زندگی میں عدداً) تھوڑے (یعنی اقلیت میں) تھے ملک میں دبے ہوئے تھے (یعنی معاشی طور پر کمزور اور استحصال زدہ تھے) تم اس بات سے (بھی) خوفزدہ رہتے تھے کہ (طاقتور) لوگ تمہیں اچک لیں گے

اس آیت مبارکہ میں رب ذوالجلال نے تین بنیادی قومی مسائل وابتلاؤں کا تذکرہ فرمایا:

۱۔ افرادی قلت یا سیاسی کمزوری (Lack of Political Sovereignty)

۲۔ معاشی کمزوری (Economic Dead-lock)

۳۔ سماجی عدم تحفظ (Social Insecurity)

اللہ تعالی نے اہل ایمان کو ان تینوں مشکلات سے نکال کر تین نعمتوں سے بہرہ ور فرمایا:

۱۔ سیاسی استحکام (Political Stability) عطا فرمایا۔

۲۔ سماجی و عسکری استحکام (Social Stability/Military Power) عطا فرمایا۔

۳۔ معاشی استحکام (Economic Stability) عطا کیا۔

اس کے بعد فرمایالعلکم تشکرون کہ اب پورامعاشرہ صاحب شکر معاشرہ یعنی اطاعت الٰہی بجالانے والا معاشرہ بن جائے۔

(۳) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ. وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ. وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَO

(۸۳:۱۰)

پس موسیٰ پر ان کی قوم کے چند جوانوں کے سوا (کوئی) ایمان نہ لایا' فرعون اور اپنے (قومی) سرداروں (وڈیروں) سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں (کسی) مصیبت میں مبتلا نہ کردیں اور بیشک فرعون سرزمین (مصر) میں بڑا جابر و سرکش تھااور وہ یقیناً (ظلم میں) حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات بیان کئے گئے:

۱۔ جب اقتدار باطل اور طاغوتی ہاتھوں میں ہو تو دعوت حق کا کام بھی کماحقہ انجام نہیں دیا جا سکتااور دعوت حق کو وہ قبول عام نہیں ملتا کہ دعوت حق کے اقتضاء کو رائج الوقت قانون و ضابطے میں بدل دیا جائے کیونکہ اقتدار پر متمکن طاغوتی طاقتیں اہل حق کو آزمائش میں ڈال دیتی ہیں اور ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہیں۔

۲۔ فرعون کی خودسری اور اقتدار کے نشے کو بھی مذمت کے انداز میں قرآن حکیم بیان کر رہا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ رضائے الٰہی ہے کہ باطل اور طاغوتی پنجوں سے اقتدار چھین کر اہل حق کو سونپا جائے تاکہ معاشرہ

صالح اور صحت مند اقدار و روایات کا امین بن سکے جو غلبہ دین حق کے بغیر ناممکن ہے۔

(۴) قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ. اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ O (۵۵:۱۲)

یوسف نے فرمایا مجھے سرزمین (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کردو بیشک میں (ان کی) خوب حفاظت کرنیوالا (اور اقتصادی امور کا) خوب جاننے والا ہوں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی بیان کیا جارہا ہے کہ:

۱۔ جب بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کیا اور انہیں کوئی ذمہ داری دینا چاہی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ انہیں خزائن الارض کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری دے دی جائے کیونکہ یہی وہ شعبہ مملکت ہے جو سب سے زیادہ دیانتداری اور اہلیت کا متقاضی ہے اور مملکت کے بقیہ سارے کاروبار اس کے خزانہ کی صحت پر ہی منحصر ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے خود اسے طلب فرمایا کہ اس میں خلق خدا اور مملکت کی بھلائی کار فرما تھی۔

۲۔ انی حفیظ علیم کے الفاظ بیان کر کے قرآن حکیم نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ انقلابی جدوجہد کرنے والے اور اس کے نتیجے میں اقتدار پر متمکن ہونے والے انقلابیوں کو حفیظ یعنی دیانتداری (Honesty) اور علیم یعنی اہلیت (Competency) کی صفات سے بہرہ ور ہونا چاہئے۔

(۵) اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

(یہی وہ لوگ ہیں) جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے محض اس بات پر

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا. وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ○

(۲۲:۴۰-۴۱)

کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا' تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے (جو زمانہ قدیم میں اللہ کے ذکر کا مرکز رہے ہیں) اور مسجدیں جن میں (آج بھی) اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو چکے ہوتے اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی حمایت کرتا ہے' بے شک اللہ زبردست ہے (اور) غلبہ والا ہے۔(اور اہل مدینہ گو اس وقت مظلوم ہیں لیکن) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک پر تسلط بخشیں تو یہ لوگ نمازوں کو قائم کریں' زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی جملہ) نیک کاموں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

ان آیات مبارکہ میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ دعوت حق کا راستہ آزمائشوں' ابتلاؤں اور تکالیف کا راستہ ہے کلمہ حق بلند کرتے ہی اور اللہ کی وحدانیت کا ترانہ الاپتے ہی (اخرجوا من دیارھم) مشکلات و مصائب کا آغاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ اہل حق اور اہل باطل کا باہم مقابلہ و تصادم خود مشیت الٰہی ہے کہ اسی میں اہل حق کی بقاء ہے اگر اہل حق اور اہل باطل کا تصادم نہ کروایا جاتا اور اہل باطل کی اس طرح بیخ کنی نہ کی جاتی تو وہ اہل حق کے آثار تک مٹا دیتے۔

۳۔ نصرت الٰہی انہی کا مقدر بنتی ہے جو سر بکف ہو کر اللہ کے دین کی تائید و حمایت کے لئے میدان میں اتر پڑتے ہیں۔

۴۔ جب اقتدار اہل حق کو مل جائے تو وہ اقامت صلوۃ (حقوق اللہ کی ادائیگی کا نظام) اور ایتائے زکوۃ (حقوق العباد کی ادائیگی کا نظام) اور معروف کے فروغ اور منکر کے استیصال کے لئے سراپا عمل بن کر معاشرے کو حقیقی اسلامی اور مصطفوی معاشرے میں بدل دیتے ہیں۔[۱۲]

(٦) وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا O

(۱۷:۸۰)

اور آپ (اپنے رب کے حضور یہ) عرض کرتے رہیں اے میرے رب! مجھے سچائی (خوشنودی) کیساتھ داخل فرما (جہاں بھی داخل فرمانا ہو) اور مجھے سچائی (و خوشنودی) کیساتھ باہر لے آ (جہاں سے بھی لانا ہو) اور مجھے اپنی جانب سے مددگار غلبہ و قوت عطا

فرمادے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی آقائے دو جہاں ﷺ کو فرمایا جارہا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں داخل ہو کر ایک مستحکم مضبوط اور تائید الٰہی کی حامل اسلامی حکومت کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ دعا آپ ﷺ کو تعلیم فرما کر رب کائنات نے اپنی مشیت کا اظہار بھی فرمادیا کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا○

(۸۱:۱۷)

اور فرمادیجئے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا بیشک باطل نے زائل و نابود ہی ہو جانا ہے۔

(۷)لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَن يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ○

(۲۵:۵۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں (معجزات) دیکر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور (اس کو) میزان (عدل قرار دیا) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) لوہا اتارا اس میں لوگوں کے لیے سخت خطرہ بھی ہے اور فائدہ بھی اور (یہ سب اس لئے ہے) تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے (محض وعدہ آخرت پر) مدد کرتا ہے (یوں اللہ اور اس کا رسول لوگوں کی مدد و اعانت سے

بے نیاز ہے) بے شک اللہ بڑا قوت

والا (اور) غلبہ والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی فکر کو بیان کیا گیا ہے:

ا۔ تمام انبیاء کو صرف معجزات' دلائل اور کتاب کے ساتھ ہی نہیں مبعوث کیا گیا بلکہ انہیں میزان بھی عطا کی گئی۔ مقصود اس کا عملاً لوگوں کو انصاف پر قائم کرنا تھا صرف ظاہر ہے کہ انصاف کا قیام صرف وعظ و تبلیغ سے ممکن نہیں جب تک انصاف کا پرچار کرنے والوں کے پاس قوت نافذہ نہ ہو گی۔

۲۔ اس کے ساتھ حدید کو اتارا گیا۔ حدید سے مراد قوت و اقتدار ہے کہ یہ منافع کا حامل بھی ہے کہ تنفیذ کا موثر ذریعہ ہے اور اس میں سخت آزمائش بھی ہے کہ بہت لوگ اس کی وجہ سے ہلاکت سے دوچار ہوں گے اس طرح یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ کتاب اور میزان کی تنفیذ تبھی ممکن ہو گی جب انہیں حدید کی تائید حاصل ہو گی بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

"عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد"

☆☆☆☆☆☆

حواشی

(مقدمہ)

۱۔ اسلام اور قومیت پر مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کے جواب میں علامہ اقبال کا بیان روزنامہ احسان لاہور میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا۔

۲۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب اقبال نے ایک جماعت کے قیام کی ضرورت محسوس کی اور اس کے کام کے لئے ان کے کہنے پر ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے جن شاگردوں کو اقبال کی خدمت میں بھیجا تھا ان میں ڈاکٹر برھان احمد فاروقی بھی شامل تھے۔

۳۔ منہاج القرآن:۹' ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۴۔ ایضاً:۶۴

۵۔ ایضاً:۵۰

۶۔ ایضاً:۴۷

۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل:۶۶' ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۸۔ منہاج القرآن:۵۱'ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۹۔ ایضاً:۶۵

۱۰۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل:۱۰۴

۱۱۔ منہاج القرآن:۷

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً:۷۲'۷۱'نیز قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل:۲۶۱'۲۶۲

۱۴۔ ایضاً: ۱۱۳

۱۵۔ ایضاً: ۱۱۴

۱۶۔ ایضاً: ۲۵۳

۱۷۔ کیونکہ انسانی علم ہر دور میں معرضِ ارتقاء میں ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ ہر دورِ نو میں اسے تازہ فکر کی کمک پہنچائی جائے بقول اقبال:

"It must, however, be remembered that there is no such thing as finality in philosophical thinking. As knowledge advances and fresh avenues of thought are opened, other views than those put forth,.... are possible. Our duty is carefully to watch the progress of human thought and to maintain an independent critical attitude towards it."

(Reconstruction: Dr. M. Iqbal)

اور پھر ہر مفکر اپنے عصری شعور جاریہ (Current Conscience of the Era) کا حصہ ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے متاثر بھی:

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

(ماہ تمام)

اس لئے وہ اپنے دور کے فکری ورثے سے الگ نہیں ہو سکتا۔ سو قائد

انقلاب نے ایک جامع اور ہمہ گیر فکری پس منظر کا حامل ہوتے ہوئے فلسفہ انقلاب کے دائرہ ہائے استخراج واطلاق کے محیط کو ثقاہت کے درجے تک پھیلا دیا۔

۱۸۔ یعنی وہ تمام احیائی اور انقلابی تصورات جو آج کے انقلابی فکر میں ملتے ہیں ان کا تذکرہ و تعارف ہمیں فکر اقبال میں نظر آتا ہے:

یقین:

یقین پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

مقصدیت:

مدعا راز بقائے زندگی
جمع سیماب قوائے زندگی
چوں حیات از مقصدے محرم شود
ضابط اسباب اس عالم شود

علم بالوحی اور علم زائیدہ کا فرق:

جب تک نہ ہو ترے ضمیر پر نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
اک دانش نورانی اک دانش برھانی
ہے دانش برھانی حیرت کی فراوانی
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

امت مسلم کا مقصود:

زانکہ در تکبیر راز بود تست
حفظ و نشر او مقصود تست
می ندانی آیہ ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب

مطاع مشہود:

از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما

شکست خوردگی

غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

غالب و زندہ فکر کی برکات:

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب
ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب

قانون تضاد و مزاحمت:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام

یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

تاریخی قانون نشوونما:

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

انسان مرتضٰی:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

روحانی الذہن:

فقر کی سان پہ جب چڑھتی ہے تیغ خودی
اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

تغیرات:

تمدن تصوف شریعت کلام
بتان عجم کے پجاری تمام
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کہ جنگ دست بدست

اقبال کی نظم ونثر میں انقلابی افکار جابجا ملتے ہیں زبور عجم کی یہ نظم اقبال کے انقلابی افکار کے خدو خال کو سامنے لاتی ہے۔

انقلاب

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دھقاناں خراب
انقلاب' انقلاب اے انقلاب

واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ
آں بہ پیری کود کے ایں پیر در عہد شباب
انقلاب' انقلاب اے انقلاب

شوخی باطل نگر! اندر کمین حق نشست
شپراز کوری شبخونے زندبر آفتاب
انقلاب' انقلاب اے انقلاب

من دروں شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ از وے مارہادر پیچ و تاب
انقلاب' انقلاب اے انقلاب

باضیفاں گاہ نیروے پلنگاہ می دہند
شعلہ شاید بروں آید زفانوس حباب
انقلاب' انقلاب اے انقلاب

(زبور عجم)

عملاً بھی اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اقبال نے اپنے احباب اور قابل اعتماد ساتھیوں سے مل کر ۲۱ اگست ۱۹۳۵ء کو جمعیت شبان المسلمین کی بنیاد رکھی۔ جس کی امارت کیلئے باقاعدہ طور پر اقبال کا نام پیش کیا گیا۔ اس جماعت کے قیام کا

مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج واقبال کا حصول تھا۔ تاہم بوجوہ یہ جماعت اپنے مقاصد کی طرف نہ بڑھ سکی۔

(علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

حقیقت تصوف از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تصوف کا عملی دستور از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کیونکہ زندگی کے جملہ تقاضوں کا احاطہ صرف قرآنی فکر ہی کر سکتا ہے نا کہ فکر انسانی بقول ڈاکٹر ظفر الحسن:۔

"Philosophy can not give guidance which it was out to find & to give. And this is nearly because it can not give a sure world view."

(Philosophy a Critique: Dr. S. Z. Hasan)

حقائق حیات کے احاطے کے حوالے سے عقل انسانی کی اسی درماندگی کا اندازہ رسل کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جو اس نے ہیگل کے بارے میں لکھا:

"Hegal's thought that if enough was known about a thing to distinguish it from all other things, than all its properties would be inferred by logic. This

was a mistake, and from this mistake arose the imposing edifice of his system. This illustrates an imprtant truth, namely, that the worse your logic, the more interesting consequences to which it rise."

(History of Western Philosophy:Bertrand Russell)

یہی وجہ ہے کہ قائد انقلاب نے اپنے فکری نظام کی بنیادی خالصتاً الوہی ہدایت یعنی قرآن وسنت پر رکھی۔

۲۱۔ وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقینھم ماءً غدقا (۷۲:۱۶)

۲۲۔ قائد انقلاب سے فلسفہ انقلاب کے حوالے سے ۲۲۔نومبر ۱۹۹۸ء کوانٹرویو: طاہر حمید تنولی

23- Francis Fukuyama; Trust, Penguin Books, USA.

حواشی

(باب اول)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

قرآنی فلسفہ عروج وزوال: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۔ دیگر مقامات: ۲:۱۲۹، ۳:۱۶۴، ۲:۶۲

۳۔ حکم کی یہی تعریف اس کی فقہی معنویت واضح کرتی ہے یعنی حکم اسی چیز کے بارے میں دیا جائے گا جس سے منع کرنا مقصود ہو۔

۴۔ امام راغب نے مفردات القرآن میں لفظ حکمت کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے۔ **الحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل** "علم اور عقل کے ذریعے صحیح اور درست بات کو پہنچنا حکمت ہے۔"

لسان العرب میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"الحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم"

"بہترین علوم کی مدد سے بہترین اور افضل چیزوں کا جاننا حکمت ہے۔"

اسی طرح تفاسیر میں حکمت کے باب میں درج ذیل اقوال ملتے ہیں:

معرفة الاشیاء بحقائقها، الفصل بین الحق والباطل، الاصابة فی القول والعمل.

بقول مفکر اسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری:

"حکمت وہ بنیادی علت اور سبب ہے جس پر جملہ احکام کی عمارت

تعمیر ہوتی ہے۔"

(خطاب قرآنی فلسفہ انقلاب)

۵۔ مزید تفصیل کیلئے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۲:۲۳۱، ۲:۲۶۹، ۱۶:۱۲۵، ۳۱:۱۲، ۵:۵۴

۶۔ قرآنی فلسفہ انقلاب جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے اس کی تجربی توثیق خود سیرت نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:۔

سیرت الرسول ﷺ ج ۴ حصہ اول، حصہ پنجم

سیرت الرسول ﷺ ج ۵ حصہ اول

سیرت الرسول ﷺ ج ۷ حصہ دوم

سیرت الرسول ﷺ ج ۸ حصہ اول باب دوم

اسلامی فلسفہ زندگی باب ۶، ۷

(مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۷۔ قرآن فکر کی حقانیت اور سائنسیت کو واضح کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ دیگر عصری فکری نظام اپنے بارے میں اسی نوع کے دعاوی رکھتے ہیں۔ مثلاً ماؤزے تنگ کی تحریریں جہاں انقلابی جدوجہد کے رہنما اصول بیان کرتی ہیں وہاں وہ انقلاب چین کے رہنماؤں کا اپنی جدوجہد کی نتیجہ خیزی اور حصول منزل کے یقین کو بھی ہمارے سامنے لاتی ہیں۔

"Specifically, the only way is to strive to win

more battles and wear down the enemy's forces, develop guerilla warfare to reduce enemy occupied territory to a minimum, consolidate & expand the united front to rally the forces of the whole nation, build up new armies and develop new war industries, promote political, economic & cultural progressm, mobilize the workers, peasants, businessmen, intellectuals & other sections of the people, disintegrate the enemy forces & win over their soldiers, carry on international propaganda to secure foreign support & win the suport of the Japanese people & other oppresed people. Only by doing all this we can reduce the duration of.the war. There is no magic short cut."

(S. Military writings of Mao Tse Tung P.219)

"We do not want any of our commanders in the war to detach himself from the

objective condition & become a blundering hot head, but we decidedly want every commander to become a general who is both bold & sagacius. Our commanders should have not only the boldness to overwhelm the enemy but also the ability to remain masters of the situation throguh-out the changes & vicissitude of swimming in the ocean of the entire war. They must not flounder but make sure of reaching the opposite shore with measure strokes. Strategy & tactics, as the laws for directing war, constitute the art of swimming in the ocean of war."

(Ibid. p. 226)

۸۔ اس تمام تر جدوجہد اور ان تعینات خمسہ کے جملہ مراحل کے دوران استقامت و ثابت قدمی اسوہ حسنہ کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ جو مزاحمت کے جواب میں جہاد بالمال و جہاد بالنفس سے عبارت ہوگی۔

۹۔ تینوں طبقات کے اوصاف قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان کیئے گئے ہیں تاہم انقلابی جدوجہد کے حوالے سے چیدہ چیدہ مقامات کا

حوالہ دیا گیا ہے۔ منافقین کی علامات کیلئے ملاحظہ ہو:

"منافقت اور اس کی علامات" از ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

۱۰۔ اس آیۃ مبارکہ کو تحریک منہاج القرآن کے پرچم سے بھی معنوی مناسبت حاصل ہے:۔

وقاتلوا ھم: سرخ پٹی

حتی لا تکون فتنۃ: سفید پٹی

ویکون الدین کلہ للہ: سبز پٹی

دیگر: ۸:۳۹

۱۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

"نظام مصطفیٰ" از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کا آخری باب "مطلوبہ نتائج کی راہ میں رکاوٹیں اور ان کا ازالہ"

۱۲۔ وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا (صحیح بخاری شریف)

باب دوم

تلک الا یام نداو لھا بین الناس۔ (۳:۱۴۰)

بلغ فھل یھلک الا القوم الفسقون۔ (۳۵:۴۶)

تاریخ زوال امت

تاریخ اسلام میں دینی جدوجہد کے حوالے سے اگر ہم غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ غلبہ دین حق کی جدوجہد

۲۔ معمول بہ دین کی جدوجہد

غلبہ دین حق کی جدوجہد کا تعلق تجدید دین سے ہے جبکہ معمول بہ دین کا تعلق جو کہ شریعت، طریقت، مسالک وغیرہ پر مشتمل ہے تنفیذ دین سے عبارت ہے۔ غلبہ دین حق سیاسی غلبے سے متعلق ہے۔ جس کے بعد ہی شریعت اسلامیہ کا نفاذ ممکن ہو سکے گا۔ تجدید دین کی اصطلاح جب استعمال کی جاتی ہے چاہے وہ غلبہ دین حق کے میدان سے متعلق ہو یا معمولی بہ دین کے، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جب قدریں مٹ جاتی ہیں تو ان کو زندہ کس طرح کیا جائے جب زوال آجائے تو ملی زوال کو پھر سے کس طرح عروج میں بدلا جائے۔ زوال کو پھر سے عروج میں بدلنے کے لئے ہی انقلابی جدوجہد بپا کی جاتی ہے جو اساسی طور پر تین ادوار پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ دور ما قبل انقلاب ۲۔ دور انقلاب

۳۔ دور ما بعد انقلاب

دور نبوت و خلافت راشدہ

اس حوالے سے اگر ہم نبوی ﷺ جدوجہد کو دیکھیں تو عہد رسالتمآب ﷺ دو ادوار پر مشتمل ہے:

مکی دور: دورِ ما قبل انقلاب یعنی انقلاب کی تیاری کا دور

مدنی دور: دورِ انقلاب (۱۰ سالہ جدوجہد کا دور)

مکی دور میں اس عظیم انقلاب کی ابتدائی تیاری کی گئی جبکہ مدنی دور انقلاب کے معرکوں کا دور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی' ریاست مدینہ کی شکل میں کرہ ارض پر پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی اور حضور اکرم ﷺ اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اسلامی دستور بنا اور مواخات مدینہ کی شکل میں ایک معاشی انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اس طرح قومی سطح پر انقلاب تو مدنی دور کے پہلے سال میں ہی مکمل ہو گیا۔ یہودی' عیسائی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ اسلام سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔ قبائل کے ساتھ معاہدے طے پا گئے۔ یہودی و نصاریٰ اسلامی ریاست کے اندر محکوم ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین اور احکامات بھی نازل اور نافذ ہونے لگے۔ حلال و حرام کا نظام اسلامی معاشرے کو عطا کر دیا گیا۔ اس طرح مدنی زندگی کے پہلے ایک دو سال میں ہی قومی سطح پر انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر انقلاب کا عمل بھی جاری رہا۔ اس لئے مدنی زندگی کے پورے دس سال دورِ انقلاب سے عبارت ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر انقلاب بپا کرنے کی جدوجہد ہی اس امر کا سبب تھی کہ مدینہ کے اردگرد کے قبائل کو منظم کیا گیا تاکہ اسلام کی قوت کو مجتمع کیا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ مکہ کی ریاست کے ساتھ مسلح تصادم شروع ہو گیا۔ مکہ کی غیر مسلم ریاست کے ساتھ غزوات و سرایا کی شکل میں باقاعدہ تصادم کا آغاز ہوا۔ جب دو تین معرکوں کے بعد ان کی قوت کو شکست دے دی گئی اور اپنے آپ کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کر لیا گیا تو پھر حضور اکرم ﷺ نے روم اور ایران میں بھی پیغامِ حق بھیجا۔ یہ بین الاقوامی انقلاب کی تاسیسی کوششیں تھیں۔ سندھ' ہند'

افریقہ، بلوچستان کی سرحد تک، مالدیپ، سراندیپ اور وسط ایشیاء تک وفود بھیجے گئے۔
بین الاقوامی سطح پر انقلابی کاوشوں اور پیغام حق کے عالمی سطح پر عام ہونے کا ہی اثر تھا کہ
آپ کے وصال مبارک سے قبل کئی علاقوں میں نبوت کے جھوٹے دعویدار بھی پیدا
ہو گئے۔ مسیلمہ کذاب اور دیگر کئی نام تاریخ میں آتے ہیں۔ ان کے قلع قمع کے لئے
آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید ؓ کو روانہ کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ کو ۱۷ سالہ
نوجوان ہونے کے باوجود لشکر کا سپہ سالار رکھا۔ جہاد کا یہ سلسلہ جو بین الاقوامی سطح پر
غلبہ دین حق کے لئے تھا اس کا آغاز بھی آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں خود فرمادیا گویا
ہجرت مدینہ محض ہجرت نہ تھی بلکہ ایک بین الاقوامی انقلاب کا نقطہ آغاز تھی۔

دور نبوت ﷺ کے بعد دور خلافت راشدہ کا آغاز ہوا۔ خلافت راشدہ کا دور
بھی دور رسالت مآب ﷺ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسے ہم دور مابعد انقلاب کہہ سکتے
ہیں۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جس میں انقلاب کے ثمرات و نتائج کو سمیٹا اور محفوظ کیا جاتا
ہے۔ وہ تمام نتائج و خیرات اور ثمرات و برکات جو انقلاب مصطفوی ﷺ سے پیدا
ہوئے دور خلافت راشدہ ان کو محفوظ کرنے، فروغ دینے اور مزید مضبوط و مستحکم
کرنے کا دور ہے۔ اس طرح ہم ۳۰ سالہ دور خلافت راشدہ کو الگ دور نہیں کہیں گے
بلکہ دور نبوی ﷺ کا ہی ایک حصہ کہیں گے فرمان نبوی ﷺ ہے:

"تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی
طاعت واجب ہے۔"

اس لئے خلفائے راشدین کے اعمال اور سنت کو عہد رسالت مآب ﷺ
کے اعمال اور آپ ﷺ کی سنت کے ذیل میں تصور کیا جاتا ہے اور شریعت میں

خلفائے راشدین کے نظائر اور اجماع کو حجت تصور کیا جاتا ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں مصطفویؐ انقلاب کے حوالے سے تین طرح کے کام جاری رہے:

۱۔ احکام کے نزول و نفاذ کا کام:

نزول وحی کی صورت میں نئے نئے احکام نازل ہو رہے تھے اور ساتھ ساتھ ان کے نفاذ کا کام بھی ہو رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ حکام اور امراء کو نئے احکامات و ہدایات بھی جاری فرما رہے تھے۔

۲۔ انقلاب کے اثرات و نتائج کی استحکام و حفاظت کا کام۔

۳۔ ثمرات انقلاب کے فروغ و توسیع کا کام۔

یہ تین چیزیں حضور اکرم ﷺ کے وصال تک جاری رہیں مگر آپ کے وصال مبارک سے قبل نزول احکام کا کام ختم ہو گیا۔ مگر بقیہ امور اسی طرح جاری رہے جس طرح دور نبوت ﷺ میں تھے اس لئے دور خلافت کو خلافت علی منہاج النبوت کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس ہے گویا آپ ﷺ نے اپنے بعد کے ۳۰ برسوں کو اپنی نیابت کا دور فرمایا۔ اگر تاریخی زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ ۳۰ برس خلفائے راشدین کے اقتدار کی مدت ہے مگر فلسفہ انقلاب کے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ ۳۰ برس دراصل حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا زمانہ ہے کیونکہ نیابت قائم مقام ہونے کو کہتے ہیں۔ نائب کا حکم اصل کی طرح ہوتا ہے نائب کی اطاعت اصل کی اطاعت قرار پاتی ہے۔ نائب کا وضع کردہ نظام اصل ہی کا قائم کردہ نظام کہلاتا ہے اور نائب کا دور اصل ہی کا دور قرار پاتا ہے۔ ۱۱ ہجری تک حضور اکرم ﷺ نے اصلاً انقلاب کا نظام بپا کیا اور ۴۰ ہجری تک آپ کا بپا کیا ہوا نظام نیابتاً پایہ تکمیل کو پہنچا گویا آپ ﷺ کا وصال مبارک انقلاب کی تکمیل میں مانع نہیں ہوا کیونکہ

وہ قیادت جس نے آگے چل کر نیابتاً اس نظام کی تکمیل کرنا تھی آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی تیار کردی تھی۔

اموی و عباسی دور

خلافت راشدہ کے دور کے خاتمے کے بعد بنوامیہ کا دور شروع ہوا۔ یہاں یہ نکتہ مستحضر رہنا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے بعد کا تمام زمانہ اتباع کا زمانہ ہے یعنی تاریخ اسلام کا پہلا ۴۰ سالہ دور معیاری اور مثالی دور ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ اتباع کا زمانہ ہے چنانچہ بنوامیہ کا دور ۱۳۲ ہجری تک قائم رہا۔ اس کم و بیش ۹۲ سالہ دور میں توسیع کے کام بھی ہوئے فتوحات جاری رہیں سلطنت اسلامیہ کو بھی وسعت ملی تہذیب و ثقافت کو بھی فروغ ملا۔ اسلامی تمدن فروغ پذیر ہوا' اسلام کی سیاسی قوت مزید مستحکم ہوئی بین الاقوامی سطح پر فتوحات ہوئیں کلچر ترقی پذیر ہوا اور علوم وفنون کو مزید ترقی ملی۔ [1]

۱۳۲ ہجری سے بنو عباس کا دور شروع ہو گیا۔ یہ سارا زمانہ اتباع کا زمانہ ہے۔ مجموعی طور پر تاریخ اسلام میں چھ ادوار آئے' سپین کا دور آیا۔ مختلف حکومتیں مختلف علاقوں میں آئیں جیسے برصغیر میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی اور اسے فروغ ملا۔ یہاں نیم سرکاری سطح پر شریعت بھی نافذ ہوئی اگرچہ برصغیر کے حکمران آزاد تھے مگر اسلامی سلطنت اور خلافت اسلامیہ کی مرکزیت اور بین الاقوامیت کا یہ عالم تھا کہ برصغیر پاک وہند کے دور میں مغلیہ سلاطین وغیرہ سے جو حکمران بھی تخت پر بیٹھتا وہ اپنی سند حکومت خلافت بغداد سے لیتا تھا۔ بنو عباس سے خلافت کی سند لیتا تھا۔ بنو عباس کا دور ۱۳۳ ہجری سے ۶۵۶ ہجری (۱۲۵۸ء) تک جاری رہا۔ اس سارے دور میں نیک پارسا اور اچھے حکمران بھی آئے۔ کمزور اور دنیا دار حکمران بھی آئے تا آنکہ ۱۲۵۸ء میں تاتاری فتنہ بپا ہوا۔ اس سارے دور میں اسلامی سلطنت کرہ ارض کے ایک

وسیع و عریض حصے پر مشتمل تھی۔ برصغیر کے بہت سے سرحدی خطے' وادی سندھ' بلوچستان' سارا وسطی ایشیاء' جنوبی افریقہ' ترکستان' ماوراء النہر سے آگے چین کے علاقے' عرب علاقے' ایران' شام' روم' بیت المقدس یہ سب اسلامی سلطنت میں شامل تھے۔ یہ سب کچھ تب ہوا جب اسلام کا سیاسی غلبہ بحال تھا۔ پوری دنیا میں کفر' طاغوت' باطل حکومتوں اور طاقتوں کے مقابلے میں بین الاقوامی انقلابی طاقت اسلام کی تھی۔ اس کا یہ بین الاقوامی غلبہ بغیر انقطاع کے مسلسل ۱۲۵۸ء تک بحال رہا اس کے نتیجے میں معمول بہ دین کے تمام گوشے یعنی شرعی علوم وفنون کے گوشے' طریقت و تصوف کے گوشے' فقہی مکاتب فکر و مسالک کے گوشے' اعتقادات و نظریات کے گوشے یہ سب اپنی اپنی جگہ مضبوط اور منظم تھے۔ ان کے کام بھی اپنے اپنے طور پر جاری تھے جب تاتاری فتنہ بپا ہوا تو تاتاری فوجوں نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تخت و تاراج کیا۔ یہ خلیفہ مستعصم باللہ کا زمانہ تھا۔ اس کا بیٹا ابو بکر سنی تھا جبکہ وزیر اعظم ابن علقمی شیعہ تھا۔ شیعہ سنی فسادات زوروں پر تھے۔ ابو بکر سنیوں کی جبکہ ابن علقمی شیعوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ گلی گلی شیعہ' سنی' حنفی' حنبلی' شافعی مکاتب فکر میں مناظرہ بازی جاری تھی جس نے اسلام کی سیاسی قوت و شوکت کو کمزور کر دیا۔ اس کی قوت منتشر ہو گئی اس طرح اسلام کا سیاسی رعب و دبدبہ اور ہیبت کمزور پڑ گئی جس نے فتنہ تاتار کو موافق ماحول مہیا کیا۔ فتنہ تاتار کے نتیجے میں تقریباً ۲۲ سے ۲۴ لاکھ مسلمانوں کا قتل عام ہوا' خلافت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ مساجد و مقابر مسمار کر دیئے گئے۔ لائبریریاں جلا دی گئی' بے شمار قلمی نسخے اور کتابیں دریا میں پھینک دی گئیں۔ اس طرح خلافت بغداد کمزور ہوتے ہوتے صرف بغداد تک ہی محدود رہ گئی اور الگ الگ اسلامی ریاستیں اور حکومتیں وجود میں آ گئیں۔

مذکورہ تباہ کاریوں کے صرف ۵۰ سال بعد چنگیز خان اور ہلاکو خان کے خاندان کے کچھ لوگ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ مرید کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے اور ان کی کایا ایسی پلٹی کہ از سرنو اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اور ۱۳۰۱ء سے ۱۳۰۶ء تک کے زمانے میں عثمان خان اور طغرل خان نامی دو آدمیوں نے قبائلی سطح پر اسلامی حکومت قائم کی اور اس حکومت کو فروغ حاصل ہوا۔ بعد ازاں یہ فروغ پاتے ہوئے خلافت عثمانیہ کی صورت اختیار کر گئی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

خلافت عثمانیہ کے سلیمان اعظم اور دوسرے بڑے بڑے حکمرانوں کے دور میں جنگ عظیم اول تک دو براعظم اور تین سمندر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب برطانیہ 'برطانیہ عظمیٰ' کہلاتا تھا تو اس وقت اس کی نو آبادیات میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ برطانیہ کی جغرافیائی وسعتوں کا وہ دور اور اس کی آج کی وسعتیں اس دور کی اسلامی سلطنت کی وسعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت صدیوں تک قائم رہی۔ سوائے ۱۲۵۸ء سے ۱۳۰۲ء تک اس ۵۰ سال کی مدت میں اسلام کی سیاسی قوت فتنہ تاتار کی وجہ سے بحال نہ رہی پھر ۱۳۰۳ء سے خلافت عثمانیہ کے ذریعے بحال ہونے والا دین حق کا سیاسی غلبہ ۱۹۱۴ء (۶۰۰ سال) تک قائم رہا۔ جس طرح سقوط بغداد سے کچھ عرصے پہلے سیاسی زوال کا دور شروع ہوگیا تو اسی طرح سلطنت عثمانیہ میں سیاسی زوال آیا۔ انتشار پیدا ہوا، ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول

کے دوران اتحادیوں نے اسلام کی سیاسی قوت کا شیرازہ منتشر کر دیا اور خلافت عثمانیہ کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا۔

جنگ عظیم اول کے بعد

جنگ عظیم اول کے بعد اسلام کی سیاسی قوت مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو گئی' بلقان سٹیٹ' مراکو سٹیٹ اور مشرقی وسطیٰ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں وجود میں آئیں۔ اس کے علاوہ نسلی اور طبقاتی بنیاد پر مختلف ریاستیں بنیں۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں نے ملک گیر تحریک چلائی۔ ابن سعود نے ترکوں کے خلاف (جو کہ خادم الحرمین الشرفین کہلاتے تھے) بغاوت کی اور سعودی عرب کے نام سے ایک سلطنت وجود میں آ گئی۔ حرمین شریفین پر باغیوں پر باغیوں نے قبضہ کر لیا اور ترکوں نے حرمین شریفین کا تقدس کو پامالی سے بچانے کے لئے تلوار نہ اٹھا کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو زندہ کر دیا تھا۔ جب بلوائیوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مقابلہ کی اجازت طلب کی مگر تو آپ نے فرمایا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے حرم پاک کو خون خرابے کا مرکز نہیں بنانا چاہتا۔

اس دور میں برصغیر میں برطانوی استعماری طاقتیں حکمران تھیں۔ یہاں کے مسلمانوں کو ترکوں کے خلاف لڑایا گیا۔ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی اس میں عثمانی ترکوں کا شیرازہ منتشر ہوا' انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بعد میں ترکی سیکولر سٹیٹ بن گیا۔ برصغیر میں علی برادران ۱۹۱۸ء سے بحالی خلافت کی تحریک چلا رہے تھے کہ ۱۹۲۴ء میں کمال اتاترک نے ترکی کا اقتدار کو سنبھالا تو خلافت کو نام کی حد تک قائم رکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا' اقبال نے اس طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا:

چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اور اس کی عیاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ
اور بت کدہ میں برہمن کی زناری بھی دیکھ!

جنگ عظیم اول کے بعد ترکی سیکولر سٹیٹ بن چکا تھا ادھر برصغیر پاک وہند میں دو صدیاں پہلے ہی برطانوی سامراج اپنا تسلط جما چکا تھا جس کے خلاف جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ برطانوی سامراج نے آہستہ آہستہ اپنے پنجے گاڑ دیئے اور عرب ریاستوں میں عراق' مصر وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ الغرض مسلم ریاستیں آہستہ آہستہ برطانوی سامراج کے ماتحت آ گئیں۔ درددل رکھنے والے مجاہدوں نے کاوشیں کر کے آزادیاں حاصل کیں جن میں لیبیا' عراق اور انڈونیشیا وغیرہ کی ریاستیں شامل ہیں۔

برطانوی سامراج کا ایک بھیانک منصوبہ

اسلام کو اپنے پنجہ استبداد میں جکڑا ہوا دیکھ کر برطانوی سامراج نے سابقہ دو صدیوں میں صلیبی جنگوں کا بدلہ لیا۔ اسلام کے سیاسی غلبہ اور قوت کا شیرازہ منتشر کرنے کے بعد طاغوت نے یہ سمجھا کہ یہ کامیابی محاذ جنگ کی کامیابی ہے یہ محض سیاسی محاذ کی جیت ہے لیکن محض فوجوں کو شکست دے کر محاذ جنگ جیت لینا اور کسی قوم کو سیاسی شکست دے دینا حتمی شکست نہیں ہوتی۔ جس طرح جنگ عظیم اول میں جرمنی نے ایسی شکست کھائی تھی کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ قوم دوبارہ اٹھ سکے گی لیکن جرمنی نے اس شکست کا اتنا تاریخی بدلہ لیا کہ ہٹلر کے مرنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک مغربی طاقتیں اس کے تصور سے کانپتی تھیں کہ وہ

زندہ نہ ہو اور پھر سے نہ پلٹ آئے۔

یہ ساری تاریخ برطانوی سامراج کے سامنے تھی کہ جن قوموں کو محاذ جنگ پر سیاسی اور فوجی شکست دے دی جائے وہ قومیں دوبارہ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور انتقام لیتی ہیں پھر مسلمانوں کی تو ۱۳۰۰ سالہ تاریخ ان کے سامنے تھی۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں عیسائیوں کے فتح یاب ہو جانے کے باوجود مسلمانوں نے دوبارہ جنگ جیت لی تھی۔ سقوط بغداد کا اہم تاریخی واقعہ ان کے سامنے تھا جس میں ہلاکو خان کی تمام تر تباہیوں کے باوجود مسلم قوم ۵۰ سال بعد دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر پہلے کی سی قوت بن کر دنیا پر چھا گئی۔ اس طرح بہت سے واقعات اسلامی تاریخ اور غیر اسلامی تاریخ کے ان کے سامنے تھے۔ اس لئے مغربی طاقتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس قوم کو شکست خوردہ کیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور کبھی اٹھ نہ سکے۔ شکست خوردگی اور بے یقینی کی کیفیت کی اسی بداثری کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا: ؎

یقیں مثل خلیل آتش نشینی
یقیں اللہ مستی خود گزینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

(بال جبریل)

شکست اور شکست خوردگی میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی پہلوان شکست کھا جائے اور گر پڑے مگر اس کا ذہن قبول نہ کرے تو یہ فقط شکست ہے اس صورت میں وہ انتقام کے لئے تیار رہتا ہے اور وہ اپنی قوت کو مجتمع کرتا ہے تاکہ اپنی شکست کا انتقام لے سکے اور پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکے لیکن اگر ذہن شکست قبول کر لے تو یہی

شکست خوردگی میں بدل جائے گی۔ برطانوی سامراج کو معلوم تھا کہ اگر ذہن شکست قبول نہ کرے اور معاملہ شکست تک ہی رہے اور شکست خوردگی پیدا نہ ہو تو متفرق طاقت کو پھر سے جمع کر لیا جاتا ہے' قوم اٹھ کرتی ہوتی ہے اور انتقام لے لیتی ہے مگر جس قوم اور پہلوان کو ذہنی طور پر شکست دے دی جائے اور اس کا ذہن شکست کو تسلیم کر لے اور سمجھ لے کہ میں اب اٹھ نہیں سکتا اسے دبانا اور اس پر کامیابی حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں سو انہوں نے سوچا کہ جب تک اس قوم کو شکست کے بعد شکست خوردگی تک نہیں پہنچائیں گے اس کا ذہن شکست خوردہ نہیں ہوگا جب تک فکر شکست خوردہ نہیں ہوگی قوم شکست خوردہ نہیں ہوگی۔ اس کی امنگیں' اس کے خیالات' اس کی سوچ اور اس کی آئندہ آنے والی نسلیں جب تک ذہنی طور پر اور فکری طور پر شکست خوردہ نہیں ہوگی اور اپنے مستقبل سے کلیتاً مایوس نہیں ہو جائیں گی اور پھر سے جی اٹھنے کا اعتماد ختم نہیں ہو جائے گا اس وقت تک ہم اپنے مقصد میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور ان کی شکست کو دائمی شکست کا نام نہیں دیا جا سکے گا۔

اگر معاملہ محض شکست تک رہا اور نوبت شکست خوردگی تک نہ پہنچی تو یہ قوم زخمی شیر کا کردار ادا کرتی ہوئی کسی بھی وقت اپنی قوت کو مجتمع کر کے ہارا ہوا میدان جیت سکتی ہے لہذا طاغوتی طاقتوں نے اس انقلابی قوم کو دائمی شکست سے دوچار کرنے اور اس کی سیاسی شکست کو ذہنی اور فکری شکست خوردگی میں بدلنے کا فیصلہ کیا۔ ذہنی سطح پر مایوسی طاری کرنے کے لئے مستقبل کی نسبت اعتماد کو مضمحل کرنا اور بے یقینی پیدا کرنا ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے علمی' فکری' تعلیمی' مذہبی' سماجی' معاشرتی' معاشی' تہذیبی' ثقافتی الغرض ہر ہر شعبہ زندگی پر حملے کئے گئے۔ ان حملوں کو تغیرات کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان تغیرات نے مسلمانوں کی سیاسی شکست کو ذہنی اور فکری شکست خوردگی

میں بدلنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ؎

خلافت اسلامیہ کے بارے میں ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

حضور اکرم ﷺ کا عطا کردہ وہ نظام جس کے نتیجے میں خلافت راشدہ کی صورت میں اسلام کا اقتدار قائم ہوا' خلافت راشدہ کے دور کے بعد آج تک بحال نہ ہو سکا تو (معاذ اللہ) اسے اس نظام کی ناکامی تصور کیا جائے یا یہ کہا جائے کہ یہ نظام صرف اسی دور کے لئے موثر تھا اور اس کے بعد یہ انقلاب نتیجہ خیز نہ رہا؟ حالانکہ اس مقصد کے لئے اس وقت سے اب تک بہت سی تحریکیں اٹھیں' کئی انقلابات رونما ہوئے' علماء و مشائخ نے بہت جدوجہد کی لیکن کیا وجہ ہے کہ ان تمام مساعی کے باوجود خلافت راشدہ جیسا دور لوٹ کر نہ آ سکا؟ اس اشکال کے جواب سے پہلے دو بنیادی چیزیں جاننا ضروری ہیں کہ جب بھی غلبہ دین حق اور اقامت دین کی جدوجہد کی جاتی ہے تو وہ اس تناظر میں ہو گی:

غلبہ دین حق:

اس سے مراد ایسی ہمہ گیر احیائی جدوجہد ہے جسکے نتیجہ میں معاشرے میں پامال شدہ اُقتدار دین پھر سے بحال ہو جائیں اور زندگی کے موثرات بایں طور منقلب ہوں کہ اقامت دین کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

اقامت دین:

اس سے مراد اعتقادات و مسالک کا وجود' طریقت اور روحانیت کے سلاسل کا قیام اور فقہی احکام کا نفاذ ہے جن میں عبادات' مناکحات' معاملات' عقوبات و تعزیرات' معاشیات' سیاسیات' احکام و سیر اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو انقلاب بپا فرمایا تھا خلافت راشدہ کا

دور اسی انقلاب کا ایک حصہ ہے یعنی یہ دور مابعد انقلاب ہے۔

دورِ خلافت راشدہ بحیثیت تاریخ اسلام کا مثالی دور

خلافت راشدہ کا دور مصطفوی انقلاب کا دور ما بعد انقلاب ہے اس لئے خلافت راشدہ کا دور بھی مثالی دور (Ideal Period) اور معیاری دور (Standard Period) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں مدنی دور انقلاب اور خلافت راشدہ کا دور مل کر ہمارے لئے ایک نمونہ کمال (Model of Perfection) ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة (ترمذی)

میری امت میں خلافت (علی منہاج النبوۃ) تیس سال ہو گی۔

اس حدیث کے مفہوم میں دو زاویہ ہائے نگاہ ہیں:

(الف) معترض کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ خلافت ۳۰ برس تک رہی اس کے بعد ملوکیت آ گئی اور نظام خلافت قائم نہ رہ سکا اس کی تائید میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خلافة النبوة ثلثون سنته ثم یوتی الله الملك من یشاء (ابوداؤد)

"نبوت کی خلافت ۳۰ برس تک رہے گی پھر اللہ جسے چاہے گا اپنا ملک دے گا۔"

(ب) ہمارے نزدیک اس فرمان نبوی ﷺ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو کہ معترض نے مراد لیا ہے بلکہ یہ ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا **الخلافة فی امتی ثلاثون سنة** یعنی میرے بعد میرے دور نبوت کے پچھلے ۳۰ برس بھی میرے دور کے ساتھ منسلک ہوں گے اور یہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہو گی، در حقیقت حضور

اکرم ﷺ خلافت راشدہ کے ان ۳۰ برسوں کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ دور بھی میری شان مظہریت لئے ہوئے ہے اور میری ہی نیابت میں ہے اور یہ کہ دور خلافت راشدہ کے دور کو میرے دور سے الگ نہ سمجھا جائے بلکہ ان کا دور بھی میرا ہی دور ہے سو! جو کچھ اس دور میں ہوگا وہ میرے دور کا پرتو ہے اس لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء راشدین المھدیین — ''تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی پیروی لازمی ہے۔''

(ابوداؤد)

یعنی اگر تم اس دور کی پیروی کر رہے ہو تو یہ میرے ہی دور کی پیروی ہوگی۔ ہمارے نقطہ نظر سے مفہوم بالکل بدل گیا۔ اس مفہوم کا تعین خود تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔ **خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ** گویا حضور ﷺ اس دور کا مثالی دور (Ideal Period) ہونا بیان فرما رہے ہیں۔ اس تمہیدی مقدمے کے بعد ہم اصل جواب کی طرف آتے ہیں۔

آئیڈیل ایک ہی ہوتا ہے

یہ ایک مسلمہ اور طے شدہ بات ہے کہ آئیڈیل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں تعدد ممکن نہیں کیونکہ اگر تعدد ہوگا تو آئیڈیل نہ رہے گا۔ اب اگر خلافت راشدہ کے دور کے بعد بھی علماء، صلحاء، مجتہدین اور بزرگان دین کی جدوجہد سے اس طرح کا دور وجود میں آجاتا ہے تو وہ دور بھی مثالی دور کہلائے گا جبکہ آئیڈیل اور معیار ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی انسان کسی کو آئیڈیل یا نمونہ کمال کے طور پر چن لے تو پھر اس جیسا کوئی اور ممکن نہیں ہو سکتا لہذا اب جتنی بھی کوششیں کر لی جائیں خلافت راشدہ

جیسا دور پلٹ کر نہیں آسکتا ہاں نظام میں صالحیت و خالصیت کے اعتبار سے اس دور کے قریب ہوا جا سکتا ہے۔

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ پیروکار (Follower)' قائد (Leader) نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو علمی اعتبار سے' عملی اعتبار سے یا فکری و روحانی فراست کے اعتبار سے قائد مان لیا جائے تو وہ ایک مثالی نمونہ اور معیار کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اب اگر پیروکار قائد کے برابر ہو جائے تو وہ پیروکار نہ رہا بلکہ خود آئیڈیل بن گیا لہذا جب تک ایک ذات آئیڈیل اور نمونہ کمال ہے اس وقت تک وہ جن کے لئے آئیدیل ہے ان میں منفرد اور نمایاں ہو گی اور فضل و کمال میں سب پر فائق ہو گی۔

خلافت راشدہ کا دور صحابہ کے ذاتی کمال کا نہیں بلکہ یہ بھی فی الحقیقت کمال نبوت ہی کا دور تھا چونکہ کمال نبوت کا بدل ممکن نہیں اس لئے خلافت راشدہ کی مثال بھی ممکن نہیں ہے اب یہ خیال کرنا کہ کسی انقلاب کے نتیجے میں خلافت راشدہ جیسا دور واپس آجائے یہ مثل رسالت تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ جس طرح اللہ تعالی کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	(مومنو!) بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی (زندگی) میں بہترین نمونہ ہے
(۲۱:۳۳)	

یعنی تم ان کی پیروی کرو' حضور اکرم ﷺ کے اسوہ میں اپنے آپ کو فنا کر لو کہ اس رنگ میں رنگے جاؤ اور تمہارا کردار اس اسوہ کامل کا پر تو بن جائے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جو لوگ اس مثالی نمونہ (Ideal) کی پیروی کر کے اپنا کردار سنوار رہے ہیں ان کا اسوہ' اسوہ حسنہ کی طرح مثالی نہیں ہو سکتا۔

جب یہ طے پا گیا کہ

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہو سکتی۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی طرح مثالی کوئی اسوہ نہیں ہو سکتا تو پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ بعد میں آنے والا کوئی بھی انقلاب اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے بھی مصطفوی انقلاب کی طرح مثالی نہیں ہو سکتا چنانچہ اس انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والا دور بھی، دور مصطفوی ﷺ کی طرح مثالی قرار دینا اس طرح ہے جیسے کسی اسوہ کو اسوہ حسنہ کی طرح مثالی قرار دیا جائے۔

اس لئے اگر کوئی ذات اس مثالی اسوہ کی حامل ہو گی تبھی وہ ایسا معیاری انقلاب بھی بپا کر سکے گی۔ الغرض اسلامی تاریخ میں متعدد انقلاب آئے اور آتے رہیں گے اور ان کے نتائج و ثمرات بھی بر آمد ہوں گے لیکن کسی بھی انقلاب کے نتیجے میں بالکل وہی دور پلٹ کر نہیں آئے گا کیونکہ وہ دور قیامت تک امت مسلمہ کے لئے مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے اور آئیڈیل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔

اس مقام پر ایک سوال ابھر سکتا ہے کہ آئندہ امت مسلمہ کی انقلابی جدوجہد کا مقصود کیا ہو گا؟ یاد رہے کہ انقلابی تگ و دو کے دو ہی مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱۔ خلافت راشدہ جیسا دور واپس لایا جائے۔

۲۔ اپنے دور کو اس مثالی دور کے قریب تر کیا جائے۔

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کا دور حضور اکرم ﷺ کے انقلاب کا مظہر اتم ہے کیونکہ یہ دور مکمل طور پر اسلامی احکام کی تنفیذ و اجراء، اسلامی انقلاب کی توسیع اور اس انقلاب کے دیگر ثمرات کے ظہور کا دور ہے اس لئے عہد رسالت ﷺ اور دور خلافت راشدہ کو ایک ہی دور شمار کیا جائے گا۔

لہذا اب امت مسلمہ کی انقلابی تگ و دو کا مقصود اس دور کو واپس لانا نہ ہو گا بلکہ اپنے دور کو اس دور کے قریب تر کرنا ہو گا جس انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلی میں دور خلافت راشدہ کی جھلک نظر آتی ہو گی وہ کامیاب انقلاب متصور ہو گا لیکن اگر خلافت راشدہ کی جھلک نظر نہیں آتی تو ایسے انقلاب کو کامیاب انقلاب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسلام کی ۱۴۰۰ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اقامت دین کے حوالے سے دین کا سیاسی غلبہ ۱۲۰۰ سال تک قائم رہا۔ قبل ازیں اس امر کو تفصیل سے زیر بحث لایا جا چکا ہے۔ اسلام کی سیاسی تاریخ کا مختصر خاکہ بیان کرنے کے بعد اس امر کو تحقیق کے ذریعے پایا ثبوت تک پہنچایا گیا ہے کہ جنگ عظیم اول تک جس خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے گئے اجتماعی طور پر قوت نافذہ اور بین الاقوامی سیاسی موثریت و غلبہ اسلام کے ہاتھ میں رہا۔ تمام متمدن دنیا بالواسطہ یا بلاواسطہ خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں تھی۔ مسلمان خلفاء کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور دربار خلافت سے جاری ہونے والی سند کو ہر حکومت اعزاز سمجھتی تھی۔ دربار خلافت سے حاصل شدہ علم ہی ہر حکومت کا سرکاری نشان ہوتا تھا۔ ۱۲۰۰ سال میں سے ۱۱۵۲ء سے ۱۳۰۴ء تک کا زمانہ تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے اسلام کے سیاسی انحطاط کا زمانہ ہے اس کے علاوہ اجتماعی حیثیت سے مصطفوی انقلاب کا بنیادی مقصد یعنی سیاسی طور پر غلبہ دین حق صدیوں تک موجود رہا۔ جب خلافت راشدہ کے دور کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیا جانے والا بنیادی مقصد ۱۹۱۴ء تک قائم رہا تو کس بنیاد پر خلافت راشدہ کے بعد مصطفوی انقلاب کو غیر نتیجہ خیز، غیر موثر اور ناکام قرار دیا جا سکتا ہے؟

دنیا میں اسلامی اقتدار اور غلبے کا تسلسل صدیوں تک قائم رہا۔ اس دور میں

اسلامی تہذیب و ثقافت جوان ہوئی اور نظریاتی و مذہبی بنیادوں پر قائم ہونے والی تہذیبوں میں طویل ترین تہذیب ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ یوں تو مصر' بابل اور نینوا وغیرہ کی تہذیبیں بڑی پرانی ہیں لیکن ہم کسی تہذیب و ثقافت کی قدامت پر بحث نہیں کر رہے بلکہ کسی نظریے' دین' فکر اور مذہب پر قائم ہونے والی ایسی تہذیب پر گفتگو کر رہے ہیں جو اقتدار' افراد اور حکومتیں بدلنے کے باوجود صدیوں تک اپنی اصل پر قائم رہی۔ یہ امر واقع ہے کہ نظریہ و فکر کی بنیاد پر قائم ہونے والی تہذیبوں سے کسی تہذیب کو اتنی لمبی عمر نصیب نہیں ہوئی اور نہ ہی ہو سکتی ہے جتنی طویل عمر اسلامی تہذیب و ثقافت کو نصیب ہوئی۔

اسلام کی سیاسی تاریخ میں نشیب و فراز کی حقیقت

اسلام کی بارہ صدیوں پر محیط سیاسی غلبہ کی تاریخ میں کئی اتار چڑھاؤ (Ups & Downs) آئے ان کی حقیقت کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۲۰۰ سال کی اسلام کی مجموعی تاریخ میں اسلام کی سیاسی قوت مجتمع بھی ہوئی اور اس میں قدرے انتشار بھی آیا' وسیع بھی ہوئی اور سکڑی بھی' طاقتور بھی ہوئی اور کمزور بھی۔ اسلام کی اس عظمت نے ایک طرف وسطی ایشیا' جنوبی افریقہ اور تمام مشرقی یورپ کے صدیوں پرانے متمدن معاشرے پر اپنا سکہ .مایا تو دوسری طرف ماوراءالنہر سے آگے چین' ترکستان' ہندوستان' روم' مصر' بابل' عراق اور نینوا جیسی پرانی تہذیبوں پر حکمرانی بھی کی۔ ایک طرف اگر مسلمانوں کے دور حکومتمیں صلیبی جنگوں کی وجہ سے شام و فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں نہ رہے اور مسلمان حکمرانوں نے اپنے علاقے بچانے کے لئے عیسائیوں سے صلح کر لی تو دوسری طرف انہوں نے صلیبی جنگوں میں عیسائیوں پر کاری ضرب لگا کر اخلاف کے لئے راستہ ہموار کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۲۷

رجب ۵۸۳ ہجری میں معراج النبی ﷺ کی رات یہودیوں اور عیسائیوں کے تسلط سے بیت المقدس آزاد کرالیا اور خدا کا یہ گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے حوالے کر دیا گیا مختلف حوالوں سے بیان کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں اتار چڑھاؤ آتے رہے کبھی اقدار صالح دب گئیں اور اقدار سیہ نے غلبہ حاصل کر لیا اور کبھی افعال سوء مغلوب ہو گئے اور نظام حیات کا عنصر صالحیت روشن ہو گیا مگر اجتماعی غلبہ اور سیاسی قوت میں انقطاع نہیں آیا۔

ایک مثال سے تصور مذکورہ کی وضاحت

اس تصور کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے جیسے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ کسی پہاڑ کی کوکھ سے پھوٹ کر لاکھوں زندہ اشیاء کی زیست کا سامان فراہم کرتا ہے اور پہاڑی ندی کی شکل میں گاؤں کے گاؤں سیراب کرتا ہوا زیر زمین چلا جاتا ہے۔ زیر زمین پانی پھیل جاتا ہے لیکن انتشار کی حالت میں کچھ سفر طے کرنے کے بعد پھر مجتمع ہوتا ہے۔ کسی جگہ زمین کا سینہ نرم دیکھ کر مجتمع قوت کا مظاہرہ کرتا ہے اور پھر چشمے کی شکل میں ابل پڑتا ہے پھر دور تک سامان حیات کرتا ہوا "ادھر ڈوبے ادھر نکلے اوھر ڈوبے ادھر نکلے" کا عمل جاری رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کبھی ظہور ہوتا ہے اور کبھی بطون مگر تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح غالب سیاسی قوت و اقتدار کے اثرات کا انحصار مختلف حکمرانوں پر نہیں ہے اسلام کی تاریخ میں مصطفوی انقلاب کا مقصود غلبہ دین حق تو بہر طور موجود رہا مگر جب امراء حکام اور خلفاء و سلاطین اچھے آئے تو اقتدار کے ذریعے محفوظ کی گئی اقدار کو نکھار اور ابھار مل گیا اور اس طرح مذہبی اقدار (Religious Values)' معاشرتی اقدار (Social Values)' ثقافتی اقدار (Cultural Values)' تعلیمی اقدار (Educational

(Values)' قانونی اقدار (Legal Values)' اخلاقی اقدار (Moral Values) اور روحانی اقدار (Spiritual Values) نے ترقی کی۔ اگر اقتدار فاسق اور ظالم حکمرانوں کے ہاتھ آگیا تو مذکورہ اقدار اور شریعت اسلامی کے مختلف گوشوں میں ترقی ہونا رک گئی وہ پانی کے چشمے کی طرح زیر زمین چلے جانے کی طرح کچھ مدت کے لئے دب گئے۔ یہ حالت بطون یعنی زوال کی کیفیت ہے۔ اسلامی دور اقتدار میں عروج و زوال آئے لیکن خلافت راشدہ کے دور سے قائم اجتماعی سیاسی غلبہ جو کہ مقصود بعثت مصطفوی ﷺ تھا تسلسل سے بحال رہا۔

مذکورہ بالا تصور کی وضاحت اور زیادہ صریح انداز سے ہو جاتی ہے جب ہم نظریہ پاکستان اور مملکت پاکستان کے باہمی تعلق پر غور کریں۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اس کا آئین ہے یہ اصول ہے کہ کسی بھی ملک کا آئین اس کی اقدار حیات اور طرز زندگی کا تعین کرتا ہے۔ اس کو بنیادی تصورات و نظریات اور قوانین عدل و انصاف مہیا کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک محکمانہ ڈھانچہ دیتا ہے۔ ہر آئین کے پیچھے ایک نظریہ کارفرما ہوتا ہے اسی نظریے کو مدنظر رکھ کر آئین تشکیل پاتا ہے۔ وہ نظریہ جو آئین کی تشکیل کا محرک اولین ہوتا ہے اس آئین کے ذریعے نظریہ ملک کے ہر شعبے میں سرایت کر جاتا ہے ملک کی بقاء و تحفظ' استحکام اور فلاح و بہبود' بے شمار مسائل اس نظریے کی روشنی میں تشکیل پانے والے دستور کے ذریعے حل کئے جاتے ہیں۔ اب وہ بنیادی بات جس کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے وہ یہ کہ اگر وہ نظریہ باقی رہے اس میں ترمیم و تبدل نہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں ملکی نظم و نسق چلانے والے حکمران بدلتے رہیں مختلف پارٹیاں بر سر اقتدار آتی رہیں تو کیا محض پارٹیوں کے بدلنے سے اس نظریے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا؟ ہرگز نہیں' اس لئے کہ اقتدار حکومت اور

حکمرانوں کی تبدیلی نظریے کے تسلسل سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان نظریہ اسلام پر معرض وجود میں آیا۔ آئین کے ذریعے یہ نظریہ ریاست کے ہر ہر شعبے میں سرایت کر گیا۔ دستوری و آئینی سطح تک نظریہ اسلام موجود ہے اگرچہ عمل میں نہیں' نااہل اور غیر مخلص لوگوں کے ہاتھ میں عنان حکومت ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگرچہ لکھنے اور کہنے کی حد تک ہی سہی وہ نظریہ تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ ایوب خان' یحیی خان' ذوالفقار علی بھٹو' جنرل ضیاء الحق جیسے مختلف الطبعیت لوگ اقتدار میں آئے حکومتیں بدلتی رہیں۔ کبھی مسلم لیگ کا دور حکومت رہا تو کبھی پاکستان پیپلز پارٹی کا' مگر نظریے نے اپنے تسلسل کو برقرار رکھا۔ اسلام کے حوالے سے اچھی ہو یا بری پوزیشن' وہ تسلسل کے ساتھ قائم رہی۔ اس مرحلے پر اگر اقتدار صالح ہاتھوں میں منتقل ہو جائے تو نظریہ اسلام اپنی حقیقی روح کے ساتھ معاشرے میں متعارف ہو سکتا ہے پھر اسلامی اقدار کو فروغ ملے گا اور قوم منزل متعین کی جانب گامزن ہو گی اور اگر کوئی فاسق و فاجر بے دین اور سیکولر فکر کا حامل برسر اقتدار آ جائے گا تو جو نام کی حد تک نظریہ اسلام موجود ہے وہ بھی دب جائے گا اور حالات مزید ابتر ہو جائیں گے گویا اگر انتقال اقتدار برے سے برے ہاتھوں میں ہو اور ہر حکمران اپنی تمام تر سعی و کاوش اس نظریہ کو موت سے ہمکنار کرنے کے لئے صرف کر دے اور اپنی اس مذموم کوشش میں کامیاب بھی ہو جائے تو پھر کہیں گے کہ اس میں انقطاع آ گیا ہے۔ یہاں پاکستان اور نظریہ پاکستان کے باہمی تعلق کی مثال ایک طرف مقصود بعثت مصطفوی ﷺ کے تسلسل اور اس کی افادیت و موثریت کی ابدیت کو بیان کر رہی ہے تو دوسری طرف نظریہ اسلام کی بنیاد پر پاکستان کا وجود میں آنا بھی اس کی ایک عملی اور زندہ دلیل ہے۔

اس تصور کو کہ اچھے برے حکمرانوں کے ہاتھ میں انتقال اقتدار سے نظریہ اور مقصد بعثت مصطفوی ﷺ یعنی غلبہ دین حق کے تسلسل میں انقطاع نہیں آیا' مزید واضح کرنے کے لئے ہم ایک اور مثال اس پارٹی کی پیش کر سکتے ہیں جو کسی نظریے پر قائم ہو اس کا خاص فکر' سوچ' پروگرام' زاویہ نگاہ اور لٹریچر ہو۔ اس تحریک کے بانی نے ایک خاص فکر پر اس کی عمارت استوار کر دی ہو وہ فکر آگے سرایت کر گئی ہو۔ تحریک چل پڑی کل نفس ذائقۃ الموت کے قاعدہ کے تحت وہ بانی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ نئی لیڈر شپ سامنے آئی وہ اپنا کام کر کے دار آخرت کو سدھار گئی اگر مخلص تھی تو تحریک کو عروج ملا اگر مخلص نہ تھی تو تحریک زوال کا شکار ہو گئی۔ لیڈر شپ کی تبدیلی کا یہ سلسلہ جاری رہا مگر بانی تحریک نے جو فکر دی اگر لیڈر شپ اس سے منحرف نہیں ہوتی تو کہیں گے کہ فکر میں تسلسل قائم رہا۔ قیادت کی سطح میں فرق ہونا تو فطری امر ہے کیونکہ تمام افراد برابر صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے۔ کسی کی صلاحیتیں ذاتی مفادات یا منافقت کی آمیزش سے زنگ آلود ہو گئیں تو تحریک کا اجلا پن دھندلا پڑ جائے گا مگر فکر کا تسلسل برقرار رہے گا' زیادہ سے زیادہ اتنا کہیں گے کہ قیادت کی کمزوری کی وجہ سے معیار تنزل کا شکار ہو گیا۔

ان تمام مثالوں سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ان نشیب و فراز کی حقیقت سمجھے بغیر فقط سطحی نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد نظریے' فکر اور مقصد بعثت نبوی ﷺ یعنی سیاسی غلبہ دین حق میں انقطاع کا دعوی کرنا سراسر زیادتی ہے۔

اگر مذکورہ مثالوں کو مع وضاحتوں کے پیش نظر رکھا جائے تو معترض پر "المعترض کالاعمیٰ" کے صادق آنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ معترض نے نشیب و فراز کی حقیقت پر غور کیئے بغیر ان کو ایک خاص دین کی ناکامی کا سبب قرار دے دیا

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس کچھ یوں ہے کہ وہ نظام جس کو ۱۴۰۰ سال اتار چڑھاؤ سے ہمکنار ہونا پڑا مسلسل حکومت کی تبدیلی' اچھے برے کی آمیزش اور مخلص و غیر مخلص کے ملاپ کا عمل جس نظام میں صدیوں تک رہا ہو اس کا ۱۴۰۰ سال سے ۱۲۰۰ سال دنیا پر حکمرانی کرنا کامیابی کی سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے بھلا اس نظام کے آفاقی' کائناتی' ہمہ جہتی' ہمہ وقتی' مکمل ترین اور مسلسل ہونے میں تردد ہی کیا ہے؟ جس کی عظمت و سطوت کی دھجیاں اڑانے کے لئے ایسے حکمران برسر اقتدار آئے جو اپنی بیٹیوں کی شادیوں پر گلیوں میں سونے کے سکوں کی بارش کرتے تھے جس کے پاک و عفیف دامن پر یزید جیسے فاسق و بے دین سفاح جیسے خونخوار اور ہشام جیسے فضول خرچ قیامت تک کے لئے بد نما داغ ہیں۔

مختصراً جس کی سیاسی قوت کو منتشر کرنے اور عالمگیر غلبہ کو ختم کرنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف انحراف اور بگاڑ پیدا ہوئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و سطوت کو پھر سے بحال کرنے کے لئے اس کی گرتی ہوئی عمارت میں رخنہ اندازیوں کو پر کرنے کے لئے' اس کی عزت و ناموس کے ٹمٹماتے چراغوں کو نئے سرے سے روشنیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے' اس کی منتشر قوت کو جمع کرنے اور اس کی زخمی چہرے پر شافی مرہم رکھنے کے لئے کبھی عمر بن عبدالعزیز آئے تو کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی' کبھی بنو عثمان کے تغلق خان اور عثمان خان جیسے جنگجو آئے تو کبھی سلیمان اعظم (Suleman the Magnificient) جیسے بھی آئے جس کے دور حکومت میں اسلام اپنی پوری سیاسی قوت اور عالمگیر غلبہ کے ساتھ دو براعظموں اور تین سمندروں پر حکمرانی کرتا رہا۔

الغرض اسلام کی سیاسی تاریخ میں معمول بہ دین کے مختلف گوشوں میں

انحراف اور بگاڑ بھی رونما ہوئے مگر غلبہ دین حق کا تسلسل قائم رہا سو یہ اعتراض کہ خلافت راشدہ کے بعد نظام اسلام نظر ہی نہیں آتا بے معنی ہے۔ خلافت راشدہ میں جو مقصود بعثت مثالی طریقے سے موجود تھا معیار اَتم درجہ کے ساتھ ۱۲۰۰ سال تک قائم و موجود رہا۔

سیاسی قوت کے حصول کا مقصود

اگر یہ اعتراض سامنے آئے کہ بعثت مصطفوی ﷺ کا مقصود سیاسی غلبہ حاصل کرنا کیونکر ایک اعلیٰ و ارفع مقصود ہے؟ یہ تو تاتاریوں نے بھی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے حاصل کر لیا تھا۔ کیا بعثت نبوی ﷺ کا مقصد صرف سیاسی غلبہ حاصل کرنا تھا؟ تو جواب نفی میں ہو گا کیونکہ اقتدار حاصل کرنا فی نفسہ نہیں بلکہ سیاسی قوت سے صالح معاشی نظام اور جمہوری و فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ اسلام کے سیاسی غلبے کے دوران قتل و غارت گری اور خون خرابے سے قوت اقتدار پر قبضہ برقرار نہیں رکھا گیا جس طرح کہ دوسری جابر قومیں کرتی ہیں البتہ اسلام نے ایک عادلانہ اور مساویانہ معاشرتی نظام دیا جو انحطاط اور بگاڑ کے ہر دور میں قائم رہا۔ اگر انحراف و بگاڑ کے دور میں دستور' آئین اور قانونی مملکت جو عدالتوں میں جاری و ساری تھا اس پر نظر کی جائے تو وہ معاشرے کی جڑوں میں رچا بسا عادلانہ نظام اسلام ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ معاشرے کے بہت سارے سوتے قانون کے ساتھ چلتے ہیں۔ اگر قانون مضبوط' صالح' معاشرتی اقدار کو فروغ دینے والا اور افراد معاشرہ کا تحفظ کرنے والا ہو تو اس قانون کا تحفظ کرنے والی حکومت تمام تر خرابیوں کے باوجود قائم رہتی ہے۔ اسلام کے عدالتی نظام نے عدل و انصاف کے بل بوتے پر اپنی گرفت پورے معاشرے پر اس قدر مضبوط کی ہوئی تھی کہ حکمرانوں کی تمام تر

عیاشیوں، فتنہ انگیزیوں اور انحراف کے باوجود یہ نظام قائم رہا حتی کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں یہ واقعہ ہوا کہ کسی خلیفہ نے کسی نابالغ وارث کو تخت خلافت پر رونق افروز کر دیا شرعاً وہ ولی عہد ہونے کا مجاز نہیں تھا اس معاملے کو عدالت میں چیلنج کر دیا گیا۔ عدالت کے چیف جسٹس (شیخ الاسلام) نے اس ولی عہد کو نااہل قرار دے دیا اور اس فیصلے پر عمل در آمد بھی ہوا۔

اسلام کے قانون ریاست ہونے پر یہ تاریخی واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ جب خلافت بنو عباس تخت و تاراج کر دی گئی، سقوط بغداد ہوا اور تاتاریوں نے اسلام کی سیاسی اور فوجی قوت کو شکست دے دی تو انہوں نے دیکھا کہ سیاسی اور فوجی قوت کے خاتمے کے باوجود عدالتوں میں اسلامی قانون ہی حکمرانی کر رہا ہے لہذا اسے تاتاری قانون سے کیوں نہ بدل دیا جائے؟ تب تاتاری قانون نافذ کرنے کا فیصلہ ہوا تو سیاسی اور حکومتی تحفظ نہ ہونے کے باوجود مسلمان ججوں نے تنہا اسلام کے عدالتی نظام کے تحفظ کی جنگ لڑی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ منگولوں کے ۵۰ سالہ دور اقتدار میں اسلام کا عطا کردہ عدالتی نظام ہی بطور قانون نافذ العمل رہا۔ قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اور تمام تر سفاکیت کے باوجود تاتاری حکمران عوام کے سینوں سے اسلام کی گہری بنیادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ کسی نظام کی بقاء پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

حکمرانوں کی محلاتی زندگی کو قومی و ملی زندگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا!

خلافت راشدہ کے بعد نظام اسلامی نہ دیکھنے والے اس حقیقت سے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ معاشرہ محض حکومتوں اور حکمرانوں کی زندگی سے ہی عبارت نہیں ہے بلکہ معاشرے میں موجود دوسرا اداراتی نظام بھی معاشرے کی بنیاد ہے۔

حکمران اور ان کی حکومتیں تو نظام اسلام میں معاشرے کا ایک گوشہ ہیں۔ اسلام میں معمول بہ دین کے دیگر گوشوں میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو مجدد و مجتہد اس کی اصلاح کر دیتے ہیں اس طرح معمول بہ دین کے گوشہ سیاست میں اگر فاسق و فاجر حکمران آتا تو بعد میں آنے والے نیکوکار اور پابند شریعت حکمران اس کی خامیوں کا ازالہ کر دیتے۔ معمول بہ دین کے گوشہ عقائد کو ہی لیں اس میں کتنے اتار چڑھاؤ آئے اور مسلسل آ رہے ہیں پہلے مرجیہ پیدا ہوئے پھر معتزلہ کی شکل میں عقل پرستوں نے جنم لیا۔ ان کا توڑ اشاعرہ نے کیا پھر معتزلہ و اشاعرہ کے درمیان ماتریدیہ نے اپنے وجود کو جگہ دی۔ عقائد کے معاملے میں ان نشیب و فراز کی بنیاد پر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد تو عقائد اسلام کا وجود ہی نظر نہیں آتا؟ ہرگز نہیں! جس طرح تمام تر بگاڑ و انحراف کے باوجود عقائد اسلامی موجود رہے اور رہیں گے اس طرح حکمرانوں کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود غلبہ دین حق سابقہ ادوار میں ۱۲۰۰ سال قائم رہا۔

حکمرانوں کی محلاتی زندگی تو معاشرتی نظام کا ایک گوشہ ہے کل دین حکمران کے محل کے اندر محصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام اصلاً تو محل سے باہر پھیلی ہوئی دنیا میں اپنا وجود رکھتا ہے یہی اسلام کی حقیقی قوت ہے جو محلاتی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے اور انہیں راہ راست پر لاتی ہے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس استفسار پر کہ اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی راہ چھوڑ دوں اور ان کے احکام کے مطابق فیصلے نہ کروں تو تم کیا کرو گے؟ ایک بوڑھے اعرابی نے تلوار ہاتھ میں پکڑ کر کہا ہم تجھے اس تلوار سے سیدھا کر دیں گے یہ وہ قوت ہے جو کسی اور دین کے پاس نہیں۔ اسی وجہ سے یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ تخت نشینی کے لئے اسلام کا مجوزہ طریقہ کار یہ ہے کہ ووٹ کے ذریعے یا بیعت کے ذریعے عوامی حمایت حاصل کی جائے۔ اس قانون کی

حکمرانی آج تک کوئی معطل نہیں کر سکا۔ ہر برسر اقتدار آنے والا لوگوں کو تیار کرتا جو اس کی نامزدگی کرتے اور بعد میں بیعت عام ہوتی تھی۔ اسلامی قانون کی اس بالادستی سے ہی اسلام کے سیاسی غلبہ کا تسلسل مراد ہے۔

تاہم حکمرانوں نے ان قوانین کا استحصال ضرور کیا ہے مگر ناگزیریت تسلیم کرتے ہوئے حرص و ہوس کے پجاری بن کر استحصال کرنا اور ڈکٹیٹرشپ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کلیۃً ختم کر دینا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بنیادی حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اگر اسلامی شریعت کی بالادستی کا تسلسل برقرار نہ رہا ہوتا تو خواہشات نفس کے پجاری حکمران نظام کو ہی ختم کر دیتے جس نظام سے عملاً وہ پہلے ہی منحرف تھے اور وہ ان نفسانی خواہشات کو پورا بھی نہیں کرتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ قوت واقتدار کے باوجود وہ اس کو ختم نہیں کر سکے؟ اس کی وجہ بڑی واضح ہے وہ حکمران اس معاشرے کا ایک حصہ تھے جس کے اندر اسلام کی سیاسی قوت غالب اور مقتدر تھی اور یہی غلبہ دین حق عوامی سطح پر ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ محل کے اندر محصور نہیں بلکہ اس سے ہزارہا گنا بڑھ کر خود معاشرے کے اندر موجود ہے اور وہ دینی ادارے، علمی مراکز، علماء دین، آئمہ دین اور صوفیاء کرام ہیں۔ معاشرے کے اندر اسلامی شریعت کی بالادستی کا تصور بذات خود ایک بہت بڑی قوت کے طور پر مسلسل موجود چلا آ رہا ہے پھر معاشرتی روایات کا مربوط نظام جس کے پیچھے اسلام کی بالادستی کا نظریہ کارفرما ہے وہ حق کے اس سیاسی غلبے کو تحفظ دیتا رہا سو یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا تو وجود ہی ختم ہو گیا چہ معنی دارد؟

ایک لطیف نکتہ

اگر خلافت راشدہ کے بعد اسلام ختم ہو گیا تھا تو ہم تک کیسے پہنچا؟ اگر اسلام خلافت راشدہ کے بعد ختم ہو گیا ہوتا تو ہم تک کبھی نہ پہنچتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اتار چڑھاؤ دین کے ایک گوشہ سیاست میں انحراف و بگاڑ کی تاریخ ہے۔ یہ بگاڑ جزوی بگاڑ ہوتا تھا اس کے پیچھے حق کی طاقت، علمی اقتدار، فکری اقتدار، عدالتی اقتدار، قانونی اقتدار، روحانی اقتدار اور تہذیبی و ثقافتی اقتدار کی صورت میں شریعت کی بالادستی کو قائم رکھے ہوئے تھی۔

ایک اور لطیف نکتہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حکمران اور ان کی زندگی سب کچھ نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلام کے نظام کا ایک جزو ہیں۔ اسلام پوری دنیا میں پھیلا، کیا تنہا حکمرانوں نے اسلام کو فروغ دیا؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اسلام کی پوری تاریخ کو معاشرے سے نکال کر محل کے اندر محصور کر دیا جائے۔ اسلامی علوم و فنون سے یورپ مستفید ہوا، اسلامی تہذیب و ثقافت کو عروج ملا کیا یہ سارا کام حکمرانوں نے کیا؟ حکمران تو تاج محل، شاہی مقبرے اور شہنشاہی دیوان تیار کرتے رہے۔ کیا علوم و فنون کا یہ سارا سرمایہ اسلام کے سورج کی کرنوں کے تعاقب میں اقصاء دنیا تک حکمرانوں نے پہنچایا؟ اگر یہ سارا کام حکمرانوں نے کیا تو ہم کل اسلام ان کی زندگی کو قرار دیتے ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسلام کو حکمرانوں کے دامن سے باندھ کر یہ کہنا زیادتی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد حکمرانوں کی عیاشیوں سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام موجود نہ رہا۔

بہر حال خلافت راشدہ کا مقصود غلبہ دین حق قائم رہا اور یہ اعتراض کہ جزوی بگاڑ کیوں ہے؟ اور تاریخ میں کیوں رہا؟ تو یہ ایک کھلی ہوئی روشن حقیقت ہے کہ

آئیڈیل اور پیروکاروں میں فرق ہونا فطری امر ہے۔ اگر بعد کے زمانے میں بھی حضورت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٗ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٗ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے تو اس حدیث کی کیا افادیت رہتی۔

"عليكم بسنتي و سنة خلفاء راشدين المهديين"

اس کے علاوہ الخلافة في امتي ثلاثون سنة کی کیا اہمیت رہتی؟ مزید یہ کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ الخلافة في امتي ثلاثون سنة اس کا یہ مفہوم نہیں کہ خلافت آپ ﷺ کے بعد ۳۰ سال رہی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد ۳۰ سالہ دورِ مثالی دور ہے باقی زمانہ اس کی پیروی کرنے کے لئے ہے۔

خلاصہ کلام

اب تک کی بحث سے یہ نکتہ الم نشرح ہو گیا کہ تاریخ اسلام میں آنے والا سیاسی بگاڑ جزوی بگاڑ تھا ٗ اسلام فقط محلاتی زندگی کے اندر محدود نہیں۔ حکمرانوں ٗ خلیفوں ٗ امراء اور سلاطین کے ماحول کے ارد گرد ہی نہیں گھومتا بلکہ اسلام کو پوری کی پوری عملی اور معاشرتی زندگی کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ پوری تاریخ کے وسیع تناظر میں دیکھنے کے بعد پتہ چلے گا کہ بگاڑ والے دور میں اسلام کی عددی کیت کتنی ہے؟ اور دوسرے دور کی عددی کمیت کتنی ہے؟ جتنی مقدار زمانہ میں بگاڑ ہے اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور پورے نظام کے ایک جزو میں بگاڑ قرار دیتے ہیں اور باقی مقدار آئیڈیل سے تو بے شک نیچے ہے مگر یہ آئیڈیل کے مقصود کی بقاء کا باعث بنی اور اس کے ذریعے ہی اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام کی ۱۴۰۰ سو سالہ تاریخ میں ۱۲/ ۱۳ سو سال اسلام کے غلبے کی تاریخ ہے۔

دورِ زوال کا المیہ - دینی جدوجہد کی بے ثمریت

جب سے ملت اسلامیہ ہمہ گیر زوال اور انحطاط کا شکار ہوئی وہی ملت جس کے رعب و دبدبے سے کبھی قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں بھی تھر تھر کانپتی تھیں' آج ذلیل رسواء ہو رہی ہے۔ کہیں اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک کے سامنے بے دست و پا بنی ہوئی ہے اور کہیں امریکہ اور روس کی استحصالی' سامراجی اور باطل قوتوں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ بظاہر آزاد ہے مگر اس کی تقدیر کے فیصلے واشنگٹن اور ماسکو میں ہوتے ہیں۔ امت مسلمہ پر یہ زوال اور انحطاط آخر کیوں آیا اور یہ مسلسل اس کا شکار کیوں ہے؟ جس سے پوچھو کہتا ہے کہ اس کی وجہ ہماری بے عملی ہے۔ ہم نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر جامع اور بابرکت دین پر عمل کرنا ہم نے کیوں چھوڑ دیا؟

اگر ہم اس سوال پر بنظر عمیق غور کریں تو یہ حقیقت ہمارے سامنے کھلتی ہے کہ ترک عمل کی بنیادی وجہ عمل کے نتائج کے بارے میں بے یقینی ہے اسی بے یقینی نے آج امت مسلمہ کو انفرادی و اجتماعی سطح پر لادینی طرز فکر و عمل میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا ہے نہ صرف یہ کہ اس بے یقینی کی کیفیت نے ہم سے عمل کا داعیہ چھین لیا بلکہ جو راہ عمل پر گامزن ہیں انہیں بھی اپنے عمل کی موثریت کا یقین رہا۔ آج قرآن کے فکر زندہ سے انحراف کا نتیجہ یہ ہے کہ امت کا ایک طبقہ نادانستہ طور پر اس طاغوتی فکر کو فروغ دے رہا ہے کہ اس دنیا میں اسلام معروضی نتائج پیدا کرنے کی ضمانت ہی نہیں دیتا۔ جب نتائج پیدا ہی نہیں ہوں گے تو ان کے مشاہدے کے کیا معنی؟ اور بغیر مشاہدہ کے حصول یقین کیسے؟ اس طرح بے یقینی کے عمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ مایوسی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کی انتہائی شکل بے عملیت اور اقدار دین کے خلاف

بغاوت ہے۔

آج نوجوان نسل کی اسلام سے بغاوت ملت اسلامیہ کے قائدین کے لمحہ فکریہ ہے یہ کہنا کہ قیامت میں مشاہدہ نتائج ہو گا اور یہ کہ مومنین کے لئے تو آخرت ہی سب کچھ ہے ایک باطل سوچ ہے۔ قیامت کے دن تو احقاق حق کا مشاہدہ کافر بھی کر رہے ہوں گے نیتجتاً وہاں تو انہیں بھی حصول یقین ہو جائے گا۔ وہ مشاہدہ کرنے کے بعد کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پہلے پتہ چل جاتا یا اللہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے ہم تجھ پر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کے یقین کا کیا فائدہ؟ اور اگر اسلام کے حق ہونے کا یقین قیامت ہی میں ہونا ہے تو اس آیہ کریمہ کا کیا معنی جس میں فرمایا گیا ہے:

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ O اللہ کی جماعت کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں۔ (۵۶:۵)

یہ سوال جب آج کی دینی قیادتوں کے سامنے رکھا جاتا ہے تو اس سوال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ فرمان رسول ﷺ کے مطابق قیامت کے قریب ایسا ہونا ہی تھا‘ اب چونکہ قیامت قریب ہے اس لئے ایسا ہو رہا ہے۔ یہ جواب دے کر گویا ہم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور ذہنی طور پر تباہی و بربادی کو اپنے مقدر کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ اس پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر اب بے عملی اور ذلت و خواری ہمارا مقدر ہی ہے تو پھر اصلاح کی کوششیں کیوں کی جاتی ہے تو اس کے دو جواب ملتے ہیں:

۱۔ ایک جماعت تو یہ جواب دیتی ہے (عام مذہبی ذہن کا جواب بھی یہی ہے) کہ اصلاح کی یہ کوشش اجر و ثواب اور اپنی آخرت سنوارنے کے لئے ہے معروضی نتائج پیدا ہوں یا نہیں ہوں‘ دنیا سنورے یا نہ سنورے۔

۲۔ دوسری جماعت یہ جواب دیتی ہے کہ علم و عمل اور مال و اسباب سے جہاد فرض

ہے۔اس فرض کو نبھانے کے لئے اصلاح کی یہ کوششیں ہیں۔ حالات بدلیں یانہ بدلیں' دنیا سنورے یانہ سنورے' باطل کو شکست ہو یانہ ہو' حق کامیاب ہو یانہ ہو اسلام تو فقط آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ دنیا کی کامیابی کی ضمانت اسلام نہیں دیتا۔ حقیقی کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیا کی کامیابی کوئی کامیابی نہیں۔

ان دونوں تصورات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام گویا قابل عمل دین نہیں یہی نتیجہ باطل قوتیں پیدا کرنا چاہتی تھیں کہ اسلام کی نسبت ذہنوں میں مایوسی اور بے یقینی پیدا ہو جائے۔ مسلمانوں کے ذہن مستقبل میں کامیاب ہونے کے حوالے سے مفلوج ہو کر رہ جائیں[۱۲]۔ان کا دل پکار اٹھے کہ ہم سے پہلے بھی بہت کوششیں ہو چکیں اور ہو رہی ہیں مگر اب کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب یہ نتیجہ فکر پیدا کرنے میں باطل قوتیں کامیاب ہو گئیں تو ذہنی شکست خوردگی سے بیدار ہونے والی سوچ نے شعوری اور لاشعوری طور پر مسلمانوں کی اجتماعی فکری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔اور انہوں نے مسلمانوں کی فکری زندگی میں جو تغیرات پیدا کئے وہ مندرجہ ذیل سات قسموں کے تھے:

۱۔ سیاسی فکر میں تغیر
۲۔ معاشی واقتصادی فکر میں تغیر
۳۔ قانونی فکر میں تغیر
۴۔ عمرانی اور سماجی فکر میں تغیر
۵۔ تہذیبی اور ثقافتی فکر میں تغیر
۶۔ مذہبی فکر میں تغیر

۷۔ تعلیمی فکر میں تغیر

دینی جدوجہد کی بے ثمریت کا مداوا

پہلا جواب صورتحال سے فقط سمجھوتہ ہے' اس سے انقلاب نہیں آسکتا۔ اس لئے زوال وانحطاط سے نکلنے کے لئے انقلاب کی تڑپ رکھنے والوں کو یہ جواب قطعاً قبول نہیں ان کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے:

عمل اس لئے چھوٹا کہ ہمارا اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے یقین اٹھ گیا کیونکہ عمل علم سے نہیں بلکہ یقین سے جنم لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے یقین کیوں ختم ہو گیا۔

یقین مشاہدے سے جنم لیتا ہے یقین کا مشاہدہ تجربی توثیق(Experimental Verification) سے حاصل ہوتا ہے یعنی نتائج کو عالم واقعہ میں آنکھوں سے دیکھ (Observation) کر حاصل ہوتا ہے اس یقین کے ۲ درجے ہیں:

۱۔ عمومی یقین:

یہ ایمان بالغیب کا دوسرا نام ہے اور یہ قال سے نصیب ہوتا ہے اسے علم الیقین بھی کہتے ہیں۔

۲۔ خصوصی یقین:

اسے ایقان کہتے ہیں اور یہ حال سے ملتا ہے یعنی خود مشاہدہ کر کے' اس کے آگے پھر ۲ درجات ہیں:

الف۔ عین الیقین: کسی چیز کا خود مشاہدہ کر کے جو یقین حاصل ہو۔

ب۔ حق الیقین: کسی چیز یا کیفیت کو خود طاری کر کے جو یقین حاصل ہو۔

اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں سے سن کر جانتا ہے کہ آگ جلاتی ہے تو یہ علم الیقین ہے اگر وہ کسی کو آگ میں جلتا دیکھ لے تو اسے عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور اگر وہ اپنا ہاتھ آگ میں جلا کر دیکھ لے تو اسے حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

یقین کی پختگی کے مندرجہ بالا تین درجات عمل کے استحکام اور خوبی کو متعین کرتے ہیں جب یہ علم الیقین تک محدود رہے تو عمل تو جنم لے سکتا ہے مگر وہ مستحکم نہیں ہوتا۔ کسی بھی وقت حالات کی سختیاں یا مزاحمتیں اس عمل کو ختم کر سکتی ہیں جب یقین عین الیقین اور حق الیقین کے درجے کا ہو تو پھر طارق بن زیاد کی طرح کشتیاں جلا کر بھی سمندر میں کود جانے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ ۳۱۳ مجاہدین بھی اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اسلام ایسے حق الیقین کا مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسا یقین پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے'

سورۃ نصر میں ارشاد ہوتا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ. وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللهِ اَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ. اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا.

(سورہ نصر)

جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح نصیب ہو (دشمنوں کے قلعے فتح ہوں' خانہ کعبہ مسلمانوں کا ہو جائے) اور آپ لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں تو (اس وقت) آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے اور (اس حمد و ثنا کے بعد) اس سے (امت کے لیے)

مغفرت طلب کیجئے (کہ یہ جو بھولے ہوئے تھے' لیکن اب مسلمان ہوئے ہیں اب ان کی آنکھیں کھلیں۔ آپ کی عبادات' آپ کی دعائے مغفرت کے صدقے میں اللہ ان کے گناہ بھی معاف فرمائے گا) بے شک وہ بڑا معاف فرمانے والا (بڑی بخشش والا) ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی نوازشات اور قدرت کاملہ کا مشاہدہ کروا کر فرما رہا ہے کہ اب یقین میں مزید اضافے کے بعد اللہ کی عبادت کر اور اس سے بخشش مانگ' تجھے عبادت میں نیا لطف و سرور ملے گا اور تو اللہ تعالیٰ کو اپنے لطف و کرم کے ساتھ توجہ فرمانے والا پائے گا۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ○

(انعام ۶:۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یہاں بھی یقین کو پختگی عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مشاہدے کو ذریعہ بنا رہا ہے صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ابراہیم کو خود مشاہدہ کرواتا ہے بلکہ ابراہیم بھی

اطمینان قلب کے لئے مشاہدے کی گزارش کرتے ہیں:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ (۲:۲۶۰)

اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا میرے رب! مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے ارشاد ہوا کیا تم یقین نہیں رکھتے' اس نے عرض کیا کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔

یہ ہے یقین کو پختہ کرنے میں مشاہدے کی اہمیت کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرامؑ کے یقین کو پختہ کرنے کے لئے انہیں اپنی قدرتوں اور نوازشوں کے مشاہدے کرواتا ہے۔ انبیاء کرامؑ کو چونکہ انتہائی مخالف حالات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں یقین بھی اتنا ہی غیر متزلزل اور پختہ عطا کرتا ہے کہ راستے کی ساری سختیاں ان کے قدم ڈگمگا نہ سکیں اور راہ عمل پر استقلال کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس غیر متزلزل یقین کے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ (Observation) بھی عظیم الشان کرواتا ہے[12]۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ نامساعد حالات میں عمل پر قائم رہنے کے لئے غیر متزلزل یقین ضروری ہے اور اس کے لئے اعمال کی نتیجہ خیزی کا مشاہدہ ضروری ہے۔

قرآن اور اہمیت یقین کا بیان

قرآن حکیم نے اپنے جملہ نظام عبادت کا حاصل راسخ یقین کا حصول قرار دیا

ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ (۹۹:۱۵)

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو (آپ کی شان کے لائق) مقام یقین مل جائے (یعنی انشراح کامل نصیب ہو جائے یا لمحہ وصال حق)

علماء کرام نے اس آیہ کریمہ میں "یقین" کے لفظ سے مراد موت لی ہے یعنی بندے کو حکم دیا جارہا ہے کہ تو عبادت کرتا رہ حتی کہ تجھے موت آجائے۔ اس سے مراد خوشگوار پہلو یہ ہے کہ انسان دم آخر تک محنت و مشقت جاری رکھے اور اپنی توجہات کا مرکز موت تک اللہ تعالی ہی کو جانے گویا آخری دم تک محنت جاری رکھنے کا درس دیا جارہا ہے مگر یقین سے موت مراد لینا یقین کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے جو اپنی جگہ درست ہے کیونکہ موت ایک یقینی امر ہے جو ہر حال میں وقوع پذیر ہوگا اس جگہ اگر یقین کو اس کے حقیقی معنی پر رکھا جائے تو معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس صورت میں مفہوم یوں ہوگا:

"تو اللہ کی عبادت کر حتی کہ تجھے (حالت) یقین حاصل ہو جائے۔"

جو عمل یقین کی محکم بنیادوں کے سہارے انجام پذیر ہوگا وہ مقبول ہوگا اور اس کے خاطر خواہ نتائج مرتب ہوں گے۔ جن کا مشاہدہ افزونی یقین کا باعث بنے گا جب عبادت میں حالت یقین نصیب ہوگا تو انسان کثرت عبادت سے بھی سیراب نہیں ہوگا بلکہ پیاس بڑھتی جائے گی جیسا کہ سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ کی سوانح میں ہے کہ آپ ایک سجدہ میں رات ختم کر دیتی تھیں اور عرض کرتیں "مولا تو

نے کتنی چھوٹی چھوٹی راتیں بنائی ہیں کہ میرا سجدہ ختم نہیں ہوتا کہ تیری رات ختم ہو جاتی ہے۔"

اس آیہ کریمہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ عبادت حصول یقین کے لئے کرو اور جب حالت یقین میں عبادت کروگے تو وہ یقین میں اضافے کا موجب بنے گی جیسا فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (۱۴:۷)	اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کرونگا۔

شکر کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک عبادت کے ذریعے شکر ادا کرنا ہے یعنی اگر یقین سے عبادت کروگے تو یقین اور بڑھے گا۔ مذکورہ آیت میں اس مراد کا مخالف مفہوم یہ ہوگا کہ اگر بے یقنی سے عبادت کی تو بے یقنی اور بڑھے گی اور بے یقنی سے کیا گیا عمل موثر نتائج پیدا نہیں کرتا نتیجتًا عمل چھوٹ جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محض عمل تو منافقین بھی کیا کرتے تھے اور کرتے ہیں مگر اس سے نتائج پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے:

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (۴:۱۴۳)	اس (کفر اور ایمان) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں اور نہ ان (مومنوں) کی طرف ہیں

دوسرے مقام پر اس کا عکس یوں بیان فرمایا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ	حالانکہ ان (اہل کتاب) کو یہی حکم دیا

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ — گیا تھا کہ (وہ لوگ) خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں (۵:۹۸)

یعنی منافقت اور بے یقینی چھوڑ کر اخلاص اور یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اسی سے کما حقہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ یقین کی لازوال دولت اور سرمایہ عمل مہیا کرتا ہے۔ آیہ یقین کی مذکورہ بالا تعبیر کی تائید امام رازی کی بیان کردہ تفسیر سے بھی ہوتی ہے' امام رازی سورۃ حجر کی آیت ۹۷ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون لان الجبلة البشرية المزاج الانسان يقتضى ذالك فعند هذا قال له فسبح بحمد ربك فامره باربعة بالتسبيح والتحميد والسجود والعبادة الخ

اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جو وہ کہتے ہیں اس سے تمہارا سینہ تنگ ہوتا ہے کیونکہ بشری فطرت اور انسانی مزاج کا تقاضا کرتا ہے اس پر اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ (پس تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ) پس باری تعالی نے آپ کو چار چیزوں تسبیح، تحمید، سجود اور عبادت کا حکم دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ باری تعالی نے کفار و مشرکین کے طعنوں کے جواب میں چار چیزیں ارشاد فرمائیں:

تسبیح' تحمید' سجود' عبادت

جن کا مقصود حصول یقین ٹھہرایا' ان کے ذریعے عالم ربوبیت کے انوار کا مشاہدہ کیا جائے اس میں سے وہ یقین حاصل ہو جائے گا کہ یہ دنیا حقیر چیز ہے۔ اس کا وجدان و فقدان کسی تبدیلی کا سبب نہیں ہے اور دنیا داروں کے طعنے اور استہزاء اور

تمسخر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

سیدنا عزیر علیہ السلام جب ایک برباد بستی کے پاس سے گزرے تو عرض کی مولا! تو اس کو کس طرح زندہ فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۵۹:۲)

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی پر سے گزرا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی' تو اس نے کہا کہ اللہ اس کی موت کے بعد اسے کیسے زندہ فرمائے گا' سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کیلئے) اللہ نے اسے سو برس تک مردہ رکھا پھر اسے زندہ کیا' (بعد ازاں) پوچھا تو یہاں (مرنے کے بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)؟ اس نے کہا میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرا ہوں' فرمایا (نہیں) بلکہ تو سو برس پڑا رہا (ہے) پس (اب) تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں' اور (اب) اپنے گدھے کی طرف نظر کر (جس کی ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں) اور یہ اس لئے

کہ ہم تجھے لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنادیں اور (اب ان) ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کیسے جنبش دیتے (اور اٹھاتے) ہیں پھر انہیں گوشت (کا لباس) پہناتے ہیں' جب یہ (معاملہ) اس پر خوب آشکار ہو گیا تو بول اٹھا میں (مشاہداتی یقین سے) جان گیا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌO

(۲۶۰:۲)

اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے' ارشاد ہوا کیا تم یقین نہیں رکھتے' اس نے عرض کیا کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے' ارشاد فرمایا سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح

کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک
پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ
تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں
گے' اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب
بڑی حکمت والا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالی سے مشاہدہ طلب کیا' عرض کی باری تعالی مجھے مشاہدہ کروا کہ تو مردوں کو جلاء کیسے بخشتا ہے؟ باری تعالی نے ارشاد فرمایا ابراہیم تجھے میرے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایمان نہیں۔ عرض کی ایمان تو رکھتا ہوں مگر اطمینان قلب کے لئے مشاہدہ درکار ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالی کو معلوم نہیں تھا کہ ابراہیمؑ کا ایمان ہے؟ معلوم تھا مگر پھر بھی پوچھا کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے؟

دراصل اطمینان اور منزل ایقان کے حصول کا طریقہ سمجھانا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ حصول ایقان کے لئے مشاہدہ نتائج کے طالب ہو اگرو علم کے نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض نہیں کی کہ رب ارنی کیف تحی الموتی (اے میرے رب مجھے سکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے) بلکہ عرض کی کہ اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالی نے مشاہدہ کروانے کے بعد فرمایا واعلم ان اللہ عزیز حکیم یقین کر لے اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔ اس طرح باری تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ	اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ	آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں

الْمُوْقِنِيْنَ ○ (یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور (۷۵:۶) (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

مشاہدہ نتائج کا یقین زائل کیونکر ہوا؟

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ جب اعمال کے نتائج کا مشاہدہ ختم ہو جائے تو پھر ناساعد حالات یقین کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ اگر ہم اس نہج سے اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دور زوال میں اسلامی تعلیمات پر عمل سے نتائج پیدا ہونا بند ہو گئے اور ان نتائج کے عدم مشاہدہ نے بے یقینی اور شکوک و شبہات کو جنم دیا پاکستان بننے سے اب تک کے حالات ہی کو لیں پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مسلسل نمازیں باجماعت ادا ہو رہی ہیں مگر نماز کی بے حیائی اور برائی سے روکنے کی تاثیر معاشرے میں نظر نہیں آتی۔ یہی حال دوسری عبادات اور تعلیمات پر عمل کا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل سے نتائج پیدا ہونا کیوں بند ہو گئے۔ اپنے ماضی (دور زوال اور دور زوال سے قبل) کے حالات کا بغور تجزیہ اور تقابل کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اعمال کے نتائج کے بند ہونے کے درج ذیل دو اہم اسباب ہیں:

۱۔ اسلام کے فکری نظام میں جمود طاری ہو گیا ایجاد و تخلیق ختم ہو گئی اور علم فقط تعلیلی اور تحلیلی رہ گیا۔ تخلیقی علم کا تحرک اور ارتقاء بند ہو گیا جس سے مسائل حیات اور علم میں توازن بگڑ گیا اور اس بگڑے ہوئے توازن میں اسلامی تعلیمات پر عمل نے مطلوبہ نتائج پیدا کرنے بند کر دیئے۔

۲۔ سیاسی غلبے کی قوت نافذہ اہل حق کے ہاتھ سے چھن کر باطل کے پاس چلی گئی جس کے نتیجے میں اسلامی نظام کے نفاذ کو عملی تحفظ ملنا بند ہو گیا اس نے بھی

مطلوبہ نتائج پیدا کرنے بند کر دیئے۔

فکری نظام کا جمود

اسلام قیامت تک کے لئے قابل عمل دین ہے اس لئے یہ ایسی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو ہر دور کے لئے کافی ہو چنانچہ اس میں کچھ چیزیں تو اصولی قوانین اور ضوابط کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر دور میں ناقابل تغیر رہی ہیں ان کو قوانین کی ''ہیت اصلیہ'' کہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہی جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں انہیں قوانین کی ''ہیت کذائیہ'' کہتے ہیں تاکہ ہیت اصلیہ کی روح برقرار رہے۔ اہل علم و فضل قرآن و حدیث کی روشنی میں وقت کے حالات اور تقاضوں کے مطابق انہیں تشکیل دیتے ہیں ان احکامات اور قوانین کی تشکیل کے عمل کو اجتہاد کہتے ہیں اس اجتہاد کی حدود مقرر ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے مسائل نو کا حل پیش کیا جاتا ہے اور یوں مسائل حیات اور ان کے حل سے علم (فقہ) میں توازن برقرار رہتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ''ہیت اصلیہ'' کی تشکیل کے عمل میں ارتقاء جاری رہا ہے اور نئے نئے مسائل حیات کا حل ملتا رہا مگر دس بارہ صدیوں کے بعد باطل استحصالی قوتوں کے سیاسی تسلط کے زیر اثر اس میں جمود طاری ہو گیا اور امت مسلمہ کی فکر یوں بدلی کہ اس نے اجتہاد کے سارے دروازے رفتہ رفتہ بند کر لئے۔ زندگی اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی نئے نئے مسائل تو پیدا ہوتے رہے مگر ان کا شرعی حل پیش ہونا بند ہو گیا نتیجتاً ان میں توازن بگڑ گیا اور شرعی قوانین، اور تعلیمات پر عمل نے اپنے مطلوبہ نتائج کماحقہ پیدا کرنا بند کر دیئے۔ نتائج کا مشاہدہ رک گیا تو اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے اعتماد بھی اٹھ گیا اور بے یقینی نے اس کی جگہ لے لی۔ اب ظاہر ہے کہ بے یقینی سے بے عملی ہی پیدا ہونا تھا فقط علم ہی عمل کا داعیہ بیدار کرنے کے لئے کافی نہیں

ہوتا۔

قوت نافذہ کا چھن جانا

اعمال کی نتیجہ خیزی کے ختم ہونے کی یہ بہت بڑی وجہ ہے کہ سیاسی غلبہ حق کے ہاتھ سے نکل کر باطل کے پاس چلا گیا۔ کسی بھی نظام حیات سے نتائج کماحقہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک اس کے ساتھ قوت نافذہ (Political Power or Political Sanction) نہ ہو کیونکہ کسی بھی نظام حیات کو عملی تحفظ قوت نافذہ کے ذریعے ہی ملتا ہے جب سیاسی غلبہ کا عملی تحفظ ختم ہو گیا تو شرعی اعمال نے مطلوبہ نتائج کماحقہ پیدا کرنا بند کر دیئے اس سے بے یقینی نے اور بے یقینی سے بے عملی نے جنم لیا۔

جب قوت نافذہ اسلام کے ہاتھ سے چھن گئی تو اسلامی تعلیمات کا اثر و نفوذ معطل ہو گیا حق کی جگہ جب قوت مقتدرہ باطل کے ہاتھ میں چلی گئی تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے آفاقی اصول کے مطابق اس سے نتائج بھی باطل ہی پیدا ہونا شروع ہو گئے جبکہ حق محض وعظ کا نام رہ گیا اس طرح نتائج کے بند ہونے کا ایک محرک امت مسلمہ کے ہاتھوں سے قوت واقتدار کا چھن جانا بنا۔

فکری تغیرات

اسلام کے فکر میں تغیرات آ گئے۔ بنیادی تصورات بدل گئے اور پورا فکری نظام جامد و معطل ہو گیا، جمود تعطل کا شکار نظام موجود رہا۔ مدارس، اساتذہ، علوم و فنون، نصاب اور کتب الغرض ساری فکری متاع اس جامد نظام کے سانچے میں ڈھل کر نکلی سادہ لوح مسلمان فقط اسی بات پر خوش ہو گئے کہ علماء، اساتذہ اور مدارس موجود ہیں قال اللہ قال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، مساجد بنانے کی آزادی ہے،

نمازیں اور آذانیں دینے پر کوئی پابندی نہیں' اسناد تقسیم ہو رہی ہیں' تقریبات دستار بندی منعقد کی جا رہی ہیں' اسلام کا سارا نظام تو موجود ہے اسلام تو اسی طرح غالب ہے اس کا کچھ نہیں بگڑا' اقبال اسی غلط سوچ پر نوحہ کناں ہیں:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس فکری تغیر کے نتیجے میں تعلیمی درسگاہوں سے پھوٹنے والے علم کے سوتے تنقیدی' توجیہی اور تجزیاتی و تحلیلی علم پر مشتمل تھے' علم کے باب میں تخلیق کا عمل رک گیا اور زندگی مسلسل ارتقاء پذیر رہی اب زندگی تین صدیوں کی مسافت طے کر کے بہت آگے نکل گئی مگر علم میں ارتقاء اس تناسب سے نہ ہوا بلکہ جمود کی نذر ہو گیا زندگی کے مسائل انیسویں اور بیسویں صدی کے تھے اور ان کا حل جس مطالعے' علم اور تحقیق کی روشنی میں ڈھونڈا جا رہا تھا پندرہویں اور سولہویں صدی کا تھا جس سے زندگی اور علم کا توازن بگڑ گیا۔ مسائل زندگی سے تنگ آ کر افراد قوم نے علم کے باب پر جب یوں دستک دی:

زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں
اے میرے ہمدم مجھے اب تھام لے

تو علم تھامنے کے قابل نہیں تھا۔ علماء' محققین اور خدمت دین کا کام سرانجام دینے والے اسلاف کے کام پر ہی اکتفا کرنے لگے وہ ظاہراً و قولاً علم میں ارتقاء

کے قائل رہے مگر تحقیقات کی روشنی میں زندگی کے موجود مسائل کا حل تلاش کرنے پر عملاً پابندی لگادی گئی۔ اللہ تبارک و تعالی کائنات اور تخلیق کائنات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ — وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے (۳۵:۱)

کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اس کے بارے میں عملی و فکری آگاہی کی جدوجہد انسان کی تخلیق، اللہ خالق ہو کر اپنی تخلیق کو نامکمل سمجھتا ہے اور اس میں ارتقاء جاری رکھے ہوئے ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

مگر آج مسلم معاشرے کا زوال زدہ فرد اپنی تخلیق کو مکمل سمجھ بیٹھا ہے اور اس میں ارتقاء کو حرام سمجھتا ہے اور اس میں اضافے کا قطعی قائل نہیں اور اگر کوئی نئی بات کرے تو اس پر فتوے لگادیتا ہے یہ ظلم ہے اور خدائی منصب سے بھی آگے بڑھنے کی بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کا سبب بے شک اسلام پر عمل نہ کرنا ہے مگر عمل یقین کے ناپید ہونے کی وجہ سے چھوٹا اور یقین نتائج کے مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہوا اور نتائج پیدا ہونا دو موثرات کی وجہ سے بند ہوئے۔ ایک سیاسی

مغلوبیت اور دوسرا فکری تغیرات چونکہ موجودہ باب اسلام کے سیاسی عروج وزوال کی بحث سے متعلق ہے لہذا اس میں اسلام کے سیاسی غلبے کی اہمیت وناگزیریت پر بحث کی گئی ہے کہ یہ نکتہ الم نشرح ہو سکے کہ سیاسی غلبہ اور اقتدار حاصل کئے بغیر معاشرے سے کلی طور پر غیر عادلانہ نظام اور تمام غیر فطری نظام کا خاتمہ ناممکن ہے جبکہ آئندہ ابواب میں فکری تغیرات پر بحث ہو گی۔

اس باب میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ امت مسلمہ اپنی دینی ودنیوی' قومی وملی اور تہذیبی وثقافتی تشخص کو قوت نافذہ کے بغیر قائم نہیں رکھ سکتی اور ساتھ ہی اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ سیاسی وسماجی انقلاب اس وقت تک رونما نہیں ہو سکتا جب تک علمی وفکری انقلاب بپانہ کیا جائے کیونکہ قوت واقتدار کا حصول کوئی انقلاب نہیں' ظاہراً حکومت کو بدل دینا اور باطل نظام کو بیخ وبن سے نہ اکھاڑنا' آئمہ کفر کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا اور شیطانی وطاغوتی نظریات سے افراد ومعاشرے کی لوح دماغ کو پاک نہ کرنا اسلامی انقلاب کا مطمع نظر نہیں ہے بلکہ انقلاب ذہنی وفکری تبدیلی کا نام ہے گویا سیاسی وسماجی انقلاب کے لئے فکری ونظریاتی انقلاب ناگزیر ہے لہذا اس دور میں فکری انقلاب بپا کرنے کے لئے اسلام کے فکری تصورات میں پیدا شدہ تغیرات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

جب سے ملت اسلامیہ پر ہمہ گیر زوال کے دور کا آغاز ہوا' طاغوتی واستعماری طاقتوں نے اسلام کے بنیادی تصورات میں سات قسم کے تغیرات پیدا کئے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ سیاسی فکر میں تغیر

۲۔ معاشی واقتصادی فکر میں تغیر

۳۔ فقہی و قانونی فکر میں تغیر

۴۔ عمرانی و سماجی فکر میں تغیر

۵۔ تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر

۶۔ دینی و مذہبی فکر میں تغیر

۷۔ تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر

آئندہ ابواب میں ان تغیرات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

حواشی

(باب دوم)

ا۔ جسکا اعتراف اغیار نے بھی کیا ملاحظہ ہوں:

a. The legacy of Islam: Sir Thomas.W.Arnold

b. Islamic Culture: E. Rosenthal

c. Studies in the History of Medical Sc: C.H. Haskins.

d. A History of historical writtings: H.E. Barnes

e. History of the Arabs: Prof Philip K. Hitti

f. An introduction to the History of science: George Sorton.

g. The Making of Humanity: Briffault.

h. A History of Islamic Spain: W.M. Watt & Cachina

i. Muhammad the Educator: Robert Gulick L. Junior.

j. The Political Language of Islam: Bernard Lewis

k۔ تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات: ابوالحسن ندوی

اور دیگر کئی کتب تاریخ جن کا تذکرہ طوالت کے باعث نہیں کیا گیا۔

۲۔ ان چھ ادوار کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ دور رسالت مآب ﷺ

۲۔ دور خلافت راشدہ

۳۔ دور ملوکیت معاہدہ عمرانی کے ساتھ

۴۔ دور ملوکیت معاہدہ عمرانی کے بغیر

۵۔ ترکان عثمانی کی خلافت کے خاتمہ کے بعد کا دور

۶۔ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے بعد کا دور

۳۔ ان کا اسم گرامی شیخ جمال الدینؒ تھا۔

۴۔ جس کے شکوہ اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اغیار بھی اسے Suleman the Magnificient کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرانس کے شہنشاہ فرانسس اول کو اس کا لکھا گیا ایک خط جسے فلپ کے ہٹی نے ہسٹری آف دی عرب میں نقل کیا ہے اس کے شکوہ و عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔

"I who am the Sultan of Sultans, the sovereign of sovereigns, the dispenser of crowns to the monarches on the face of the earth, the shadow of God on earth. The Sultan and sovereign lord of the White Sea, of the Black Sea, of Rumelia

and of Anatolia of Karamania, of the land of Rum, of Zulkadria, of Diarbekia, of Kurdistan, of Azerbaijan, of Persia, of Damascus, of Aleppo, of Cairo, of Mecca, of Madina, of Jerusalem, of all Arabia, of Yemen, and of many other land which may noble forefathers and my glorious ancestors (may God light up their tombs) conquered by the force of their arms and which my August Majesty has made subject to my flaming sword and victorious blade, I sultan Suleman Khan son of Sultan Salim Khan son of Sultan Bayazid Khan to thee, who art Farncis, King of the land of France."

(History of the Arabs: Philip K. Hitti)

مغرب سامراج کی یہ سازشیں آج بھی اسی طرح جاری ہیں جس ۱۳
طرح ماضی میں تھیں مقصود ان کا عالم اسلام کو بے دست وپا کر کے
مستقل غلامی کی حالت میں رکھنا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:
نیوورلڈ آرڈر اور عالم اسلام: ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۵۔ یقین اقبال کا خاص موضوع اور ان کی فکر کا عنصر ترکیبی ہے۔ اپنے کلام میں جا بجا یقین کی اہمیت کو علامہ نے اجاگر کیا ہے مگر خطبات میں علامہ کا نقل کردہ فارسی شاعر عرفی کا یہ شعر علامہ کے نزدیک یقین کی اہمیت کو مزید واضح کر دیتا ہے۔

ز نقص تشنہ لبی داں و بعقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوہ سراب نخورد

(خطبات اقبالؒ)

۶۔ جو تھا نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(اقبالؒ)

۷۔ بقول ہیگل آئیڈیل کی تعریف یہ ہے کہ:

"Ideal is a thing which is ever within reach but never within reach."

۸۔ دیگر مقامات: ۹:۳۳، ۴۸:۲۸، ۶۱:۹

۹۔ دیگر مقام: ۲:۱۹۳

۱۰۔ گویا غایت شریعت معاشرے کو خوف و غم سے نجات دلانا ہے چاہے یہ ظاہری ہو یا باطنی و اخروی۔

دنیاوی و ظاہری خوف و غم سے نجات: (۲:۳۸)

آخری و باطنی خوف و غم سے نجات: (۲۰:۱۲۳)

۱۱۔ ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحۃ انا موقنونO

(۱۲:۳۲)

دیگر مقامات: ۲:۱۶۷، ۲۶:۱۰۲، ۳۹:۵۸

۱۲۔ مغربی مستشرقین مثلاًVon Kermerاور Goldziherوغیرہ اور اس قبیل کے دیگر مستشرقین جنہوں نے تعصب و عناد کی وجہ سے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کیں۔

۱۳۔ **ان الظن لا یغنی من الحق شیاء (۵۳:۲۸)**

۱۴۔ جس طرح آقا ﷺ کا مقام تمام انبیاء و رسل ؑ میں بے مثال ہے آپ کو معراج النبی ﷺ کی شکل میں مشاہدہ بھی بے مثال کروایا گیا۱۲۔

۱۵۔ دیگر مقامات: ۴۸:۲۸، ۶۱:۹

۱۶۔ **کما قال اللہ تعالیٰ فما امن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علی خوف الخ (۱۰:۸۳)**

۱۷۔ کیونکہ سیاسی طور پر حق کے غلبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے حدود اللہ اور شعائر اللہ پامال ہونگے۔ جس طرح ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں چند سال بیشتر بابری مسجد کا انہدام اور مقبوضہ کشمیر میں درگاہ حضرت بل و درگاہ چرار شریف کی بے حرمتی وانہدام کے سانحے پیش آئے۔

باب سوم

الذین ان مکنهم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوة وامروا
بالمعروف. ونهوا عن المنکر وللہ عاقبة الامور. (۲۲:۴۱)

سیاسی فکر میں تغیر

اسلام کا سیاسی فکر ادیان باطلہ پر دین حق کے سیاسی غلبے سے عبارت ہے' اللہ تعالیٰ نے قران پاک میں اور پیغمبر انقلاب علیہ السلام نے اپنے اسوہ مبارکہ میں ملت اسلامیہ کو جو سیاسی فکر دیا وہ یہ ہے کہ:

"امت مسلمہ سیاسی غلبے کے بغیر اپنا کھویا ہوا دینی' علمی' قومی' اسلامی' تہذیبی و ثقافتی اور اخلاقی و روحانی تشخص نہ بحال کر سکتی ہے اور نہ ہی حاصل شدہ تشخص کو بر قرار رکھ سکتی ہے۔"

یعنی معمول بہ دین کے تینوں گوشوں کی افادیت اور نتیجہ خیزی کا انحصار سیاسی غلبے پر ہے۔ معمول بہ دین کے تینوں گوشوں کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:۔

شریعت

معمول بہ دین کا یہ گوشہ دراصل ایسا جامع و مانع فقہی نظام ہے جو انسان کی انفرادی واجتماعی اور قومی و بین الاقوامی زندگی کے ہر شعبے کے لئے تفصیلی ضابطہ حیات مہیا کرتا ہے۔ اس کے ماخذ قرآن' سنت' اجماع اور قیاس ہیں۔ انہی مصادر کے حوالے سے نظام شریعت' عبادات' مناکحات' عقوبات و تعزیرات' معاشیات' سیاسیات' احکام سیر اور بین الاقوامی تعلقات الغرض حیات انسانی کے ہر دائرے میں اعلیٰ اقدار اور پسندیدہ فضائل قائم رکھنے کے لئے مکمل ہدایت فراہم کرتا ہے۔

طریقت

عقیدہ و عمل کو قال اور جوارح سے خالی بنا کر دل پر وارد کرنے کا نظام

طریقت کہلاتا ہے یہ انسان کے جوارح ظاہری کے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے اور قلب و باطن کو ان سے فیض یاب کرنے کا ایسا صوفیانہ طریقہ ہے کہ جس کو موجودہ دور میں بنیادی سطح پر قادری، نقشبندی، سہروردی اور چشتی جیسے سلاسل طریقت زندہ کئے ہوئے ہیں۔

عقائد و مسالک

یہ ایسے بنیادی مسلمات اور افکار کا نظام ہے جن سے اعمال وجود میں آتے ہیں اور قوم و ملت کا اجتماعی مزاج تشکیل پاتا ہے امت مسلمہ میں ہر دور میں مختلف مسالک موجود رہے اور اب بھی ہیں مثلاً خارجی، رافضی، مرجیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، اہل سنت، اہل تشیع اور اہل حدیث وغیرہ۔ موجودہ دور میں ان مسالک میں سے بعض نسبتوں کی حوالے سے تقسیم کیئے گئے ہے۔ جو فی نفسہ کسی نئے مسلک کی بنیاد نہیں مثلاً بریلوی، دیوبندی، چکڑالوی اور اہل قرآن وغیرہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور یہ معمول بہ دین کا ایک گوشہ ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ تینوں گوشوں کے انفرادی سطح پر اثرات تسلسل کے ساتھ اگرچہ قائم رہتے ہیں مگر قومی و معاشرتی تاثیر اور نتیجہ خیزی سیاسی غلبے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ نے دینی تشخص کی بحالی و بقاء، معمول بہ دین کے جملہ گوشوں کے نفاذ و موثریت اور صالح معاشرتی اقدار کی حیات وارتقاء کو قوت نافذہ کے حصول کے ساتھ متعلق کیا ہے۔

دور زوال میں جب امت مسلمہ کی حیات اجتماعی تغیرات سے دوچار ہوئی اور اس کے بنیادی تصورات میں مذکورہ بالا تغیرات پیدا ہوئے تو سیاسی فکر میں مندرجہ ذیل سطحوں پر تبدیلیاں آئیں۔

۱۔ فکری سطح پر تغیرات

۲۔ علمی سطح پر تغیرات

۳۔ عملی سطح پر تغیرات

۱۔ فکری سطح پر سیاسی فکر میں تغیرات

فکری سطح پر امت مسلمہ کی فکر ان تصورات کی خوگر ہو گئی کہ

(ا) اب دوبارہ ایک زندہ قوم اور امت کے طور پر امت مسلمہ اپنا سیاسی غلبہ بحال نہیں کر سکے گی کہ جس کے نتیجے میں اس کی عالمی شناخت (International Identity) بحال ہو سکے کیونکہ اپنا دور عروج دیکھنے کے بعد معاذ اللہ امت مسلمہ اب دائمی زوال سے دوچار ہو چکی ہے۔

(ب) قرآن اور اسلام میں (معاذ اللہ) اسی دنیا میں حق و باطل کے معرکے میں حق کے غلبے و فتح کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہمارا کام جدوجہد کرنا اور جہاد کے طور پر اپنی جنگ جاری رکھنا ہے کامیابی و ناکامی ایک اتفاقی امر ہے۔ اور اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے معروضی نتائج کے اعتبار سے اس دنیا میں کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں۔ قرآن پاک نے کامیابی کے حوالے سے جو وعدے بیان کئے ہیں وہ یا تو دور نبوت ﷺ کے حوالے سے تھے یا دور آخرت سے متعلق ہیں ان سے آج کوئی اصول اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

(ج) دنیا میں معروضی نتائج کے حاصل نہ ہونے اور اس کی الوھی اور ربانی ضمانت کے موجود نہ ہونے کے اصول کو صرف انبیاء سے ہی اخذ کیا جانے لگا اور بعض مفکرین نے بزعم خود اس امر کو سمجھنا شروع کر دیا کہ کئی انبیاء بھی اس دنیا میں ایسے آئے جو اپنی جدوجہد کے اعتبار سے اس دنیا میں کامیاب نہیں ہوئے۔ (معاذ اللہ) [1]

سیاسی غلبہ قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن وسنت کی روشنی میں اسلام کے سیاسی غلبہ کی کیا اہمیت ہے اور ادیان باطلہ کے مقابل اس سیاسی غلبہ کو زماں و مکاں سے وراء کیا ابدی ودائمی مقام حاصل ہے اس کے لئے قرآن حکیم کی درج ذیل آیتیں وضاحت پیش کرتی ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ ؎

(۳۳،۳۲:۹)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی آنکھوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں ایک تو یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ کے نور سے کیا مراد ہے؟ اس جگہ اللہ کے نور سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کریمہ بھی مراد لی جائے تو مفہوم وہی نکلتا ہے یعنی اسلام یں مرکز و محور چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اسلام کا وجود پیغمبر اسلام کی رسالت کے ساتھ قائم ہے حضور ﷺ نے ہی اسلام کو غالب کرنا تھا لہذا وہ لوگ آپ ﷺ کو اذیتیں دیتے رہے معاذاللہ لالچ دیتے اور راہ استقامت سے ہٹانے کی اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ

وہ آپ کو شہید کرنے کے درپے ہوئے وہ مقصد یہ رکھتے تھے کہ اسلام کے چراغ کو گل کردیں تحریک دب جائے اور منزل و مقصود یعنی اسلام کا سیاسی غلبہ حاصل نہ ہو نور اللہ سے مراد حضور نبی کریم ﷺ بھی ہوں تو غایت اولیٰ آپ کی وساطت سے سیاسی غلبے کا حصول ہی رہتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں دوسری اہم بات جس کا یقین ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ کفار کے نور حق کو بجھانے (اطفاء نور حق) سے کیا مراد ہے؟

کیا کفار یہ چاہتے ہیں کہ جبرائیل امین کا حضور ﷺ پر وحی لے کر آنا بند ہو جائے؟ کیا ان کا مقصود یہ تھا کہ رب تعالیٰ کے پیغامات واحکامات حضور ﷺ تک نہ پہنچنے پائیں؟ کیا ان کا ارادہ یہ تھا کہ پیغمبر انقلاب سے جاری ہونے والی حلال و حرام' اوامر و نواہی اور معروف منکر کی تفصیلات جاری نہ ہوں؟ کیا اطفاء نور حق سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات پایہ تکمیل کو نہ پہنچیں؟ کیا وہ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت لکم نعمتی** کے حکم کو نازل نہیں ہونے دینا چاہتے تھے؟ کیا معرکہ بدر و حنین اسی لئے بپا ہوا تھا؟ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر یہ وہ سب کچھ کرنا چاہتے تھے تو ہرگز نہیں کر سکتے تھے کہ یہ تو ان کی بساط سے ہی باہر تھا۔ ان کی ساری کاوشوں اور کھڑی کی گئی رکاوٹوں کا یہ مقصد ہرگز یہ نہ تھا۔ اطفاء نور حق سے ان کی مراد یہ تھی کہ اسلام سیاسی قوت نہ بننے پائے۔ اسلام کو محض دینی اور مذہبی قوت ماننے کے لئے تو وہ تیار تھے مگر کرسی اقتدار کو اسلام کی ہاتھ نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ حلال و حرام کی تفصیلات بے شک اترتی رہیں۔ اوامر و نواہی کی جملہ تفصیلات قابل قبول تھیں حج کا طریقہ مسلمان جو چاہیں اپنائیں مناکحات کے معاملات میں انہیں ہر طرح کی آزادی دی جا سکتی ہے مسلمانوں کی نماز اس کے معینہ اوقات اور اس کے مقام

(مسجد) پر ادا کی جائے اس پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہ تھا وہ قوانین وراثت پر قطعاً معترض نہ تھے وہ اپنے سیاسی اقتدار کی موجودگی میں حدود تعزیرات کے نظام کو محض مسلمانوں پر نافذ کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے ہاتھ کٹیں گے ' بیچارے مسلمانوں کے 'کوڑے لگیں گے مسلمانوں کی پشتوں پر 'اس پر انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟

ثابت ہوا کہ اطفاء نور حق سے ان کا مطلب یہ تھا کہ سیاسی غلبہ و اقتدار ان کے ہاتھ میں نہ رہے۔ معاشرے کی سیاسی و معاشی چودھراہٹ انہیں کے ہاتھ میں رہے باقی رہے معاملات حیات' ان میں مسلمان آزاد ہیں مگر مسلمان اگر باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو کرتے تو یہ بڑا حسین فریب ہوتا وہ چاہتے تھے کہ اسلام ضرور ان کے ساتھ رہے' مگر محکوم بن کر' غلام اسلام انہیں قبول تھا مگر قائم اور غالب اسلام نہیں قطعاً قبول نہ تھا انہوں نے اپنی سرداریوں اور اقتدار کو خطرے میں دیکھ کر مخالفتوں کی انتہا کر دی انہوں نے دیکھا کہ نبوت کے ذریعے بنو ہاشم کا ایک نوجوان پورے عرب اور پوری دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی بات کرتا ہے وہ ہمارے غلبہ و اقتدار اور شرف چھین کر بنو ہاشم میں منتقل کرنا چاہتا ہے اس حسد نے ان کا اندر جلا دیا ان کے حواس و عقل کے کام کرنے کی قوت کو مفلوج کر دیا اور انہیں ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ کا لبادہ پہنا دیا سردار مکہ ابو جہل کا یہ قول اس پر شاہد ناطق ہے۔

قال المسور بن محرمہ قلت لا بی جھل و کان خالی. یا خال ھل کنتم تتھمون محمد

"مسور بن محرمہ کرتے ہیں کہ میں نے ابو جہل جو کہ میرا ماموں تھا سے کہا اے ماموں کیا آپ لوگ (حضور

یکذب قبل ان یقول مقالته فقال واللہ یا ابن اختی لقد کان محمدا و ھو شاب یسعی فینا الامین فلما و خطه الشیب لم یکن لیکذب، قلت یا خال فلم لا یتبعون فقال یا ابن اختی تنازعنا نحن و بنو ھاشم الشرف.

نبی کریم) محمد کے دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹا کہتے تھے؟ ابو جہل نے کہا خدا کی قسم اے میرے بھانجے! محمد ایسا نوجوان تھا جو ہمارے درمیان امین کہلاتا تھا مگر جب اس کے کچھ بال سفید ہو گئے اس وقت بھی جھٹلایا نہیں جاتا تھا میں نے کہا پھر آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ اس نے کہا بھانجے! ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان شرف کا جھگڑا ہے۔"

یہاں تو ساری لڑائی شرف واقتدار او جاہ و منصب کی تھی بنو ہاشم میں ایسے نبی کا ظہور جس کا فرض منصبی غلبہ دین حق اور عالمی سطح پر سیاسی قوت کا حصول تھا' نے ابو جہل وغیرہ کی سرداریاں خطرے میں ڈال دی تھیں سو مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے مصائب و آلام کی چکیوں میں پیسا جاتا رہا اگر معاذ اللہ حضور ﷺ فرماتے:۔

ابو جہل سرداری اور شرف تمہارا قائم رہے گا اس کو کوئی خطرہ نہیں مجھے تو نبوت محض سجدے سجود کے لئے ملی ہے نمازیں پڑھنے' اور تمہیں معاذ اللہ زکوۃ اکٹھی کر کے دینے کے لئے ملی ہے اس پر ابو جہل کو کوئی اعتراض ہو سکتا تھا؟ قطعاً نہیں معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ ان کی آنکھوں پر حسد کی پٹی بندھی ہی اس لئے تھی کہ اقتدار چھن کر مصطفےٰ ﷺ کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا وہ دیکھ رہے تھے۔

اگر ہم نے مندرجہ بالا آیات کریمہ (۹:۳۲'۳۳) پر غور کریں تو اسلام کے

سیاسی فکر کے حوالے سے درج ذیل بنیادی نکات سامنے آتے ہیں:۔

i۔سیاسی غلبے کا تصور(Sense of Political Dominance)

آیۃ ۹:۳۲ سے یہ حقیقت ھویدا ہے کہ طاغوتی قوت کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام کی قوت کو کچل دیا جائے۔اسلام کو سیاسی اعتبار سے شکست دی جائے تاکہ یہ غالب قوت نہ بن سکے یعنی یہاں دو متضاد ارادے بر سر پیکار ہیں:۔

ا۔باطل کا ارادہ اطفاء نور حق یعنی حق کے سیاسی غلبے کی نفی

۲۔اللہ کا ارادہ اتمام نور حق یعنی اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنا۔

ارادوں کا شعور حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور یہ آیت کریمہ حق اور باطل دونوں کے ارادوں کا شعور عطا کرتی ہے ارادہ باطل یہ ہے کہ اسلام محکوم رہے کفر یہ نہیں چاہتا کہ دین کی تعلیمات ختم ہو جائیں مذہب کا نام و نشان مٹ جائے وعظ تبلیغ رک جائے اور لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنا چھوڑ دیں وہ دین کی قوت کو مٹانا چاہتا ہے اس کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام رہے مگر محکوم بن کر اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام ایک غالب سیاسی قوت بن کر رہے اس سیاسی غلبے کا تصور یہ آیہ کریمہ دیتی ہے۔

ii۔فتح وکامیابی کا غیر متزلزل یقین(Confidence of Victory)

اس آیہ کریمہ میں اہل حق کو فتح کی کامیابی کا غیر متزلزل یقین اور خود اعتمادی دی جارہی ہے فرمایا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں کیونکہ کفر و طاغوت کی تمام تر مجتمع قوتوں ' طاقتوں 'گھوڑوں ' تلواروں ' سواریوں ' آلات حرب وضرب وغیرہ جن میں موجودہ دور کے ٹینک 'میزائل 'راکٹ 'بم 'جہاز توپیں 'الغرض ہر قسم کا سامان جنگ شامل ہیں کو صرف ''افواہ'' یعنی پھونکوں سے تعبیر کیا گیا ہے اتنی خود اعتمادی اور غیر متزلزل یقین دیا جارہا ہے کہ مسلمانوں اگر باطل کی

ساری کاوشیں تمہیں مٹانے کے لئے طوفانوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں ان کا ظاہری ساز و سامان تلاطم خیز سمندر کی طرح بھپری ہوئی دیو ہیکل موجوں کی صورت میں تمہیں دبانے کے لئے تمہاری طرف بڑھے تو انہیں پھونک سے زیادہ حیثیت ہی نہ دو۔ باطل' طاغوتی' سامراجی' استحصالی طاقتوں کے تمام تر ذرائع تمہارے ماتھے پر پسینہ نہ لائیں۔ گھبراہٹ پیدا نہ کریں بے یقینی اور مایوسی تو دور کی بات ہے پریشانی کو بھی قریب سے نہ گزرنے دیں یہ آلات حرب اور قوت پھونک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یقین کو مزید پختگی عطا کرتے ہوئے فرمایا" یا ب اللہ ان یتم نورہ" یعنی اللہ کا انکار فرماتا ہے مگر یہ کہ اپنے نور کو مکمل فرمادے سب شیاطین اپنے متبعین کے ساتھ مل کر جو چاہیں کرلیں اللہ کو یہ گوارا ہی نہیں کہ اس کا نور بجھ جائے اور اسلام سیاسی قوت نہ بن سکے وہ ہر حال میں اپنے نور کا اتمام اور اپنے دین کا اکمال کرے گا۔

فرمایا:۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (۵:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کرلیا۔

پھر ارشاد فرمایا:۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (۳:۵)

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہوگئے (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔

مایوسی و بے یقینی کفر کا مقدر تھی وہ اس کو مل گئی آج کے بعد کفر کی طاقت سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے 'اللہ سے ڈرو' مندرجہ بالا آیت میں واضح کیا گیا کہ مایوسی کفر کا مقدر ہے اور اس کو مل کر رہے گی۔ اتمام واکمال دین حق کا مقدر ہے جو ہر حال میں اس کو نصیب ہوتا ہے۔

لمحہ فکریہ

"الیوم" کے ذریعے جب باری تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مایوسی کفر کا مقدر ہے اور اکمال و اتمام اسلام کا تو کیا "الیوم" صرف عہد رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے اگر عہد رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے تو نبوت مصطفوی ﷺ کے قیامت تک ہونے کے کیا معنی؟ اور قرآنی تعلیمات کے ابدی ہونے کا کیا مفہوم ہوگا؟ اور اگر ہر دور میں یوم "الیوم" (کفر کی مایوسی اور حق کے غلبہ کا دن) ہے تو آج صورت حال مختلف کیوں ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے آج ہر یوم "الیوم" اس لئے نہیں رہا کہ مسلم میدان کارزار میں خود اعتمادی اور فتح کے یقین کے ساتھ سراپا عمل و یقین ہو جاتا اگر "الیوم" کا تقاضا پورا کیا جائے کفر کی تمام وتوں کو پھونک تصور کیا جائے اور اپنی کامیابی کا غیر متزلزل یقین ہو تو ہر سورج "الیوم ینس الذین کفروا من دینکم" کے مژدہ جانفزاء کے ساتھ طلوع ہوگا۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الامین پیدا
(اقبالؒ)

اسی نوعیت کے مفہوم کو یہ آیت بھی کمال صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ. لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَO

(۸:۷،۸)

اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرمادے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتحیابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے تاکہ (معرکہ بدر اس عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کردے اور باطل کو باطل کردے اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

گویا رب ذوالجلال کا ارادہ ایک ہے (غلبہ دین حق کے حوالے سے) وہ نہ بدلا ہے نہ بدلے گا سابقہ آیات میں بھی اس کا اظہار تھا اور ان میں بھی اسی کا بیان ہے البتہ ہم بدل گئے ہیں ہماری سوچ بدل گئی ہے ہمارا فکر اور یقین بدل گیا ہے وہ تو اپنے کلمات کے ذریعے حق کو حق ثابت کرنا چاہتا ہے اور اپنے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم مصمم کرتا ہے اس کا اعلان ”**ویقطع دابر الکافرین**“ ظاہر کرتا ہے کہ وہ باطل

کی سیاسی قوت اور شان و شوکت کو مسمار کرنا چاہتا ہے' تباہ و برباد اور ملیامیٹ کرنا چاہتا ہے اور جڑوں سے کاٹنے کا مفہوم اس طرح قلع قمع کرنا ہے کہ پھر آسانی سے نہ ابھر سکیں شکست خوردہ ہو جائیں جب یہ ہو گا تو حق حق ثابت ہو جائے گا۔ اور باطل کا بطلان متحقق ہو جائے گا۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ قرآن احقاق حق اور ابطال باطل کی پہچان معروضی نتائج کے اعتبار سے حق کے غلبے اور باطل کے شکست کو قرار دیتا ہے اور ہم نے احقاق حق اور ابطال باطل سے فقط علمی استدلال تک محدود کر دیا ہے قرآن کی اس آیہ کریمہ میں احقاق حق کا لازمی نتیجہ "انقطاع دابر الکافرین" ہے اور یہی ابطال باطل ہے گویا یہاں علمی طریق پر احقاق حق اور ابطال باطل کی بات نہیں ہو رہی۔ وہ بھی بلاشبہ اس کا ایک رخ ہے مگر ہم نے اس سارے مفہوم کو علمی واستدلالی میدان تک ہی محدود کر دیا ہے جو "انقطاع دابر الکافرین" کے زندہ جاندار اور عملی مفہوم کی نفی کے مترادف ہے' کہ قرآن حق و باطل کے معرکے میں معروضی نتائج کی بنیاد پر احقاق حق وابطال باطل کو بیان کرتا ہے۔

iii۔ دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید جس غیر متزلزل کامیابی کا یقین عطا کر رہا ہے کیا وہ محض آخرت میں جنت کے حصول اور اجر و ثواب کے مل جانے سے عبارت ہے یا اس دنیا میں باطل کو شکست دے کر حق کو سیاسی طور پر غالب کرنے پر موقوف ہے۔ اگر تو اس کامیابی کو بھی آخرت کی کامیابی میں محصور کر دیا تو پھر اس فکر پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن مجید تو دو گروہوں (حق و باطل) کو میدان جنگ میں آمنے سامنے کھڑا کر کے ان کی باہمی آویزش کی بات کرتا ہے اور پھر باطل

کے ارادہ "اطفاء نور حق" اور حق کے "اتمام نور حق" کو بیان کر کے اس دنیا میں بھی حق کو غالب کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے اگر اس معرکے کا نتیجہ فقط قیامت ہی کے دن اہل حق کی سرخروئی کی شکل میں ظاہر ہونا ہے تو دنیا کے حساب و کتاب اور خصوصاً دنیا میں احقاق اور ابطال باطل کی کیا صورت ہوگی؟ قیامت کو تو کافر بھی اقرار حق کرتے ہوئے "یلیتنی کنت ترابا" کہے گا لیکن اس دنیا میں قطع دابر الکافرین سے کیا مراد ہے؟ آخرت کی جزاو سزا کا موضوع اپنی جگہ بجا سہی مگر ہم نے اخروی کامیابی کی آیات کو اور اس دنیا میں بپا ہونے والے معرکہ حق و باطل کے نتیجہ میں حق کی اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت مہیا کرنے والی آیات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے تو کامیابی کا مفہوم فقط آخرت کی کامیابی کو سمجھ لیا ہے اور اس دنیا میں حق و باطل کا معرکہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ فقط سیاسی جنگ ہے، فتح و شکست ہوتی رہتی ہے۔ اس کا تعلق حق و باطل کی پہچان سے کیا ہوا؟ یہ تو سیاسی جماعتوں کے سیاسی معاملات اور پروگراموں کی جنگ ہے۔ اس میں کسی کی فتح و شکست کا اس کے حق ہونے یا باطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں اسی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس دنیا میں حق اور اہل حق کی فتح کا تصور دفن کر دیا ہے اور اسے فقط آخرت میں محصور کر دیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں آخرت کی کامیابی کی دلیل بھی اس دنیا ہی کی کامیابی کو قرار دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ	ان سے قبل نوح کی قوم جھٹلا چکی ہے
وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَ هَمَّتْ	اور ان کے بعد اور امتیں بھی اور ہر
كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ	امت اپنے پیغمبر کو پکڑنے (یا ان کو
جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ	قتل کرنے) پر تل گئی اور ناحق کے

الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ○

(۶،۵:۴۰)

جھگڑے نکالے تاکہ (دین) حق کو ناکام بنادیں بالآخر میں نے ان کی گرفت کی پھر (دیکھ تو کہ) ہماری سزا کیسی ہوئی ان کو کیسے تباہ و برباد کیا گیا ان کے عالی شان محلوں کے کھنڈرات لوگوں کو درس عبرت دے رہے ہیں "اور اسی طرح آپ کے رب کی بات کافروں پر ثابت ہوچکی کہ وہ دوزخی ہیں"

گزشتہ انبیاء کا ذکر کر کے بتلایا جارہا ہے کہ پہلے نوح علیہ السلام کی امت انہیں جھٹلا چکی ہے اور ان کے بعد دیگر امم نے بھی انبیاء کی تکذیب میں انہیں جیسا کردار ادا کیا اس مقام پر انبیاء کرام علیہم السلام جو حق لے کر آئے اور ان کی امتوں جو کہ باطل کی علمبردار تھیں کے درمیان معرکوں کا ذکر ہے اور قرآن بتارہا ہے کہ ہر گمراہ قوم نے اپنی طرف آنے والے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے پکڑلیں اس سے جھگڑا کریں اسے شکست دیں انہوں نے حق کو ناکام بنانے کیلئے اس سے ٹکر بھی لی مگر ہوا کیا؟ بجائے اس کے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور اس دنیا میں انہیں عبرت ناک سزا دی۔

باری تعالیٰ استفہامیہ انداز میں پوچھ کر حق کی کامیابی کی پختہ ضمانت فراہم کر رہے ہیں سوال کیا جارہا ہے "فکیف کان عقاب" وہ جو حق کے ختم کرنے کے درپے تھے میں نے انہیں گرفت میں لے کر شکست دی بولو! میری سزا کیسی تھی؟ اس جگہ

عقاب سے مراد دنیوی سزا ہے وہ جو پتھر کے عذاب آئے' پانی کے سیلاب آئے' چہرے مسخ ہو کر سور اور بندر بن گئے اور نسلیں تباہ ہو گئیں کیا یہ سب کچھ اسی دنیا میں نہیں ہوا؟ آخرت کی بات ہوتی تو عقاب کی جگہ عذاب ہوتا۔ کہ رب ذوالجلال نے منکرین حق کو اسی دنیا میں تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیا۔ ان کے عالی شان محلات کو کھنڈرات میں بدل دیا اور انہیں آنے والی نسلوں کے لئے درس عبرت بنا دیا یہاں انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے احوال بیان کر کے ایک ضابطہ دیا جا رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ○	اور اسی طرح آپ کے رب کی بات کافروں پر ثابت ہو چکی کہ وہ دوزخی ہیں۔

(٦:٤٠)

کہ جس طرح اس دنیا میں معرکہ ہائے حق و باطل میں اہل باطل ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہو گا کہ وہ مرنے کے بعد بھی اہل نار ہوں گے یہاں دنیا کی ہزیمت کو آخرت کی ہزیمت اور دنیا کی فتح کو آخرت کی فتح قرار دیا جا رہا ہے قیامت کے روز بھی شکست و ہزیمت باطل کا ہی مقدر ہو گی۔ کذلک میں کاف تشبیہ ہے یعنی کفار کی آخرت کی ذلت و رسوائی کی بنیاد دنیوی ذلت و رسوائی کو بنایا جا رہا ہے اہل حق تو وہ اس دنیا میں جس طرح عزت و کامیابی سے ہمکنار ہوئے آخرت میں بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے رب ذوالجلال نے دنیا میں ابطال باطل کی نہ صرف ضمانت دی بلکہ اسے اخروی ابطال کی دلیل بھی بنایا۔ اہل حق کو کفر کا دنیا میں ہونے والا عقاب دکھا کر سمجھایا جا رہا ہے کہ جب دنیا میں باطل کی رسوائی کا مشاہدہ کر چکے ہو تو یقین کر لو آخرت میں بھی یہی ذلت ان کا مقدر ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (۷۲:۱۷)

''اور جو شخص اس (دنیا) میں (حق سے) اندھا رہا سو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ (نجات) سے بھٹکا رہے گا۔''

خالق کائنات تو دنیا کی کامیابی اور ناکامی کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کی دلیل بنا رہا ہے تو کیا دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت کے دعوے پر رب کی یہ دلیل کمزور ہے؟ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ قرآن مجید اس دنیا میں معروضی نتائج پیدا ہونے کی ضمانت دیتا ہے اور پیغمبر انقلابؐ نے مصطفوی انقلاب کے ذریعے وہ نتائج پیدا کر کے دکھائے ہیں۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۱۶۵:۴)

تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے

پیغمبرانہ جدوجہد کی تاریخ

قرآن حکیم نے پہلی امتوں کے احوال یعنی انبیاء کرامؑ اور اہل حق کی مسلسل کامیابیوں اور باطل و طاغوت کی پے در پے ناکامیوں کو بیان کیا ہے اس کا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ آپ ان کو فقط سن لیں اور معلومات حاصل کر لیں بعض نام نہاد مفکرین نے مختلف انبیاء کرامؑ کی واقعات بیان کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ظاہری نتائج کے اعتبار سے معاذ اللہ انبیاء کرام بھی ناکام رہے استغفر اللہ! کیا انبیاء کرامؑ کی پوری تاریخ ظاہری نتائج کے اعتبار سے ناکامی کی تاریخ ہے؟ کیا تاریخ انبیاء اور امم سابقہ کے احوال کی تفاصیل اس طرح بیان کر کے قرآن آقائے دوجہان ﷺ کی

تقویت کا سامان کر سکتا ہے حالانکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ○

(۱۱:۱۲۰)

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے سب حالات آپ کو سنا رہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلب (اطہر) کو تقویت دیتے ہیں اور آپ کے پاس اس (سورت) میں حق اور نصیحت آئی ہے اور اہل ایمان کیلئے عبرت (و یاد دہانی بھی)

حضور نبی کریم ﷺ کو حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ محبوب ﷺ ہم پہلے انبیاءؑ اور رسلؑ اور ان کی کرامتوں کے احوال و واقعات سناتے ہیں تو فقط اس لئے کہ آپ کا دل تقویت پائے ہم قاعدہ سمجھاتے ہیں کہ مشکلات عارضی ہیں تمام انبیاء کرامؑ کو ان کا سامنا کرنا پڑا اس دنیا میں ہی کامیابی اہل حق کی ہوگی۔ اہل حق ہی اس دنیا میں کامیاب ہوئے اور اہل باطل ذلیل و رسوا ہوئے جیسا کہ سابقہ انبیاءؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کی تاریخ سے واضح ہے۔ اگر انبیاء کرامؑ اور ان کی امتوں کی پوری تاریخ سے بلا استثناء یہی نتیجہ نکلے کہ اس دنیا میں فتح حق اور شکست باطل کا مقدر ہے تب تو اس تاریخ کا بیان آقا ﷺ کے قلب اطہر کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے اور اگر سابقہ امم کا بیان یہ نتیجہ دے کہ سابقہ انبیاء بھی اس دنیا میں معروضی نتائج حاصل نہ کر سکے وہ بھی معاذ اللہ ناکام رہے تو اس سے حضور نبی کریم ﷺ دل برداشتہ ہوں گے نہ کہ آپ کے قلب اطہر کو تقویت ملے گی لہذا انبیاء کی ناکامی کا قول کرنا باری تعالیٰ کی الوہیت' تاجدار کائنات کے منصب رسالت اور قرآن کی حقانیت پر الزام ہے جو ان نادان مفکرین نے

عائد کیا ہے جو اپنی ذاتی شکست اور ناکامی کی خفت اور ندامت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب یہ سارے وعدے جو ہم تم سے کر رہے ہیں تم سے پہلوں سے بھی کئے یہ شاعرانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور چشم فلک ان کے حقیقت ہونے کا نظارہ پہلے بھی کر چکی ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (۳۵:۵)	”اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے“
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ O (۵۶:۵)	اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں۔
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (۱۳۹:۳)	اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔
فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ O (۳۵:۴۷)	(یہ) دنیا کی زندگی تو محض کھیل و تماشہ ہے اور اگر تم (سرکار دو عالم کے باور پر) باور کرو اور (دنیا میں برائیوں سے) بچتے رہو تو وہ (یعنی اللہ) تم کو تمہارے (اعمال کا بہترین) اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا (بلکہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سے زیادہ تم کو یہاں بھی

دیدے گا)۔

"اللہ تمہارے ساتھ ہے" کیا خوب وعدہ ہے! فرمایا تمہاری کوششیں بے نتیجہ اور رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اور تمہارے اعمال اور کاوشوں کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ کامیابی تمہیں نصیب ہو گی غلبہ حق کے ان سارے وعدوں کے ساتھ یہ اعلان کر دیا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ O (۶۹:۳۶)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ یہ تو خالص نصیحت ہے، واضح (صاف) قرآن ہے (آخری کتاب آسمانی ہے)۔

قرآن مبین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے کوئی شاعری نہیں کی۔ ہم نے قرآن مجید اتارا ہے۔ شعراء تعلی کرتے ہیں۔ بڑھکیں مارتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ ہر وادی میں منہ مارتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے حقیقت بنا کر دکھائیں گے۔ اس لئے ہمارے رسولوں کی باتوں کو اور ہمارے وعدوں کو شاعرانہ تعلی مت سمجھنا۔ میرے محبوب ﷺ کا تو منصب ہی اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ شاعرانہ باتیں کرے۔ ہم نے تو اسے قرآن دیا ہے۔ تمام جہانوں کیلئے نصیحت دی ہے۔ دوٹوک اصول دیا ہے۔ واضح ضابطہ اور قطعی قاعدہ دیا ہے۔ اس کا مشاہدہ اسی دنیا میں کرواتے ہیں۔ پورے قرآن مجید سے خود اس دنیا میں کامیابی پر غیر متزلزل یقین (Confidence of Victory) حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس کا سائل ہو۔

قرآن کا غیر متزلزل یقین کے عطا کرنے کے اسلوب ہی کا ایک پہلو یہ ہے

کہ وہ اپنی بات کو چیلنج کی صورت میں بیان کرتا ہے۔

وَ يَاْ بَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○ (۳۲:۹)

اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔

جس طرح کوئی شخص کہے کہ میں تمہارے منصوبوں کو ناکام کروں گا اور اسے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دوں گا دوسرا جواباً کہے میں اپنا منصوبہ ضرور پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا اور اسے ضرور کامیاب کروں گا خواہ تمہیں میرا یہ عمل کتنا ہی ناگوار کیوں نہ محسوس ہو؟ اس طرح اس آیہ کریمہ میں قرآن باطل قوتوں کو چیلنج دے رہا ہے کہ تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگالو۔ اتمام نور اور اسلام کے سیاسی غلبے کا ہمارا منصوبہ پورا ہو کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور کا مکمل ہونا تمہیں چاہے ناپسند ہی کیوں نہ ہو؟ اگر یہ امر تمہیں ناگوار گزرتا ہے سو بار گزرے۔ خواہ تم اس کی راہ میں مزاحم ہو، سر ٹکراتے پھرو مرتے پھرو اور جو تم سے ہوتا ہے کر دیکھو۔ جو ہم نے کہہ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا اتمام نور حق ضرور بالضرور ہوگا۔ اور اسلام کو سیاسی غلبہ تمہاری رکاوٹوں، ناگواریوں کے باوجود یقیناً حاصل ہوگا۔

پھر اس چیلنج کو دہرایا:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ (۳۳:۹)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو برا

لگے۔

پھر سورہ انفال میں فرمایا:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَO (۸:۸)

اپنے کلام سے حق کو ثابت فرمادے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی جڑ کاٹ دے

باری تعالیٰ باطل کو مختلف انداز سے پکار کر چیلنج فرمارہا ہے۔ کبھی کافر کبھی مشرک کبھی مجرم کہہ کر۔ اور باطل قوتوں کو ابھارتا ہے کہ جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے کر کے دیکھ لو۔ غلبہ اور کامیابی حق کو ہی ملے گی اور ذلت ورسوائی' شکست و ھزیمت ہر حال میں تمہارا مقدر رہے گی۔

iv۔اہل حق کی پہچان(Identification of Righteous People)

مندرجہ بالا قرآنی حوالوں سے اسلام کے بیان فکر کا چوتھا نکتہ یہ معلوم ہوا کہ خوداعتمادی اور یقین اہل حق ہونے کی پہچان ہوتا ہے۔اہل حق وہی لوگ ہوں گے جن کو اپنی کامیابی اور فتح پر اتنا کامل یقین ہو کہ ڈٹ کر جرات کے ساتھ چیلنج کے انداز میں بات کریں گے۔ جیساکہ حق تعالیٰ بار بار چیلنج کے انداز میں بات کرتا ہے۔اگر متذبذب ہوگئے کہ نہ جانے کامیابی کس کی ہوگی تو اہل حق کے زمرے سے نکل گئے۔ اہل حق اور حزب اللہ وہی ہے جو غالب ہو کر رہے اور اسے حصول غلبہ سے پہلے اپنی فتح پر اتنا یقین اور اعتماد ہو کہ دشمن' طاغوت اور سامراجی طاقتیں اسے دیوانہ تصور کریں۔ کافر اس یقین کی کیفیت کو شاعرانہ تعلی سے تعبیر کریں اور استحصالی طاقتیں اسے محض

دیوانے کا خواب قرار دیں۔ تھے

آج صورت حال بالکل برعکس ہے۔ حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر بھروسے اور یقین کی بات کی جائے تو خود مسلمان، مسلمان کی بات سن کر تعلی، تکبر اور غرور کا طعنہ دیتے ہیں آج ہم نے بے یقینی کا نام توکل رکھ لیا ہے اور مایوسی کو اپنا مقدر قرار دے دیا ہے۔ ہم بوجھل دل کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کوشش کرتے ہیں رہی کامیابی اگر اللہ کو منظور ہوا تو مل جائے گی حالانکہ اللہ تو بیان کر چکا کہ۔"و یابی اللہ الا ان یتم نورہ" اللہ تعالیٰ کو اس کے سوا اور کچھ منظور ہی نہیں کہ اس کا نور اپنے اتمام کو پہنچے اور اسلام ہی غالب رہے۔ وہ تو اپنا فیصلہ سنا چکا۔ اس کے بعد کیا تلاش کرتے ہو۔ اللہ کو منظور نہ منظور ہونے کا کیا سوال؟ کیا تمہیں قرآن کے بیان پر یقین نہیں ہے؟ یا پھر قرآن مجید کے بیان کی کوئی نئی راہ وضع کرنا چاہتے ہو یہ تو ذہنی اور فکری سطح پر مایوسی اور بے یقینی ہے اس طرح ہم لاشعوری طور پر کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ حق اور اہل حق کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

آج ہم تقریر و تحریر کی سطح تک تو یہ کہتے ہیں کہ مایوسی اور بے یقینی کا تو ایمان سے تعلق ہی نہیں ہے مایوسی کفر اور یقین ایمان ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ اعتقاد عملاً سیاسی جنگ کے دوران بھی رکھا جاتا ہے یا نہیں اور اس کی نتیجہ خیزی کا مشاہدہ ہے یا نہیں؟ کیا آج حق کی بات کرنے والے مبلغین، واعظین اور قائدین اتنی خوداعتمادی کے ساتھ چیلنج کے انداز میں بات کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کرتے تو ان کے حق ہونے میں ابھی شبہ ہے اور جب شبہ دور ہو جائے تو چیلنج کے انداز میں خود بخود بات ہو جاتی ہے۔

نتیجہ خیزی کا تسلسل(Continuity of Efficacy)

اسلام کے سیاسی فکر کے باب میں مذکورہ آیت سے جو پانچواں نکتہ ماخوذ ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے ہمیں جو فکر عطا کیا ہے اور معروضی نتائج کے اسی دنیا میں حصول کا جو وعدہ اللہ نے کیا ہے اسے ابدی ضابطہ (Eternal Law)اور اصولی ہدایت (Basic Principle) سمجھ کر آج اسی طرح موثر اور نتیجہ خیز سمجھا جائے جس طرح عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد صحابہؓ میں تھا۔ مگر آج اس فکر کو بھلا دیا گیا ہے اور نئے فکر وجود میں آ گئے ہیں جو طاغوتی اور سامراجی فکر سے متاثر اور اسلام کی روح کی خالصیت سے خالی ہیں۔

یہ ہے اسلام کا سیاسی فکر جس پر مسلمان کی پوری زندگی کا انحصار ہے۔ مسلمان ادخلوا فی السلم کافة (۲:۲۰۸) کا عملی پیکر اسی وقت نظر آئے گا اور ملت اسلامیہ بحیثیت مجموعی اس وقت پوری اسلام میں داخل ہونے کا دعویٰ کر سکے گی جب اس کے پاس سیاسی غلبہ موجود ہو گا۔[۳]

۲۔ علمی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر

جب فکری سطح پر بپا ہونے والے تغیر کے نتیجے میں ذہن مردہ ہو گئے۔ اجتماعی طور پر بے یقینی چھا گئی اور محکومی و غلامی سے قوم کے ذہن سازگار ہو گئے ان حالات میں جب سیاسی فکر علم میں بدلا تو علم سیاست کا موضوع فقط ریاست رہ گیا۔ اس پر صرف مجرد ظاہری انداز سے بحث رہ گیا۔ یعنی علم سیاست توجیہیInterpretive رہ گیا تخلیقیCreative نہ رہا۔

اب سیاسی علم کے دائرہ کار میں موضوع یہ رہ گیا کہ ریاست کیا ہے؟ ریاست کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ حکومت کیا ہے؟ حکومت کے ادارے کیا ہیں؟ مقننہ،

انتظامیہ ‘ عدلیہ کیا ہیں؟ ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ حاکم و محکوم کے درمیان کیا تعلق ہے؟

مگر یہ سوال علم سیاست کا موضوع ہی نہ بن سکا کہ اگر کوئی قوم غلام ہو جائے تو غلامی سے اٹھ کر پھر کس طرح زندہ ہو سکتی ہے۔ اگر کسی قوم کا اقتدار اس سے چھن جائے تو پھر کس طرح انقلاب بپا کر کے حکومت لے گی۔ اسلامی ریاست کیا ہے؟ علم سیاست صرف اس سوال میں الجھ کر رہ گیا اور یہ سوال اس کے دائرہ سے خارج ہو گیا کہ اگر کوئی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہے تو کس طرح کرے گا قوم محکوم ہو جائے تو حاکم کس طرح بنے گی؟ غلام ہو جائے تو غالب کس طرح ہو گی؟ اقتدار چھن جائے تو واپس پلٹ کر اس کے ہاتھ میں کس طرح آئے گا۔ اسلامی ریاست کے قیام کی تدبیر کیا ہو گی؟ اگر قومی اور ملی احوال حیات بدلنے ہوں تو یہ انقلاب کس طریق پر آئے گا؟ یہ سوال علم سیاست کے دائرے سے خارج ہو گیا آج علم سیاست کی ابتداء سے آخری درجے تک کی تعلیم و تدریس میں اس سوال کا وجود ہی نہیں ہے۔ جو کچھ موجود ہے اس کے بارے میں پڑھتے چلے جاؤ۔ اور اگر اسے بدلنا چاہو تو اس کے بارے میں کچھ رہنمائی موجود نہیں۔ آج کا نصاب ایک غلام قوم کے لئے مناسب ہو سکتا ہے مگر ایک زندہ قوم کی ضروریات پوری نہیں کرتا کہ ایک گرتی ہوئی قوم کو سوئے عروج گامزن کرنے کی تدبیر فراہم کرنے سے یہ نصاب عاجز ہے۔ ثم

۳۔ عملی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر

جب علمی سطح پر تغیر کے نتیجے میں نصاب تعلیم نے انقلاب کی تدبیر ہی نہ بتائی تو عملی میدان میں بھی وہی لوگ آئے جو غیر انقلابی (Statusquo) ذہن کے مالک تھے انہوں نے اپنی تمام سیاسی جدوجہد موجودہ سیاسی ڈھانچے سے سازگار ہو کر ہی

کی۔ آج معاشرے میں موجود لادینی(Secular) نظام اور مبنی بر استحصال طاغوت کے سیاسی ڈھانچے سے عملاً سازگاری پیدا کر لی گئی ہے۔اہل دین نے خود کو مروجہ سیاسی ڈھانچے میں اتار کر آنے والی نسلوں کو اتنا متنفر کر دیا ہے کہ ہر صاحب درد شخص خالصتاً بے لوث دین وملت کے ساتھ مخلص قیادت کو اس کوچہ سیاست میں داخل ہونے سے باز رہنے کا مشورہ دیتا ہے۔ کبھی بھی زعماء' قائدین اور اسلام کا نام لینے والے حکمرانوں کی طرف سے خالص اسلامی سیاسی ضوابط کو معاشرے میں رائج کرنے کا اقدام نہیں کیا گیا۔ عدلیہ' انتظامیہ' مقننہ الغرض حکومت کے ہر شعبے میں عملاً وہی صدیوں پرانا نظام رائج ہے جو سامراج ہمیں جاتے وقت تحفے میں دیا گیا تھا۔ نظام انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو سب استحصال' ظلم اور ننگی بربریت کا مظاہرہ ہے۔ کسی اسلامی یا غیر اسلامی (Secular) قیادت نے کبھی اس ظالمانہ سامراجی نظام کو بدلنے کی بات نہیں کی۔ اگر کہیں ہوئی ہے تو زبانی جمع خرچ۔ عملاً اس کیلئے کچھ بھی نہیں کیا گیا۔اور خود کو اس نظام میں داخل کر کے اس کے تحت انتخابات لڑے جاتے ہیں۔اس باطل نظام کے ساتھ عملاً سازگاری ہی اس دور زوال میں اسلام کے سیاسی فکر میں عملی تغیر ہے۔ جس کے باعث اسلامی تصور سیاست کا عملی تشخص برقرار نہیں رہا۔ دینی جماعتوں نے بھی سیکولر انداز سیاست اور سوچ اپنالی ہے۔ لادینی جماعتوں کے ساتھ اتفاق واتحاد کر کے ان کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں۔ کسی کے پاس ملکی سیاسی بنیاد ہے تو کسی کے پاس علاقائی اور لسانی اساس۔ کوئی اپنے آپ کو غیر عوامی سوچ میں محدود کئے ہوئے ہیں تو کوئی لادینی انداز سیاست کا پرچار کر رہا ہے۔ اسلام فقط عوام کو دھوکہ دینے کا ایک بہانہ اور ہوس اقتدار کو طول دینے کا ایک خوش کن نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔ جبکہ عملی سطح پر باطل کے سیاسی ڈھانچے سے سازگاری دوغلی پالیسی اور خبیث وطیب کا ملاپ دین وملت کی

تباہی و بربادی ہے جسے اسلام قطعاً پسند نہیں کرتا۔

باطل دوئی پسند اور حق لا شریک ہے
شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول
(اقبالؒ)

ارشاد ربانی ہے۔

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (۲۰۸:۲)

لہذا معاشرے کے ہر ایک نظام اور شعبہ حیات کو احکام اسلامی کے تابع کرنا ضروری ہے۔

نظام انتخابات

باطل کی غنڈہ گردی، لوٹ مار، دھاندلی، بے ایمانی اور منافقت پر مشتمل طریق انتخابات کو لات مارنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے بے شک قیام اقتدار اور تشکیل حکومت کے لئے انتخابات کا ذریعہ تجویز کیا ہے لیکن صاحبان بست و کشاد کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر دور میں اسلام کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر دور کے تقاضوں اور ہر ریاست کے مخصوص سیاسی حالات کے مطابق اس ذریعہ انتخاب کے طریقہ کار اس کے دیگر لوازمات و ضروریات کا فوراً تعین کریں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ روح اسلام کو مجروح کر کے باطل اور طاغوتی و سامراجی طاقتوں کے نظام کو اپنایا جائے۔ ۹

انتخابات کے لئے امیدوار کی شرائط اہلیت

غیر عادلانہ غیر منصفانہ طاغوتی نظام کو ٹھکراتے ہوئے عین اسلامی تقاضوں

کے پیش نظر امیدواروں کے لئے کم از کم درج ذیل چھ شرائط کا عائد کرنا ضروری ہے۔

ا۔ ایمان

۲۔ عمل صالح

۳۔ کم از کم معیار تعلیم کا تعین

۴۔ شخصی وجاہت واستحکام

۵۔ حکمت ودانائی / تدبیر وبصیرت

۶۔ فیصلہ کن اور موثر بیان کی اہلیت

ووٹرز کے لئے کوئی شرط نہیں ریاست کا ہر عاقل وبالغ فرد رائے دہی کر سکتا ہے۔

سیاسی جماعتوں کی اہلیت

ارباب بست وکشاد کیلئے ضروری ہے کہ سیاسی جماعتوں کے تنظیمی ڈھانچے، منشور اور قیادت کو سامنے رکھ کر ان جماعتوں کی اہلیت کا تعین کریں۔

سیاسی ڈھانچہ

نظام حکومت اور ریاست کے سیاسی وتنظیمی وانتظامی ڈھانچے کی تشکیل کے سلسلے میں اسلامی ہدایت پر عمل کیا جائے۔

یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ قوت نافذہ وحافظہ کا حصول ہی معمول بہ دین کے جملہ گوشوں کی حفاظت کرتا ہے۔اور یہ سیاسی وسماجی غلبے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور سیاسی وسماجی انقلاب اس وقت کارگر ہوگا جب ذہنی وفکری انقلاب بپا ہو۔اور ذہنی و فکری انقلاب کیلئے اسلام کے اصلی سیاسی فکر میں رونما ہونے والے علمی و عملی دونوں سطحوں کے ان تغیرات کا ادراک اشد ضروری ہے جنہوں نے اسلامی روح کو مضمحل

اور اسلام کے اصل چہرے کو مسخ کر دیا ہے اور جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ سیاسی اعتبار سے اپاہج ہو کر رہ گئی ہے۔

اسلام آج بھی ایک زندہ سیاسی قوت ہے۔ غلبہ و اقتدار جس کا مقدر ہے اقوام عالم کی رہنمائی جس کا شعار اور منصب حقیقی ہے۔ سیاسی اعتبار سے مغلوب ہو کر رہنا اس کی موت ہے۔ آج انقلاب کے ذریعے اسلام کے علمی، فکری، نظریاتی اور عملی چہرے پر موجود تغیرات کے نقاب نوچنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام عالم سطح پر ایک قوت بن کر ابھر سکے۔ ٭٭

حواشی

(باب سوم)

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "پیغمبرانہ جدوجہد اور اس کے نتائج" از ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

۲۔ "حصول مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی" از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۔ دیگر: ۸:۶۱

۳۔ یہ نتیجہ ہے شکست خوردہ فکر کا بقول اقبالؒ

میر سپاہ ناسزا' لشکریاں شکستہ صف
آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف
میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملا ہوں غازی

(بال جبریل)

۴۔ ۲۲۷:۲۶

۵۔ دیگر مقامات: ۴۸:۸، ۲۱، ۶۱، ۹

۶۔ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض غر ھؤلاء دینھم الخ (۴۹:۸)

۷۔ اسلام کے سیاسی فکر کی عظمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دور

آزادی و غلبہ کے دور اور آج کے دورے کے فکری رویوں کا تقابلی جائزہ لیں۔ آج ملت اسلامیہ اجتماعی سطح پر۔

۱۔ ذہنی، فکری و علمی تغیرات

۲۔ عملی تغیرات

کا شکار ہو چکی ہے۔ ذہنی و فکری اور علمی سطح پر زوال پذیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ۔

i۔ سیاسی غلبے کا شعور ختم ہو گیا

ii۔ دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت نہ رہی بلکہ معروضی نتائج کو مخصوص حالات کے ساتھ متعلق کر دیا گیا۔

iii۔ باطل کے مقابلے میں اپنے حق ہونے کا یقین نہ رہا۔

iv۔ وعدہ الٰہی کی حقانیت کا وہ ادراک نہ رہا جس کا اعلان قرآن کرتا ہے۔ (۶۰:۳۰)

یہ سب نتیجہ ہے حریت فکر و روح قرآن سے بیگانگی کا:

سرور جو حق و باطل کے کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے!
جہاد میں بندہ حر کے مشاہدات ہیں کیا؟
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے!
بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!

(ضرب کلیم)

بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ تھا۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو سیاسی اقتدار میسر تھا۔ اس دور میں جنگ آزادی لڑی گئی۔ اس جنگ میں علماء پیش پیش تھے۔ یہ سیاسی بیداری تھی کہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار بحال ہو۔ یعنی علماء مدرسوں خانقاہوں میں بیٹھ کر درس تدریس تک محدود نہ رہے بلکہ کم و بیش ایک صدی تک لڑی جانے والی جنگ آزادی میں علماء پیش پیش رہے۔ یہ ان کا سیاسی شعور تھا کہ اقتدار اسلام کے ہاتھوں سے چھن کر کفر کے ہاتھوں میں نہ جائے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر میں اناج کی ذخیرہ اندوزی کا فیصلہ کیا تو مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر معاشی طور پر قوم کو مفلوج کیا گیا تو ان کا ایمان اور اسلام ملی تشخص سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے معاشی آزادی کے سلب ہو جانے کا۔

سیاسی مسئلہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل از ڈاکٹر طاہر القادری مدظلہ

تفصیل کیلئے: سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل: ڈاکٹر طاہر القادری

ایضاً

کیونکہ حقیقی اسلامی فکر سے ہی قومی و ملی مقدر کی تعمیر و تشکیل کی سوچ برآمد ہو سکتی ہے:۔

ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز.

اسکے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہوجاتی ہے خاک چمنستاں شرر انگیز
اس مرد خود آگاہ و خدامست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

(ضرب کلیم)

باب چہارم

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبو ن.(۳:۹۲)

معاشی فکر میں تغیر

اس دور زوال میں جس طرح سیاسی زندگی میں تغیر آیا اور فوجی محاذ پر ہونے والی شکست کو دائمی شکست میں بدلا گیا اس طرح مسلمانوں کی معاشی زندگی بھی تغیرات سے دوچار ہوئی۔ اسلام کے معاشی نظام میں پیدا ہونے والے مختلف تغیرات پر بحث سے قبل ہم اسلام کے معاشی نظام کا جائزہ لیتے ہیں:۔

اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد جس فکر پر رکھی گئی ہے اس کا بنیادی نکتہ 'فلاح عامہ اور ریاست کے ہر شہری کو ضروریات زندگی کی فراہمی ہے[1]۔ برصغیر اور عالم اسلام کے دیگر خطوں میں زوال سے قبل رائج معاشی نظام مخصوص قسم کا منصب داری نظام تھا۔ اسلامی سلطنت معتمد افراد کو ایسی جاگیریں دیتی تھی جنہیں ملکیت مطلقہ (غیر مشروط ملکیت) نہیں تھی وہ معتمد افراد ریاست کے منصب دار کہلاتے تھے۔ یہ منصب دار بڑھ چڑھ کر ملک و ملت کے دفاع دین کی ترویج اور عوام کی خدمت کرتے تھے۔ اسلامی سلطنت کیلئے افرادی قوت فراہم کرنا ان منصب داروں کا کام تھا۔ علاقے میں فروغ تعلیم کی ذمہ داری بھی انہیں کے ذمے ہوتی تھی۔ جاگیر میں بسنے والے افراد کی تعلیمی' معاشی اور سماجی حالت سنوارنا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا جو منصب دار اپنے حیطہ اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کو بہترین تعلیمی' اقتصادی و معاشی اور مثالی سماجی و معاشرتی زندگی مہیا کرتا اسے اس کی خدمات کے صلے کے طور پر نوازا جاتا۔ اس جاگیر پر ملکیت سلطنت کی قائم رہتی تھی منصب دار کی قطعاً ملکیت نہ ہوتی تھی۔ جاگیر کو نہ تو محض ذاتی منفعت و مفاد کیلئے استعمال کر سکتا تھا اور نہ ہی اسے ناقابل کاشت چھوڑ

سکتا تھا۔ حکومت کے ساتھ طے شدہ معاہدے کی شرائط پر اسے عمل پیرا ہونا پڑتا تھا۔ بصورت دیگر وہ جاگیر اس منصب دار سے چھین کر کسی اہل ہاتھ میں منتقل کردی جاتی تھی۔ جو پوری دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا۔

منصب دارانہ نظام کی اصل سنت مطہرہ سے

مذکورۃ الصدر منصب دارانہ نظام دور نبوت ﷺ اور خلافت راشدہ میں قائم ہوا۔ اور اسلام کے سیاسی غلبہ کے ہر دور میں قائم رہا جس کسی کو مشروط جاگیر دی جاتی اگر وہ اپنے حیطہ اقتدار میں بسنے والے لوگوں کی کفالت کا کماحقہ انتظام وانصرام نہ کرتا یا اگر وہ اس کے تصرف واستعمال سے بڑھ جاتی اور خالی پڑی رہتی اس مشروط جاگیر کے صحیح استعمال کے جملہ تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے سلطنت اس سے جاگیر واپس لے لیتی۔ اس ذیل میں دور نبوت ﷺ اور دور خلافت راشدہ کی ایک مثال دی جاتی ہے۔

حارث بن بلال بن حارث المزنی اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ اقطعه العقیق اجمع قال فلما کان زمان عمر قال البلال: ان رسول اللہ ﷺ لم تعطعك لتحتجره من الناس انما اقطعك لتعمل فخذمنها

"رسول اللہ ﷺ نے ان کو عقیق کی پوری زمین عطیہ دی تھی۔ جب عمر فاروقؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے بلال سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عطیہ زمین اس لئے تو نہ دی تھی کہ نہ خود استعمال کرو نہ لوگوں کو استعمال کرنے

ماقدرت علی عمارته ورد الباقی۔

دو۔ آپ نے عطیہ اس لئے دیا تھا کہ اس میں زراعت کاری کرو خود اتنا رکھو جتنے کی آباد کاری کر سکتے ہو باقی واپس لوٹا دو“

اس واقعہ کو یحیٰ بن آدم، عبداللہ بن ابی بکر کے حوالے سے مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

”بلال بن الحارث المزنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور زمین کی جاگیر کیلئے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ایک لمبا چوڑا قطعہ زمین انہیں عطا فرمایا بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپؓ نے بلالؓ سے کہا۔ ”تم نے رسول اللہ ﷺ سے لمبا چوڑا قطعہ زمین طلب کیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے تمہیں عطا کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ سائل سے کبھی کوئی چیز نہیں روکتے تھے۔ لیکن تم ایسی مقبوضہ زمین کو سنبھالنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلالؓ نے کہا: یہ ٹھیک ہے عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”اتنا لو جتنا سنبھال سکو اور جس کی کاشتکاری پر قادر نہیں ہو وہ ہمیں لوٹا دو تاکہ ہم مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔“ اس پر بلال نے کہا: ”خدا کی قسم میں اس معاملے میں کچھ نہیں کرونگا۔ کیونکہ یہ عطیہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے عطا کیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”خدا کی قسم تمہیں ضرور تعمیل کرنا ہوگا“ چنانچہ آپ نے بلالؓ سے اس زمین کا اتنا حصہ لے لیا تھا جس کی وہ آباد کاری نہیں کر سکتے تھے۔“

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو جاگیر، عطا فرماتے تھے وہ انہیں آباد کرتے لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلاتے اور جو اسے

باقاعدہ آباد کرتا یا حکومت کی طرف سے عائد کردہ فرض منصبی ادا نہیں کر سکتا تھا اس سے جاگیر واپس لی جاتی تھی۔

عالم اسلام میں یہ مخصوص قسم کا نظام قائم رہا۔ کیونکہ اس کے اندر لوگوں کے معاشی استحکام کی ضمانت تھی۔ منصب داروں کو معلوم تھا کہ اگر ان کے حیطہ اقتدار میں عوام معاشی تعطل میں مبتلا رہے انہیں ضروریات زندگی بآسانی میسر نہ آسکیں انہیں بہترین تعلیمی سہولتیں مہیا نہ کی گئیں۔ ملت کی دفاعی قوت پر ان کی جاگیر سے کچھ خرچ نہ ہوا اور حکومت کے بازو مضبوط نہ کئے گئے تو جاگیریں ان سے واپس لے لی جائیں گی گویا وہ جاگیر قومی، ملی، تعلیمی اور مذہبی خدمت کیلئے مشروط ملکیت کے ساتھ دی جاتی اور حکومت کے پاس منصب دار کی عدم اہلیت کی صورت میں معاشرے کی طرف سے جو ملکیت محفوظ رہتی تھی۔

دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کا نظام

منصب دار دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کے اخراجات اپنے ذمے لیتے تھے۔ مدارس میں سینکڑوں ہزاروں طلبہ اور خانقاہوں میں درویشوں، صوفیاء اور مساکین کی کثیر تعداد کی کفالت کے لئے جاگیر کے مخصوص حصے وقف کر دیتے تھے جس سے طلباء فکر معاش سے بے نیاز ہو کر علمی سیرابی حاصل کرتے اور روحانی تربیت پانے والے سالک تربیت میں حصول کمال کیلئے ہمہ تن مصروف رہتے۔ سب کی معاشی کفالت کا انتظام ہوتا۔ اساتذہ و مشائخ بھی بے نیاز ہوتے جو کوئی جس سطح پر آگے بڑھانا چاہتا معاشی پریشانیوں سے بے نیاز منزل کی طرف رواں دواں ہوتا۔

تاہم اگر بعض اساتذہ، مشائخ اور صوفیاء اپنے کمال زہد و اتقاء کی وجہ سے خود کما کر کھانے کا اہتمام کرتے تو ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ مگر منصب دار جن کی

کفالت کرتا، محض معاش کی وجہ سے ان کی عزت نفس مجروح نہیں کر سکتا تھا۔ مشائخ وعلماء ہر اعتبار سے آزاد ہوتے تھے۔ ان پر کسی قسم کا دباؤ اور بوجھ نہیں ہوتا تھا۔ منصب دار یہ نہیں کر سکتا تھا کہ معاشی کفالت کرنے کی وجہ سے ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالے وہ فتوے میں بھی آزاد ہوتے تھے اور ہر قسم کی ذہنی، معاسی پابندیوں سے آزاد ہو کر حقیقی روح اسلام کو مد نظر رکھ کر فتویٰ دیتے تھے۔ حکومت براہ راست ان کا تحفظ کرتی تھی۔ اور انہیں ضروریات زندگی بہم پہنچاتی تھی۔ اس دور میں غیور علماء جنم لیتے تھے۔ انہیں مانگنا نہیں پڑتا تھا بلکہ ان کی کفالت کا اہتمام تو بالواسطہ طور پر حکومت کر رہی ہوتی تھی گویا اس مخصوص منصب دارانہ نظام میں افراد معاشرہ کیلئے اقتصادی و معاشی تحفظ کی ضمانت موجود تھی۔ اسلام کا یہ معاشی نظام جس کی اساس مفاد عامہ پر تھی سامراج کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے درج ذیل تغیرات کا شکار ہوا۔

i۔ منصب دارانہ نظام کا خاتمہ

سامراج نے اپنے دور اقتدار میں اسلام کے وفادار مسلمانوں کی جاگیریں ضبط کر کے ملک و ملت کے غدار اور سامراجی مفادات کے محافظ لوگوں کے سپرد کر دیں۔ جنہوں نے زر اور جاگیریں لے کر ضمیروں کے سودے کر دیئے اور طاغوت و سامراج کے نمک خوار بن کر زندگی بسر کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ سامراج اپنے اخراجات ان کو عطا کردہ جاگیروں کی پیداوار سے پورے کرتا اور اس نے انہیں ان جاگیروں کا غیر مشروط مالک بنا دیا۔ یہاں سے جاگیرداری نظام نے جنم لیا۔ منصب داری نظام میں جاگیر کی امانت والی حیثیت ختم ہو گئی اور سامراج کا نمک خوار فرعون بلا شرکت غیرے سینکڑوں ایکڑ اراضی کا مالک بن گیا خواہ وہ اس زمین کو آباد کرے یا برباد۔ اسے کاشت کرے یا ویران چھوڑے۔ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔

فقط پیداوار کی ایک خاص مقدار سے حکومت کے خزانے میں جمع کرواتا تھا۔ وہ بھی مزارعوں کے خون کی کمائی ہوتی تھی۔ اس تصور کو سمجھنے کے لئے موجودہ بلوچستان کے سرداری نظام کا مطالعہ کیجئے جہاں ہزاروں ایکڑ زمین مختلف خاندانوں کی ذاتی ملکیت میں بنجر اور بے آباد پڑی ہے جس سے نہ قوم کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے نہ کوئی ذاتی منفعت حاصل ہو رہی ہے۔ منصب داری نظام کے خاتمہ کے بعد بندہ اللہ کی زمین پر حاکم اعلیٰ اور حاکمیت و مختار کا دعویٰ کئے بیٹھا ہے۔

جب منصب داری نظام جاگیرداری میں بدلا اور جاگیرداروں نے اپنے حیطہ اقتدار میں رہنے والوں کی معاشی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا تو دینی مدارس اجڑ گئے خانقاہوں کی معاشی کفالت کا نظام ختم ہو چکا۔ عوام فقر و فاقے کا شکار ہونے لگے اور اسلامی دنیا میں زبردست معاشی تعطل پیدا ہو گیا۔ عوام کی بھلائی اور خوشحالی پر صرف ہونے والی دولت جاگیرداروں کے واسطے سے سامراج کی جھولی میں گرنے لگی۔ "ہر صاحب حق کو اس کا حق ملے" کے اسلامی اصول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور سامراجی افکار سے ماخوذ اس اسلامی نظام کے لئے اسی طرح کے زہریلے تصورات پیدا کر کے معاشی کفالت سے دستبرداری کا جواز پیدا کیا گیا کہ غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کی کفالت صاحب ثروت لوگوں کی ذمہ داری نہیں۔ اگر معاذ اللہ انہیں ضروریات زندگی مہیا کرنا اللہ کا منشاء ہوتا تو خود رب تعالیٰ انہیں فاقوں سے کیوں مارتا۔ نتیجتاً مدارس چندوں پر چلنے لگے اور خانقاہوں کی نذرانوں سے متعلق ہو گئے۔ یوں اس نظام نے شاہین بچوں کو پیدائش کے ساتھ ہی انکی عزت' غیرت' حمیت اور حریت کو لوٹ کر اپاہج بنا دیا۔ اس صورت حال میں رازیؒ و غزالیؒ اور رومیؒ و جامیؒ کیونکر پیدا ہو سکتے تھے بقول اقبالؒ

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

اور مرید نذرانے دیدے کر اس تصور کو دل میں جاگزیں کر گیا کہ:

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

اس فکری تغیر سے معاشرے میں غیر فطری تفاوت نے جنم لیا اور امت کو شکستہ حالی کی انتہائی منزلوں سے ہمکنار کر دیا۔[۱۴]

ii۔ قرآنی تصور کی جگہ فقہی و قانونی تصور کا اجراء

دوسرا بڑا تغیر یہ آیا کہ معیشت کے باب میں قرآنی اور نبوی ﷺ تصور کی جگہ فقہی اور قانونی تصور نے لے لی۔ انقلاب فقہی اور قانونی تصور کی بنیاد پر نہیں' قرآن اور نبوی ﷺ فکر کی بنیاد پر آئے گا۔ پھر بعد از انقلاب نظام کو چلانے کیلئے فقہی اور قانونی تصور کو اپنایا جائے گا۔ فقہ کی ساری کتابیں مالابدمنہ سے ہدایہ آخرین تک وہ اس موضوع سے بحث نہیں کرتیں کہ انقلاب کس طرح آئے کہ یہ فقہ کا موضوع ہی نہیں ہے۔

انقلاب قرآن کی ہدایت اور نبوی ہدایت سے آتا ہے۔ فقہی علم کی افادیت یہ ہے کہ انقلاب کے بعد نظام چلانے کیلئے فقہی علم کے ضابطے کار آمد ہوں گے کہ یہ نظام اور قانونی ڈھانچہ دیتا ہے۔ مالیہ' ماعلیہ سے بحث کرتا ہے۔ انقلاب بپا کرنے کے عمل کا فقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہی تصور تو نظام کو منظم کرنے کے ضابطے دے گا۔ آج اس حد تک ذہن بدل گئے ہیں کہ ملکیت کا وہ تصور جو قرآن نے دیا کوئی فقہ کی کتاب اس سے بحث نہیں کرتی۔ کہ ملکیت کیا ہے؟ وہ اس امر سے بحث کرتی ہیں کہ

ملکیت کس طرح حاصل ہو گی؟ بیع' ھبہ' شریٰ' وراثت' تملیک کیا ہیں؟ فقہاء نے اس ڈھانچہ کو مد نظر رکھ کر ضوابط وضع کیے کہ فقہ کا کام ڈھانچہ بدلنا نہیں کنز' ہدایہ' وقایہ ملک کا ڈھانچہ نہیں بدل سکتے۔ غرضیکہ جب سے قرآن اور نبوی فکر کی جگہ فقہی تصور نے لی' معاشرہ موجود معاشی تعطل کو دور کرنے کے حوالے سے Status quo کا شکار ہو گیا۔ اور صبح و شام انہیں فقہی ضوابط کی تعلیم دینے والوں کی اپنی زندگیاں قرآنی تصور ملکیت وانفاق اور روح قل العفو سے خالی ہو گئی عامۃ الناس کا توذکر ہی کیا؟

iii۔ اہل ثروت سے معاشی کفالت کی ذمہ داری کا خاتمہ

اسلام کے معاشی نظام میں تیسرا اہم تغیر جو رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اہل ثروت سے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھالی گئی۔ منصب داری نظام میں منصب دار پر اپنے حیطہ اقتدار میں آنے والے افراد کی معاشی کفالت لازمی تھی۔ وہ ان کی معاشی' اقتصادی اور تعلیمی حالتوں کے سنوارنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مگر سامراجی نظام میں وہ کفالت عامہ کے فرض سے دستبردار کر دیا گیا۔ غریبوں' محنت کشوں اور خستہ حالوں کے خون پسینہ سے اسے گھر بیٹھے ایک تو اپنے آقاؤں کا منہ بند رکھنے کیلئے دولت میسر آئی دوسرا اس کی اپنی تجوریوں کے منہ بھی بھرتے رہے۔ غریب نادار اور کسان کا استحصال ہونا شروع ہوا' غریب' غریب تر ہوتا گیا اور وڈیرا' جاگیر دار روز بروز مادی ترقی حاصل کرنے لگا۔

اس طرح مال و دولت اور ذرائع پیداوار و معیشت پر غیر مشروط ملکیت کے تصور کو جنم ملا۔ جبکہ قرآن و سنت سے ماخوذ تصور ملکیت یہ ہے کہ اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں پورے طور پر نہ ادا کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہو جاتی ہے بلکہ بذات خود عذاب آخرت کا

باعث بھی بن جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (۹:۳۴)	اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔

قرآنی آیات کے علاوہ کتب حدیث وسیر میں مذکورہ متعدد احادیث مبارکہ اس تصور ملکیت پر شاہد عادل ہیں کہ اسلام ذرائع اور اموال کی ملکیت کو بلا شرط اور بلا قید تسلیم نہیں کرتا بلکہ ماعون کے تصور کے تحت ایسی ملکیت کو بھی سراسر دین کی تکذیب گردانتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں ملکیت سے مراد محض امانت ہے۔

اقتصادی تصورات اور نظریات کی دنیا میں نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے معاشی انقلاب نے اموال کی ملکیت کو "تصور امانت" سے بدل کر نظام ہائے معیشت کی عملی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اسلام کے تصور ملکیت میں مالک تو ہر شے اور ہر مال کی فی الحقیقت اللہ ہے لیکن وہ تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کی خاطر لوگوں کو مختلف اشیاء و اموال کی ملکیت کا حق مختلف ذرائع سے عطا کرتا ہے۔ اور یہ حق ملکیت صرف ایک امانت ہوتا ہے۔ جب تک اس امانت کے دوسروں کیلئے منافع بخش ہونے اور تمام حقوق اور تقاضے صحیح سمت میں پورے ہوتے رہیں تو امانت اس امین کے پاس رہتی ہے اگر وہ ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتنا شروع کردے اور تمام تر ضروری اور شرعی اور قانونی مساعی کے ذریعے اتمام حجت کے باوجود استحصالی رویے سے باز نہ آئے یا اس امانت کی اصل غایت ومنفعت کو نقصان پہنچانے کے عمل کو جاری رکھے تو جائیداد

اس کے قبضہ و تصرف سے واپس لیکر اس کا حق ملکیت معاشرے کی طرف سے اسلامی حکومت کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔

قرآنی و نبوی تصور معیشت میں ملکیت کے تصور کو سمجھنے کے بعد اس سوال کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے کہ وہ کونسی شرط ہے جس کی تکمیل سے کسی شخص کے پاس امانت ملکیت کا وجود رکھ سکتی ہے۔ وہ شرط "شرط انفاق" ہے جس کا حکم سورۃ بقرہ کے آغاز میں ایمان بالغیب اور اقامت صلوۃ کے بعد "ومما رزقنھم ینفقون" کے الفاظ سے مرحمت فرمادیا گیا ہے۔

انفاق واجب ہو یا نفلی۔ یہ احکام شریعت کی فقہی تقسیم ہے۔ جس کا تعلق تنفیذی ترجیح اور ترتیب کے ساتھ ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ ملکیت سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ اگر کسی کے پاس مال و دولت اور سرمایہ و وسائل سے "انفاق" کے تمام احکام کی ادائیگی بلا جبر و اکراہ ہو رہی ہے۔ تو یہ ملکیت اسلامی تصور کے عین مطابق ہے۔ پھر نہ تو اسے قومیانے کی ضرورت رہتی ہے اور نہ تحدید کی کیونکہ اس تصور ملکیت سے گردش دولت کا ایسا موثر انقلابی اور منصفانہ نظام از خود قائم ہو جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں افراد معاشرہ کی تخلیقی جدوجہد بحال ہوتی ہے۔ اور معاشی تعطل سے نجات ملتی ہے۔ ملکیت میں سے انفاق کی عدم ادائیگی کی صورت میں افراد معاشرہ کے شرعی حقوق کا استحصال ہوگا۔ جو صرف گناہ اور عذاب آخرت کا باعث ہی نہیں۔ بلکہ امانت (ملکیت) میں صریح خیانت کا ارتکاب متصور ہوگا جس کے نتیجے میں وہ صاحب ملکیت تعزیری طور پر اپنے حقوق سے محروم بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کے پورے معاشی نظام میں دیگر تغیرات کے ساتھ ساتھ اسلام کے ملکیتی تصور میں جو تغیر رونما ہوا۔ وہ یہ کہ ملکیت سے محض امانت کی بجائے ملکیت مطلقہ مراد لیا جانے لگا۔ نتیجتاً منصب داری نظام کی

تبدیلی اور کفالت عامہ کے تصور کے خاتمہ سے جاگیرداری نظام نے اور ملکیت کو مطلق کرنے کے تصور سے سرمایہ داری نظام نے جنم لیا۔ اس طرح پوری معیشت کو اس سامراجی نظام میں جکڑ کر اسلام کے معاشی نظام کی روح کو مضمحل کر دیا گیا۔ اسلامی معیشت کے چہرے کے مسخ ہو جانے پر امت مسلمہ کو معاشی تعطل نے آگھیرا۔ افراد امت کی وہ تخلیقی قوتیں جن کی بدولت امت نے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیا تھا۔ بنیادی ضروریات زندگی کی تلاش میں زنگ آلود ہو گئیں۔ اسلام کے معاشی فکر میں رونما ہونے والے اس تغیر نے پوری ملت کو ذہنی و فکری طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔

کیا انفاق ایک اضافی نیکی ہے؟

اسلام کے معاشی نظام میں مال و دولت اور ذرائع معیشت کی غیر مشروط ملکیت کی صورت میں رونما ہونے والے تغیر کے زیر اثر انفاق جو اسلامی نظام معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کو اضافی نیکی قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ حقیقی اسلامی تصور تو یہ ہے کہ کفالت عامہ کے مقصد کی تکمیل انفاق کے ذریعے کی جائے۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے اہل ثروت تعلیمی معاشی اور سماجی ہر سطح پر انفاق کو جاری رکھیں ایسا معاشرہ جو غیر فطری تفاوت کا حامل ہو جس میں امیر ہر آنے والے دن میں امیر تر ہوتا جائے اور غریب غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کی چکی میں پس کر انہ بیش بہا صلاحیتیں ضائع کرتا رہے جس میں ایک طرف تو اہل ثروت کے کتوں او جانوروں کو نرم و گداز مخملیں بستروں پر سلایا جائے اور ان کے پیٹ بھرنے کیلئے اعلیٰ ترین غذائیں اور دوسری طرف مفلوک الحال عوام کے بچوں کو تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا او پیٹ بھرنے کیلئے ایک لقمہ خوراک بھی میسر نہ ہو ایسے معاشرے میں سال بھر میں محض اڑھائی فیصد زکواۃ کی ادائیگی کا حکم دینا اور انفاق فی سبیل اللہ کو ایک اضافی نیکی قر

دے کر لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دینا انسانیت کے ساتھ کھلا مذاق ہے جسے اسلام قطعاً برداشت نہیں کرتا۔ اسلام ایسے حالات میں معاشرے کے ظالم و استحصالی طبقے کے منہ سے لقمے چھین کر خستہ حال افراد تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ معاشرے کے کچھ لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہوں تو ان کی ضروریات زندگی اہل ثروت لوگوں کے مال و دولت سے پورا کرنا ضروری واجب اور فرض ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر غریب لوگوں کے شرعی حقوق کا استحصال ہو گا کفالت عامہ کی ذمہ داری پوری نہ کرنے والے صاحب ثروت لوگ اللہ' اس کے رسول ﷺ اور قوم کے مجرم ہوں گے۔ انہیں نہ صرف معصیت بلکہ عذاب آخرت کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں وہ اپنے حقوق سے بھی تعزیراً محروم ہو سکتے ہیں۔ اس قرآنی اور نبوی ﷺ تصور معیشت کو فقہی تصور کا لبادہ اوڑھا کر زکوۃ کے علاوہ باقی صدقات کو نفل قرار دینا ظلم عظیم ہے اور لوگوں پر اللہ کے دین کی راہ مسدود کرنے کے مترادف ہے ارشاد ربانی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO

(۳۴:۹)

اے ایمان والو! بیشک (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور درویش لوگوں کے مال ناحق (طریقے سے) کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یعنی لوگوں کے مال سے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں اور دین حق کی تقویت و اشاعت پر خرچ کئے جانے سے روکتے ہیں) اور جو لوگ سونا اور چاندی کا

ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ
میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں
دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔

سرمایہ داروں، جاگیرداروں، وڈیروں اور صاحبان ثروت کیلئے عمل انفاق کو محض نفلی قرار دینا دراصل ارتکاز دولت میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور معاشرے کے غریب افراد کو بنیاد ضروریات زندگی سے محروم کرنا ہے۔ کیونکہ اگر معاشرے کا کوئی غریب شخص سامان خورد و نوش اور بنیادی ضروریات زندگی سے ہی محروم ہو گیا اور سرمایہ اور دولت پر قابض اژدہوں کے ظالمانہ کردار کی وجہ سے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہا ہو تو اس فقر اضطراری میں وہ اپنی غیرت اور حمیت اور ضمیر کا سودا کر کے اللہ کے دین سے انحراف اور بغاوت سرکشی کی راہ اختیار کر لے تو قابل غور امر یہ ہے کہ اسے کفر و معصیت کی ہولناک نوبت تک پہنچانے میں بنیادی کردار کس کا ہے؟

فاعتبر و ایا اولی الابصار!

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے:

من کان عنده فضل ظهر فلیعد به علی من لا ظهر له و من کان عنده فضل زاد فلیعد به علی من لا زادله فقال (ذکر من اضاف المال ما ذکر) حتی ظننا انه لا حق لا حد منا فی

"جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر مال کی اضافت کا آقا ﷺ

الفضل۔ (ابوداؤد ۲: ۱۲۹) نے ذکر فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہم میں سے کسی کا زائد چیز میں کوئی حق نہیں۔"

یہ حدیث مبارکہ ان حالات کی نشاندہی کرتی ہے جب قل العفوٗ کا قرآنی حکم نافذ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ آج سامراجی تغیرات نے ہمارے معاشرے کے حالات کو اس نوبت تک پہنچادیا ہے کہ اگر آج بھی قل العفو کا حکم شرعی طور پر درجہ وجوب حاصل نہیں کرتا تو ڈاکہ 'چوری اور اغواء برائے تاوان جیسے جرائم کی روک تھام کیونکہ ممکن ہے؟۔ ۹

(iv) اخلاق و مذہب اور معیشت و اقتصاد میں تفریق

معاشی فکر میں چوتھا اہم تغیر اخلاق مذہب اور معیشت و اقتصاد کے دائرہ کو الگ کر دینے کی صورت میں رونما ہوا۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق اجتماعی طور پر معاشی ترقی حاصل کئے بغیر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کے معاشی فکر میں اس تکیر کے واقع ہونے سے اخلاق و مذہب افراد کا انفرادی مسئلہ بن گیا اور معیشت و اقتصاد کو اجتماعی اور قومی مسئلہ بنادیا گیا گویا دونوں میں تفریق ہو گئی۔ آہستہ آہستہ ذہنی جمود کی وجہ سے اس تصور کو قبول کرتے گئے اور عملاً استحصالی نظام کے ساتھ سازگار ہوگئے۔ یہاں تک کہ آج جب قرآن کے تصور معیشت کی بات کی جاتی ہے تو بعض لوگ اپنے من گھڑت تصور معیشت کے تحت اس استحصالی جبر اور غیر فطری معاشی تفاوت کے نظام کو قضاء و قدر گردانتے ہوئے اس کا کھلا انکار کرتے ہیں۔ اس غیر فطری نظام معیشت کی تبدیلی کو معاذاللہ سنت اللہ کی تبدیلی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہاں کا نظام قضاء و قدر ہے کہ ایک طرف تو کوئی کروڑوں کے بل بوتے پر عیش کوشی کر رہا

ہے اپنے کتوں، گھوڑوں اور جانوروں کو حریر واطلس کے پہناوے پہنا رہا ہے اور اس معاشرے میں دوسرا فرد اپنے تن کو ڈھانپے کے لئے کپڑے کے ٹکڑے کو ترستا ہے۔ اسے اللہ کی منشاء قرار دینا منشا الٰہی کی نفی ہے۔ جب ذہن محکوم ہو جائیں، یاس و قنوطیت کا غلبہ ہو تو انسان توکل کا تصور یہ بنالیتا کہ اللہ کو ایسے ہی منظور ہو گا۔ معاشی تعطل کو مذہبی ذہن اسلام کے خلاف سازش ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ دین کی روح معیشت ہے۔ اور یہ معاشی ابتلاء دین کے ساتھ گھناؤنی سازش ہے۔ اگر کسی کو کھانے کو نہیں ملے گا تو اس کا دین کیسے محفوظ رہے گا ارشاد نبوی ﷺ ہے "کا دالفقر ان یکون کفراً۔ قریب ہے کہ فقر گمراہی کا باعث بن جائے۔"

کیا صحابہ کرامؓ کا فقر اضطراری تھا؟

جب معاشی نظام کی بحالی اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کی بات کی جاتی ہے تو استحصال کرنے والے لوگ حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء صلحائے کرام کے فقر کا تذکرہ سناتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بھوکے پیاسے رہنے کا تذکرہ کرتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ صحابہؓ کے ایمان کا درجہ کیا تھا۔ اور آج کے مسلمان کے ایمان کا درجہ کیا ہے۔ صحابہ کا فقر اختیار تھا۔ ان کے پاس ہوتا تھا مگر وہ دوسروں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانے میں ہی لذت محسوس کرتے تھے۔ جبکہ آج کے مسلمان کا فقر اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ وہ موجود کو تقسیم کر کے فقر و فاقہ نہیں کاٹ رہا جبکہ اسے اپنے حق سے محروم رکھ کر اس کے نصیب پر جانوروں اور کتوں کو پالا جا رہا ہے۔

اسلام ہر شخص کو عزت نفس کے ساتھ بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ضامن ہے اگر بنیادی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں اور اہل ثروت اس کی طرف

توجہ بھی نہ کر رہے ہوں معاشرے کے ہزاروں لوگ غیر منصفانہ' غیر عادلانہ معاشی نظام کی وجہ سے دین سے دور جا رہے ہوں ایسی حالت میں مالداروں کی آسائش و تفریح سب حرام ہے اور وہ علماء جو اہل ثروت کو اس طرف متوجہ نہیں کرتے وہ اس حرام میں برابر کے شریک ہیں۔

موجودہ دور میں معاشرے کو معاشی طور پر سنوارے بغیر مسلمانوں کے دین کو سنوارنے کی سعی لاحاصل کی جا رہی ہے۔ باطل طاغوتی استحصالی اور سامراجی طاقتوں کے بوئے ہوئے زہریلے کانٹوں کی بیخ کنی کئے بغیر راہ حق پر استقامت کے ساتھ چلنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ وہ تغیرات جنہوں نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے ان کا ادراک کئے بغیر قضیئے نمٹانے کی کوششیں جاری ہیں۔ مذہبی ذہن یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے اخلاق سنور جائیں لوگ دیندار ہو جائیں سچ بولنے والے بن جائے اور حرام نہ کھائیں مگر یہ سب کچھ معاشی ڈھانچہ بدلے بغیر ناممکن ہے۔

جب پیٹ میں بھوک کی آگ جل رہی ہو کھانے کے لئے لقمہ میسر نہ ہو اس وقت حلال کھانے کی تلقین اور حرام سے رکنے کا حکم کیونکر موثر ہو سکتا ہے؟ دین اگر حلال کھانے کا حکم دیتا ہے تو پہلے حرام کی کمائی کے ذرائع کا سدباب بھی کرتا ہے۔ جب حلال کھانے کو ملے اور نہ کھائے تو سزا دو اور اگر رزق حلال کھانے کو میسر ہی نہ ہو تو حرام کھائے بغیر کیسے زندگی کا چراغ جلے گا آج ذہنی' فکری' معاشی اور سیاسی غلامی کی وجہ سے حلال کمائی کے راستے مسدود ہیں۔ اور حرام کھانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس دور میں "معاشی انقلاب" برپا کرنا سب سے بڑا دینی جہاد ہے کیونکہ :-

دو وقت کی روٹی بھی نہ ہو جن کو میسر
کب تک وہ عقیدے کی غذا کھا کے جئیں گے

اسلامی معاشرے میں تقسیم دولت کے گیارہ اصول

قرآنی تصور کے تحت معاشرہ معاشی انقلاب اور تقسیم و گردش دولت کا نظام دیے بغیر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ تقسیم دولت کے ضوابط کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) ملکیت اموال ایک مجازی اصطلاح ہے حقیقی نہیں جو نیابت اور امانت کے معنی میں مستعمل ہے۔ مالک سے مراد امین و نائب ہے۔ جس کے پاس ملکیت کچھ خاص شرائط اور مصالح کے ساتھ موجود رہتی ہے بصورت دیگر انسان خائن کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۲) زمین معاشی پیداوار کا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر ہے۔ جو شخص اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو کر اپنا سرمایہ اور محنت صرف کرتا ہے اس کا حق انتفاع و استعمال دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے مگر وہ کسی قیمت پر بھی دوسروں کی محرومی کا باعث نہیں بن سکتا۔

(۳) جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کا محض اخلاقی نہیں بلکہ شرعی اور قانونی حق رکھا گیا ہے۔ جن کی ادائیگی ہر لحاظ سے لازم ہے۔ ہم اس سے اس بنیاد پر انکار نہیں کر سکتے کہ وہ اس کمائی میں شریک نہیں ہوئے اور ہمیں یہ اللہ نے دیا اور انہیں محروم رکھا یہ سوچ ہی کافرانہ ہے۔[۱۱۱]

(۴) اصل رزق و حق معاش میں سب لوگ برابر ہیں کوئی تفاوت نہیں فرق اور تفاوت صرف معاش اور رزق کے درجات میں ہے۔ بنیادی حق اور رزق میں نہیں جب سب کے بنیادی حقوق پورے ہو رہے ہوں تو پھر تفاوت جائز ہے وہ ایک حد کے اندر بصورت دیگر نہیں۔

(۵) تمام افراد کو بنیادی معاشی حقوق خوراک' روزگار' لباس ' رہائش ضروری تعلیم وعلاج یکساں ملنا چاہیئے۔اس کے بغیر کوئی معاشرہ اسلامی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ان کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ہر ایک کو رزق دینے کا الٰہی وعدہ اسی مفہوم میں ہے۔ آج یہ مفہوم ہی بدل دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس طرح تقسیم رکھی ہے۔ یہ اللہ کہ ذمی داری ہے۔ کیا اللہ کی ذمہ داری اس طرح ہوتی ہے کہ کسی کو ملے اور کسی کو نہ ملے۔ آج اس طرح کا بھونڈا تصور تراش لیا گیا ہے۔ آج کے ذہن نے آپ کو اللہ سے بہتر تقسیم کنندہ بنالیا ہے۔ کہ اللہ کی تقسیم میں تو کسی کو مل رہا ہے کسی کو نہیں مگر ان کی تقسیم میں سب شریک ہیں۔ دراصل اللہ کی ذمہ داری کے مفہوم کو صحیح سمجھا ہی نہیں گیا۔

اللہ کی ذمہ داری حقوق اللہ اور ہماری ذمہ داریاں حقوق العباد ہیں۔ان میں فرق یہ ہے کہ حقوق العباد میں معافی ہو سکتی ہے مگر حقوق اللہ میں نہیں۔ قتل میں قصاص ہے مگر حد میں معافی نہیں ساری ریاست الٹی لٹک جائے تو بھی معافی نہیں ہوگی وہ حد نافذ ہو کر رہے گی گویا جب اللہ نے ہر ایک کو رزق پہنچانا اپنی ذمہ داری بنایا تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو حکمران ہی تب تک رہنا ہوگا جب تک ریاست کے ہر فرد کو اس کا رزق ملے۔ بصورت دیگر ان سے حکومت چھین لی جائے گی کہ اللہ کے رزق کا ذمہ لینے کا معنی یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کا یہ فرض قرار دے دیا گیا یہ نہیں کہ اللہ چھت پھاڑ کر رزق دے گا یہی مفہوم جو حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ اگر دجلہ کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوک سے مر گیا تو اس کا ذمہ دار عمرؓ ہے۔ گویا یہ امر حکمرانوں کے لئے لازمی (obligatory) ہے کہ وہ گردش دولت کا نظام وضع کریں کہ معاشرے کے ہر فرد تک اس کا حق معاش پہنچے۔اللہ نے تو ہر معاشرے

میں اس کی ضرورت کا رزق اتار دیا ہے۔ اگر کوئی حرام سے کمائے یا کوئی لوٹ مار کر کے زیادہ پر قابض ہو گیا تو یہ نظام کی خرابی ہے اس نے تو رزق اتارا ہے کہ ہر ایک کے لئے کافی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (۱۰:۷)	اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکن و تصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لیے اسباب معیشت پیدا کیے

اب اس دولت کی عادلانہ تقسیم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔ حکومتیں تشکیل ہی اس لئے دی جاتی ہیں کہ اللہ کے عطا کردہ حقوق کی حفاظت کی جائے اور اسلامی معاشرہ میں کسی کی زندگی میں معاشی تعطل نہ رہے اور نہ کسی کو حرام ذرائع کی احتیاج رہے۔

(۶) معاشرے میں کسب معاش کے فقط حلال ذرائع باقی رکھے جائیں۔ حرام ذرائع قطعی طور پر ختم کر دیئے جائیں۔ معاشرہ تب ہی اسلامی ہو گا جب اس میں حرام ذرائع معیشت کی گنجائش ہی نہ ہو گی۔

(۷) جس طرح آمدن کے ذرائع مشروط ہیں اس طرح صرف و خرچ کے ذرائع و مواقع بھی مشروط ہوں۔ اس کے لئے اسراف تبذیر اور تحریم کے احکامات کو اس طرح نافذ کیا جائے کہ خرچ میں اقتصاد اور توازن پیدا ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الاقتصاد نصف المعیشة

اس طرح آپ ﷺ نے ایک اچھے حکمران کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگوں میں مال کی مساوی تقسیم کرتا ہے (مشکوۃ)

یہاں پر اس سے مراد اصل رزق اور معاش میں برابری ہے اس حقیقت کو

قرآن حکیم نے بھی بیان کیا ہے۔[12]

(۸) ہر شخص حتی المقدور کسب معاش کا پابند ہوگا کسی کو بلا عذر شرعی تساہل غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ ہو۔ ہر شخص محنت کرے وہ معاشرے پر بوجھ نہ بنے۔[13]

(۹) جس طرح معاشرتی زندگی باہمی تعاون کی متقاضی ہے اس طرح اجتماعی استحکام کے لئے معاشی سطح پر رفاہی اور کفالت عامہ کا نظام ضروری ہے۔ اس کا قیام و نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

(۱۰) سرمایہ و دولت کی گردش اور منصفانہ تقسیم کا نظام ریاست کی ذمہ داری ہے ایسے شرعی اقدامات کا اجراء کیا جائے جس سے اکتناز و احتکار کا خاتمہ ہو۔ ذخیرہ اندوزی اور مال و دولت جمع کرنے (Concentration of wealth) کا خاتمہ ہو۔ اور تقسیم دولت کی ضمانت میسر آئے۔

(۱۱) معاشرتی زندگی میں اجتماعی مصالح و مفادات کی رعایت انفرادی رعایات پر مقدم ہے۔ اگر کسی جگہ دونوں میں تصادم ہو تو اجتماعی حق فائق ہوگا۔[14]

اسلام کا یہ تصور معیشت معاشرے میں تب ہی عملی شکل اختیار کر سکتا ہے جب درج ذیل قوانین کو عملاً نافذ کیا جائے:۔

۱۔ قانون زکوۃ	۲۔ قانون عشر و خمس	۳۔ قانون صدقات
۴۔ قانون نفقات	۵۔ قانون وصیت	۶۔ قانون وراثت
۷۔ قانون اجرت	۸۔ قانون کفالت عامہ	۹۔ قانون مشارکت
۱۰۔ قانون ماعون	۱۱۔ قانون تقسیم عفو	۱۲۔ قانون قرض حسنہ
۱۳۔ قانون مضاربت	۱۴۔ قانون ضرائب	۱۵۔ قانون بیت المال

حواشی

(باب چہارم)

الحدید:۷‘۱۰‘الانعام:۱۶۶‘نور:۳۳‘۵۱:۱۹‘۷۰:۲۵‘
۹۳:۱۰‘۲:۷۷‘ودیگر مقامات قرآن حکیم۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

i۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

ii۔ بلاسود بنکاری (عبوری خاکہ)

iii۔ بلاسود بنکاری اور اسلامی معیشت

iv۔ اسلامی فلسفہ زندگی (باب ۵ بحث انفاق فی المال)

از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲ـ جو نہ صرف ہماری قومی و ملی تاریخ کا سیاہ باب ہے بلکہ اس کی نحوست آج بھی جاگیرداریت کے نظام کی شکل میں ہمارے معاشرے پر چھائی ہوئی ہے۔

۳ـ ۳۶:۳۷

۴ـ کیونکہ عروج فکر زندہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے:۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

(بال جبریل)

۴۔ حالانکہ روح شریعت یہ تھی کہ:

کس نہ گرد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

(پس چہ باید کرد)

تفصیل کیلئے: معاشی مسئلہ اوراس کا اسلامی حل:

(از ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۵۔ **لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع (الحدیث)**

سورہ ماعون، ۷:۳، ۹۲:۹۲، ۱۷:۲۱، ۹۳:۱۰، ۹۵:۱۱:۱۶ و دیگر مقامات قرآن حکیم

۶۔ **الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم (علیؓ)**

۷۔ حالانکہ قرآن حکیم میں زکوۃ کا حکم وذکر (تقریباً) ۳۲ مرتبہ اور انفاق کا حکم وذکر اس سے دگنی یعنی (تقریباً) ۷۲ مرتبہ آیا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

۱۔ جہاد بالمال ۲۔ اسلامی فلسفہ زندگی باب ۵ (از ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۸۔ ۲:۲۱۹

۹۔ **کاذا الفقران یکون کفراً (الحدیث)**

۱۰۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو منہاج الافکار ج ۱ ص ۴۶۱ تا ۵۱۰

۱۱۔ ۳۶:۴۷، ۱۱:۸۷

۱۲۔ ۱۶:۷۱، ۴۱:۱۰

۱۳۔ الید العلیا خیر من ید السفلی (الحدیث)

۱۴۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل: ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

۲۔ خطبات لاہور۔ اسلام کا تصور معیشت: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

باب پنجم

لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا (۵:۴۸)

فقہی و قانونی فکر میں تغیر

برطانوی سامراج کے سامراجی تسلط کے بعد امت مسلمہ کی زندگی کے دیگر شعبہ جات کی طرح فقہی اور قانونی فکر میں بھی تغیرات آئے۔ برطانیہ جسے کہ برطانیہ عظمی کہا جاتا تھا کے عالمگیر تسلط سے پورا عالم اسلام متاثر ہوا' اس ہمہ گیر دور زوال میں عالم اسلام کی فقہی اور قانونی فکر میں تغیرات درج ذیل دو تناظرات میں آئے:

(۱) عملی تغیرات (۲) علمی و فکری تغیرات

فقہی و قانونی فکر میں عملی تغیرات

عالم اسلام کے برطانوی سامراج کے زیر نگیں آتے ہی شرعی عدالتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جب اسلامی نظام رائج تھا تو شرعی عدالتوں کا نظام قضا بھی رائج تھا۔ کہیں سرکاری اور کہیں نیم سرکاری حیثیت سے اس شریعت کو آئینی اور قانونی بالادستی حاصل تھی اور شرعی عدالتیں سپریم عدالتیں تھیں۔ عثمانی دور حکومت میں شیخ الاسلام کا حکم خلیفہ وقت کے حکم سے بھی بالاتر ہوتا تھا۔ اس دور میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ اسلامی عدالت نے ایسے نامزد شدہ حکمرانوں کو کالعدم قرار دے دیا جو حکومت کے اہل نہ تھے۔ خلافت بغداد جب زوال کا شکار ہوئی' منگول فتنہ چھا گیا' تاتاری سلطنت تشکیل پائی تو اس دور میں بھی عدالتوں کے ذریعے اسلامی قانون کے نفاذ و ترویج کو وہ بھی نہ ختم کر سکے کیونکہ اسلامی شرعی عدالتوں کے نظام کو معاشرے میں استحکام حاصل تھا مگر نئے سامراجی اور استعماری نظام کے تحت شرعی قانون کو شخصی قانون (Personal Law) بنا دیا گیا۔ اس دور تسلط میں شرعی عدالتوں میں شخصی قانون شرعی تھا مگر دیگر تمام معاملات میں قانون سیکولر ہو گیا۔ اقتصادی' سیاسی' تعلیمی اور زندگی کے دیگر معاملات سیکولر لاء کے تحت ہو گئے جس کے نتیجے میں زندگی دو اکائیوں میں

تقسیم ہو گئی یعنی دین ولادین اکائیاں الگ الگ ہو گئیں۔اس سے قبل زندگی ایک وحدت تھی اور عدالتیں بھی قانون کو ایک وحدت کے طور پر نافذ کرتی تھیں۔اب نکاح' طلاق' وراثت' عبادات وغیرہ کے مسائل تو شرعی دائرہ میں تھے مگر کاروباری معاملات معاہدات' تجارت' اقتصادیات' عقوبات وغیرہ سب سیکولر ہو گئے۔ تعزیرات' شہادات' تفتیش' عدالتوں کی تشکیل' فیصلے کا طریق کار یہ سب امور سیکولر قرار پائے اس کا اثر علمی کاوشوں پر بھی ہوا۔اس کے زیر اثر اسلامی ممالک میں دور زوال میں (اور تاحال) اسلامی قانون کے حوالے سے جو بھی کام ہوا وہ سب شخصی دائرے میں ہوا۔اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی اور قانونی طور پر عملی زندگی میں کتنا زیادہ تغیر آیا اور عملی زندگی کے حوالے سے شریعت کا دائرہ کتنا تنگ کر دیا گیا۔ عثمانی ترکوں کے آخری دور میں بھی جو فقہی اور قانونی کام ہوا وہ **مجلة الاحکام العدلیه** تیار ہوا جو ۱۸۰۰ دفعات پر مشتمل سول لاء تھا۔

اس دور زوال میں **القوانین الشخصیه** کے نام سے مصر میں قانون بنا' لیبیا میں قانون سازی شخصی دائرہ میں ہوئی۔اردن' شام' عراق اور پاکستان میں شخصی قانون سازی ہوئی۔۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس تیار ہوا یعنی ذہنی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اسلام کا تعلق صرف نکاح' طلاح اور وراثت کے مسائل سے ہے۔ڈی ایف ملا نے اسلامک لاء پر کتاب لکھی جو آج تک ایک ٹیکسٹ بک کی حیثیت رکھتی ہے وہ بھی فیملی لاء پر ہے۔وہ دستور' سیاسی' اقتصادی معاملات Torts وغیرہ سے بالکل بحث نہیں کرتے۔ بین الاقوامی معاملات عقوبات 'Procedural Law' عقوبات تعزیرات کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔پاکستان میں بھی قانون سازی اسی نہج پر ہوئی۔پاکستان کی عدالتوں میں نکاح' طلاق وغیرہ کے تمام فیصلے شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ Dissolution of Muslim Marriage Act بنا تھا اس میں ترمیم ہوئی اور اسے لے کر آگے چلتے رہے اس طرح باقی ساری زندگی سیکولر لاء میں چلی گئی اور زندگی کی دو اکائیاں بن گئیں اور دور زوال میں اسلامی دنیا کی قانون سازی میں شخصی قانون سازی کا دائرہ اپنا لیا گیا جبکہ زندگی کی

وحدت کو دینی ولادینی اکائیوں میں تقسیم کر دینے سے درج ذیل نتائج نکلے۔

۱) جب دو سو سال تک زندگی دو اکائیوں میں تقسیم ہو کر چلتی رہی اور اس میں کئی نسلیں گزر گئیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مذاہب اربعہ میں کسی ایک مذہب کی تقلید کا جو تصور چلا آ رہا تھا وہ آخر کار جمود اور تعطل میں بدل گیا اور عملی زندگی سے متعلق شرعی تحقیق اور فقہ جامد ہو گیا کیونکہ تحقیق فتاویٰ کا دائرہ کار کلیۃً شخصی قانون ہو گیا' زندگی کے دوسرے عملی گوشے پہلے ہی شخصی قانون سے نکال دیئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں کسی کو علماء سے استفسار کی ضرورت ہی نہ رہی چونکہ معاشرے میں دو قانون مروج تھے تو علماء سے طلاق' نکاح' طہارت' عبادات' مناکحات' وراثت و جنازہ وغیرہ کے مسائل ہی پوچھے جانے لگے۔ اب علماء کا غور و خوض' فکر تحقیق اور ارتقاء سب اسی دائرے تک محدود ہو گیا اس میں تصنیف' تالیف' افتاء وغیرہ کا تحرک جاری رہا اور باقی ساری زندگی شرعی مسائل کے دائرے سے کٹ گئی چونکہ شخصی معاملات سے متعلق مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تو تقلید کے تصور کا جمود و تعطل کا شکار ہو جانا ایک فطری نتیجہ تھا۔ اس دور میں لکھے جانے والے فتاویٰ مثلاً فتاویٰ دیوبند' فتاویٰ رضویہ' فتاویٰ ثناءاللہ امرتسری وغیرہ میں ساری تحقیق کا دائرہ طہارت' عبادات' تیمم' وضو' اذان' امامت' اقتداء و نماز وغیرہ کے مسائل ہیں اور باقی مسائل پر چند باب بھی نہیں ملے۔

۲) اجتہاد طلب مسائل کو شرعی دائرے سے خارج کر دیا گیا' زندگی کے ہزاروں ایسے مسائل تھے جن میں قوم کو رہنمائی فراہم کرنے کی ضرورت تھی مثلاً مختلف معاشرتی طبقات (Communities) باہم کس طرح ملیں گے؟ سیاسی' اقتصادی' عدالتی' حکومتی' بین الاقوامی' بینکاری' طبی میدان جیسے ہزارہا ایسے مسائل تھے جن میں تحقیق کی ضرورت تھی مگر چونکہ ان مسائل میں کوئی رہنمائی کے لئے شرعی و دینی فکر سے رجوع کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ یہ مسائل سیکولر فکر کے تحت کر دیئے گئے تھے نتیجتاً ان تمام دائروں میں کوئی تحقیقی و تخلیقی کاوش نہ ہو سکی۔

۳) اجتہاد کے دروازے کلیۃً بند کر دیے گئے اگر شرعی عدالتوں کا جامع نظام بند نہ کیا جاتا تو زندگی کے تمام مسائل شریعت کے تابع رہتے اور اجتہاد کے دروازے بھی کھلے رہتے کہ زندگی کے تمام مسائل میں شریعت کی طرف رہنمائی کے لئے رجوع کیا جاتا مگر اب یہاں تحقیق کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا وہ اور جو بھی تحقیق ہوئی وہ فقہ کے انتہائی محدود دائرے کے اندر ہوئی جس کے گواہ اس دور کے فتاویٰ ہیں۔

جبکہ امام اعظم کے اجتہاد سے ۸۰ لاکھ سے زیادہ مسائل مدون ہوئے اس طرح آپ کے تلامذہ نے فقہ حنفی کی تدوین کے حوالے سے جو کام کئے ان میں سے دو تہائی یا اس سے بھی زیادہ سیکولر نوعیت کے ہیں جبکہ ایک تہائی سے بھی کم طہارات و عبادات وغیرہ پر ہے ایک اندازے ک مطابق دور اولی کا ذخیرہ علم فقہ 9/10 حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے 1/10 حصہ حقوق اللہ سے متعلق ہے ایک اور تقسیم کے مطابق ۴۲ لاکھ مسائل سیکولر معاملات سے ۳۸ لاکھ دوسرے مسائل عبادات' مناکحات' آداب وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اس سے علم شریعت میں سیکولر معاملات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اب جب فقہی معاملات میں دائرہ تحقیق محدود ہو گیا تو دوسرا دائرہ عقائد کا سامنے آیا اب اس باب میں مباحث کا آغاز ہو گیا کہ کیا اللہ جھوٹ بول سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) کیا حضور کا مثل بنانے پر اللہ قادر ہے؟ (معاذ اللہ) ان مسائل کو شاہ اسماعیل دہلوی نے چھیڑا اور فضل حق خیر آبادی نے ان کا رد کیا غرضیکہ اب شفاعت' توسل' علم الغیب' معجزات' تصرف' حاضر و ناظر' نور و بشر وغیرہ جیسے موضوعات ہی دائرہ تحقیق قرار پائے۔ یہ ان دو صدیوں کی علمی تحقیق کا حاصل تھا۔

۴) اب تقلید کا نیا مفہوم سامنے آیا حقیقت میں تقلید یہ تھی کہ مذاہب اربعہ کی موجودگی میں کوئی نیا مذہب بنانے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی پیروی کریں اس کے علاوہ کوئی بھی جو تقلید کے معنی پر اضافہ کرتا ہے وہ دین اور شریعت پر ظلم کرتا ہے۔ تقلید کے اس معنی کو اختیار اس لئے کیا گیا کہ کوئی شخص' گروہ یا جماعت مل کر مذاہب اربعہ (یا مذاہب خمسہ) میں کوئی نیا مذہب نہ شروع کر دے مذاہب اور بھی تھے مگر امت کے تسلسل

نے ان کو ختم کر دیا اور وہ وقت کے ساتھ نہ چلے سکے جو مذاہب چودہ سو سال سے چل رہے ہیں ان میں اتنی وسعت و لچک اور ارتقاء کے ضابطے ہیں تو کسی نئے مذہب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اب آپس میں مسائل کے مابین تبادلے کی صورتیں بھی ہیں۔ یہ بھی تقلید کے خلاف نہیں یہ دور بھی ایسا ہے کہ مسائل اس قدر پیچیدہ ہوگئے ہیں تاہم ان کو آپس میں گڈ مڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ نماز حنفی، روزہ شافعی، نکاح حنبلی اور طلاق مالکی طریقے پر دے دیں۔

فقہ قرآن وسنت کے احکام کی منظم (Codified) شکل میں تشریح و توضیح ہے۔ امت پر ان آئمہ کا احسان ہے بصورت دیگر امت کے اندر زندگی میں وحدت اور یکسانیت پیدا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ان آئمہ کرام نے تمام اختلافات روایات کی چھان بین اور تطبیق کر کے مذاہب کی شکل میں اسلامی قانون مدون کر کے امت کو دیا۔ اس لئے چاروں مذاہب حق قرار پائے اور یہ ضابطہ ٹھہرا کہ ان میں سے کسی ایک کی پیروی کی جائے۔

مگر تقلید کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ کسی مسئلے پر کوئی اختلاف بھی نہیں کر سکتا۔ تقلید کا یہ تصور دراصل تقلید نہیں بلکہ جمود اور تعطل ہے اب رائج تصور تقلید یہ ہے کہ کوئی مجتہد ہو ہی نہیں سکتا کسی بھی معنی میں نہیں (مجتہد فی المسائل بھی نہیں) جو کوئی بھی ہو گا وہ مقلد ہی ہو گا۔ اب مقلد کہ کتاب وسنت کے دلائل سے بحث کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں دلیل سے بحث کرنے کا اختیار صرف مجتہد کے پاس ہے چونکہ مجتہد کوئی پیدا نہیں ہو سکتا اور اس کا اختیار مجتہد کے پاس ہے تو دلیل کا کام یہ رہ گیا کہ اسے طاق نسیاں کی زینت بنا دیا جائے بالفاظ دیگر کتاب وسنت سے عملاً لاتعلقی کا نام تقلید قرار پایا۔

۵۰) تقلید کا مندرجہ بالا تصور اپنانے کا اثر یہ ہوا کہ اس باب میں شدید ردعمل سامنے آیا تمام وہ مکاتب فکر جو فقہ کے خلاف ہیں وہ اس کا ردعمل تھے آئمہ اربعہ کے خلاف رکھا گیا اور فقہ کو خلاف شریعت ثابت کیا گیا ورنہ اس دور سے پہلے ہزار، بارہ سو سالہ دور میں ایک بھی ایسا عالم نہیں ملتا جس نے فقہ کی مخالفت کی ہو اور اسے فقہ کہہ کر مسترد کر دیا ہو۔ پہلے

اختلاف فقہ کے اندر رہ کر ہوتا تھا۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم حنبلی المذاہب تھے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی جو اپنی شدت و تعصب کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اپنی مثال نہیں رکھتے مذہباً حنبلی تھے وہ بھی حنبلی مذہب کو نہ چھوڑ سکے۔ یہ الگ بات کہ وہ عقائد وغیرہ کے باب میں اس سے نکل گئے۔ موجودہ صورتحال دراصل انتہاپسندی کا ردعمل تھی کہ عرب سے ہی فقہ کے خلاف سلفی تحریک شروع ہوئی حالانکہ سلف تو سارے فقہ پر چلنے والے تھے جبکہ یہ خلف تو سلفی نہیں خلفی تحریک کے علمبردار ہیں۔ اس دور میں بعض ایسے لوگ بھی سامنے آئے جنہوں نے کلیۃً فقہ کا انکار کیا بعض نے اسلاف کے اجتہاد کے خلاف نقطہ نظر اپنایا گو کلیۃً فقہ کا انکار نہ کیا بعض (مثلاً امین احسن اصلاحی) نے فقہی مذاہب و مجتہدین کے کام کی اہمیت کا انکار کیا بلکہ فنی بنیادوں پر اکثر حدیثوں کا انکار کر دیا کہ ذخیرہ حدیث از سر نو مرتب ہونا چاہئے اور فقط قرآن پر انحصار کیا گو انہوں نے علمی طور پر حدیث کا انکار نہ کیا مگر عملاً کر دیا مثلاً مسئلہ رجم جو حدیث سے ثابت ہے وہ اسے نہیں مانتے۔ جس طرح صرف فقہائے کرام کے کام کو ہی کل شریعت قرار دینے والے اجتہاد کے علمی طور پر قائل ہیں مگر عملاً نہیں۔ حدیث کا عملاً انکار کرنے والے حدیث کی تشریعی حیثیت (Legislative capacity) کو نہیں مانتے صرف تشریحی حیثیت (Interpretive capacity) کو مانتے ہیں یہی نقطہ نظر پرویز کا ہے ورنہ تشریحی حیثیت تو صحابہؓ سے آج تک ہر ایک کو درجہ بدرجہ حاصل ہے گویا اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت اور اصول شریعت سے بالکل کورے لوگوں، مفکروں، ادیبوں، وکلاء اور دانشوروں نے خود اپنی رائے کو اجتہاد کا درجہ دے دیا اور اپنی مجرد رائے کا نام اجتہاد رکھ دیا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد کا دروازہ کھول لیا۔

۶) دور جدید کے مسائل کا حل تشنہ رہ گیا۔ موجودہ مسائل مثلاً بینکنگ، سود، انشورنس، جدید طبی مسائل کی پیچیدگیاں وہ مسائل ہیں جن کے متعلق کتب فقہ ہمیں کوئی رہنمائی نہیں دیتیں۔ انہیں حل کے لئے تحقیق واجتہاد کی ضرورت ہے کیونکہ فقہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں منظم قانون ہے اور ہر فقیہ اپنے دور کا قانون

دان(Jurist) تھا۔ تاہم یہ کتاب و سنت کا متبادل ہر گز نہیں۔ آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق یہ امر ضروری ہے کہ آج کتب فتاویٰ کے نفاذ کی نہیں بلکہ کتاب و سنت میں قانون شریعت کے نفاذ کی بات کی جائے جس کی تعبیر و تشریح اس فقہ کی بنیاد پر ہو گی جو ملک کی اکثریتی آبادی کا فقہ ہے اور اس راہ میں پیش آمدہ تعطل اور پیچیدگیوں کو تمام مذاہب کو سامنے رکھ کر حل کیا جائے گا۔

۷) اجتماعی اور قومی سطح پر یہ سوال سامنے آیا کہ دور جدید کے مطابق کتاب و سنت کا قومی و ملی سطح پر نفاذ کس طرح ہو گا۔ آج قومی سطح پر معاشی' اخلاقی' سیاسی' روحانی اور معاشرتی و دیگر زندگی کی قدریں جو مٹ رہی ہیں کس طرح پھر زندہ ہوں گی؟ کیا صرف اسلامی فقہ کا نفاذ ان مٹتی اقدار کے زندہ کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس میں درج ذیل سوال ابھرتے ہیں:

۱۔ فقہ و قانون کا وظیفہ و عمل کیا ہے اس کا تعین کس طرح ہو گا؟

۲۔ معاشرے کی قدریں اگر مٹ چکی ہوں تو انہیں پھر کس طرح زندہ کیا جائے؟

۳۔ موجودہ تغیر کے آجانے کے بعد آج مذہبی ذہن اسلامی نظام سے کیا مراد لیتا ہے؟

۱۔ قانون اسلامی کا وظیفہ

معاشرے کے اندر جو دینی' ایمانی' سماجی اور اخلاقی اقدار موجود ہوتی ہیں۔ فقہ و قانون ان کی حفاظت کرتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون کا یہی فریضہ ہے کہ وہ موجودہ اقدار کو پامال کرنے والے فرد کو سزا دے مگر یہ مٹتی ہوئی قدروں کو زندہ نہیں کر سکتا جبکہ آج ہمارے معاشرے میں حالت یہ ہو چکی ہے کہ حلال طریقے سے چلنے والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب فقہی قانون رزق حلال فراہم نہیں کر سکتا آج معاشرے میں جو عدم مساوات اور غیر فطری تفاوت پیدا ہو چکی ہے اسے تو فقہ کے نفاذ سے دور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اقدار کا احیاء

معاشرے کی مٹتی ہوئی اقدار کو انقلاب کے ذریعے ہی زندہ کیا جا سکتا ہے' نفاذ فقہ سے نہیں۔ آج احیائے اقدار کے لئے معاشرے میں ضروری ہے کہ (۱) فکری اجتہاد اور (۲) عملی انقلاب بپا کیا جائے کہ فکری اجتہاد تحرک کو بحال کرے گا اور انقلاب کے لئے ماحول پیدا کرے گا اس طرح معاشرے کو ایک صالح نظام کی فکر ملے گی جبکہ عملی انقلاب کے ذریعے اسے نفاذ کرنے کی راہ ہموار ہو گی۔

۳۔ موجودہ مذہبی ذہن کی فکر

آج کا مذہبی ذہن اسلامی نظام سے مراد اسلامی قوانین کا نفاذ لے رہا ہے کہ فقہ اسلامی کا اجراء کر دیا جائے شریعت بل' شریعت آرڈیننس اس کی واضح مثال ہیں۔ ہر عالم دین سربراہ کی یہی رائے ہے کہ موجودہ قوانین کا ڈھانچہ ہٹا کر اسلامی قوانین کے ڈھانچے کو نافذ کرنا نفاذ اسلام ہے۔ ان کے نزدیک یہی نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہے جبکہ آج اسلامی نظام اسلامی قوانین کے اجراء کا نام نہیں بلکہ اسلامی نظام کے نفاذ کے دو مرحلے ہیں:

مرحلہ اولیٰ: کتاب و سنت کی بنیاد پر فکری اجتہاد کرتے ہوئے سیاسی' معاشی' معاشرتی' اقتصادی اور سماجی ڈھانچے میں بدل دیا جائے۔ امیر و غریب میں غیر فطری تفاوت کو ختم کیا جائے کیونکہ آج موجودہ ظالمانہ استحصالی نظام کی گرفت اتنی سخت ہے کہ انفرادی سطح پر کوئی بھی کسی قسم کا کردار ادا نہیں کر سکتا یعنی انقلاب چاہنے والے بھی اس نظام کے ہوتے ہوئے انقلاب بپا نہیں کر سکتے۔ موجودہ اجارہ داریت' سرمایہ داریت اور جاگیرداریت کے ہوتے ہوئے عدالتوں کے ذریعے اسلامی قوانین کا نفاذ اسلام نہیں بلکہ اسلام کی بدنامی ہے آتش شکم کو بجھائے بغیر فتووں کی تعلیم تو فقط افسانہ طرازی ہے۔

مرحلہ ثانی: عملی انقلاب کے لئے جدوجہد کی جائے موجودہ فرسودہ نظام کو

توڑنے کے لئے نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے بڑے بڑے بتوں کو للکارا جائے۔ مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد پہلے دن اسلامی قوانین نافذ نہیں ہوئے شراب و سود وغیرہ کی ممانعت بھی بعد میں آئی، حج بھی آخر میں کیا گیا آغاز مواخات سے ہوا، مکان، زراعت، تجارت، جائیدادیں سب کچھ تقسیم ہو گیا۔ یہ حقیقی نفاذ اسلام ہے اس کے بعد اسلامی قوانین کے نفاذ کا مرحلہ ہو گا آج لوگ اسلامی نظام کے خلاف اسی لئے ہیں کہ جس مرحلے کے آغاز کی ضرورت ہے اس کی بات کرنے والا کوئی نہیں موجودہ غیر اسلامی وغیر شرعی ڈھانچہ کو تحفظ دیتے ہوئے اسلامی قوانین و فقہ کے نفاذ کی بات کرنا "مسکینا ذا متربۃ" کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے جس کا لازمی رد عمل موجودہ مذہبی طبقے کو مسترد کرنے کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔

فقہی و قانونی فکر میں علمی و فکری تغیرات

دور زوال سے دوچار ہونے کے بعد ہماری سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے موثرات بدل جانے کے باوجود ہم نے اجتہاد سے صرف نظر کئے رکھا ہے نتیجتاً آج زندگی اور قانون کے تقاضے ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے ہیں۔ زندگی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہتی ہے جبکہ قانون خلاف ورزی کی سزا چاہتا ہے خواہ وہ زندگی کی کسی اشد ضرورت ہی کی تکمیل میں کیوں نہ سرزد ہوئی ہو۔ یہ دراصل نتیجہ ہے اجتہاد کے باب میں قومی و ملی فکر کے منجمد ہو جانے کا، معاشرے کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لئے اجتہاد کی کیا اہمیت ہے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ تصور اجتہاد کو دو تناظر میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے:

(۱) اجتہاد کا فکری تصور (۲) اجتہاد کا فقہی تصور

۱) اجتہاد کا فکری تصور

اجتہاد کے فکری تصور کی درج ذیل جہتیں ہیں:

(i) قانونی جہت (ii) معاشرتی جہت

(iii) معاشی جہت (iv) دینی جہت

i) قانونی جہت

یہ ایک بدیہی امر کہ قوانین معاشرے کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ معاشرے قوانین کے لئے چاہے وہ قوانین الٰہی ہوں وحی پر مبنی ہوں جس طرح امم سابقہ کے قوانین تھے چاہے غیر اسلامی قوانین ہوں' قانون سازی' عدالتوں کے نظائر' معاشرے کے عرف عادت (Customs, conventions) وغیرہ سے قوانین بنتے ہیں۔ یہ سب قوانین معاشرے کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ زندگی متحرک ہے اور زندگی کی ہر حالت کے تقاضے مختلف ہیں اور حالات کے بدلتے ہی زندگی کے تقاضے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح بدلتے حالات کا ساتھ دے کر ہی اور اسی رفتار سے چل کر ہی ان کا ساتھ دیا جا سکتا ہے یعنی جب ایک چیز متحرک ہو اور ہماری ذمہ داری اس متحرک شے کی ضرورت پورا کرنا ہو تو اس متحرک شے کی کفالت تب ہی ممکن ہے کہ ہم بھی متحرک ہوں اس طرح موثرات زندگی وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں اور قوانین کی غایت زندگی کی حرکت کو روکنا نہیں ہے بلکہ قانون تو دیا ہی زندگی کے لئے جاتا ہے اس کا مقصد زندگی کی حرکت کو صحیح سمت پر جاری رکھتے ہوئے اس کے بقا کے ضامن ہر دور کے تقاضے پورے ہوں تو زندگی کی بقاء وارتقاء قائم رہے گی بصورت دیگر زندگی جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اگر قانون نہ ہوگا تو زندگی کا تحرک تو نہ رکے گا نہ ہی اس کی ضرورتیں کم ہوں گی۔ ضرورتیں تو پوری ہوتی رہیں گی مگر اس سے فساد و تصادم جنم لے گا۔ باہمی کشاکش ہوگی' حق تلفی ہوگی اور اس طرح طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں گے اور زندگی کی اجتماعی حرکت صحیح سمت پر جانے کی بجائے غلط راستے پر چل نکلے گی۔ ضرورتیں غلط اور ناجائز طور پر پوری ہوں گی۔ انفرادی' اجتماعی اور معاشرتی سطح پر زندگی بگاڑ سے دوچار ہو جائے گی' قانون کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ

i- انفرادی واجتماعی زندگی کی حرکت قائم رہے۔

ii- زندگی کی حرکت صحیح سمت پر رکھنے کے لئے اس کی مدد کرے۔

iii- ہر دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی ضمانت دے۔

iv- قانون حقوق کا تحفظ کرے' طاقتور کو دست اندازی نہ کرنے دے اور یوں زندگی کو ظلم و استحصال کی بجائے محبت' رواداری اور خوش اسلوبی سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے دے۔

قانونی احکام کی دو حیثیتیں ہیں:

۱) ھیت اصلیہ (Actual/Real Spirit)

وہ بنیادیں' قدریں' تصورات اور احکام جو کتاب و سنت کی نصوص کی شکل میں دی جاتی ہیں یہ احکام و قوانین کے ڈھانچے میں کارفرما بنیادی روح ہے یہ زندگی کے اندر تحرک و ارتقاء کے جاری رکھنے کی ضمانت دیتا ہے اس طرح زندگی میں ایک تسلسل رہتا ہے۔ جس طرح انفرادی زندگی میں ایک تسلسل ہے اجتماعی زندگی میں بھی تحرک و ارتقاء برقرار رہتا ہے۔

۲) ھیت کذائیہ (Structural Form)

کتاب و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اخذ کردہ وہ قوانین شریعت جو زندگی میں نظم وضبط اور انقیاد پیدا کرتے ہیں تاکہ زندگی منظم رہے' دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ ہو' باہم ٹکراؤ اور تضاد پیدا نہ ہو اور زندگی کو اپنے تحرک کو جاری رکھنے کے لئے ظلم' ناجائز راستے اختیار نہ کرنے پڑیں۔ اسی طرح قانون کے بنیادی جزئیات کو اس طرح نافذ (Execute) کرنا کہ ان قواعد و ضوابط سے زندگی کے مقاصد بھی پورے ہوں اور ان کے نظم وضبط کے مابین سازگاری بھی پیدا ہو کہ باہمی تضاد اور تناقص سے نہ صرف انسانی زندگی کا تحرک جمود سے بدل جاتا ہے بلکہ مطلوبہ ضبط و انقیاد کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی قانون سازی کے عمل میں اجتہاد کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی سے قوانین

شریعت کو ہر دور کے بدلتے ہوئے حالات میں موثر نفاذ کی ضمانت ملتی ہے اسی سے وہ فی الواقع نتیجہ خیز بنتے ہیں اور اسی سے ان کی آفاقیت وابدیت قائم رہتی ہے۔

ii) معاشرتی جہت

ہیت اصلیہ کی روح کو قائم رکھتے ہوئے جب ہیت کذائیہ کے ڈھانچے کو بدلا جاتا ہے تو اس کے سامنے خصوصی تقاضے ہوتے ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ کے دور مبارک کو دیکھیں کہ وہ دور گلہ بانی کا دور تھا تجارت کا دور تھا پھر معاشرے کو ترقی ملی معاشرے کے موثرات زندگی بدلے۔ جوں جوں معاشرے میں ترقی ہوئی محدود معاشرہ بین الاقوامی معاشرہ بن گیا۔ تہذیب وثقافت کا باہمی تعامل ہوا۔ مختلف تہذیبیں باہم قریب ہوئیں۔ کئی رسم ورواج ملے' آمدورفت کے ذرائع بڑھے اور ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ اس طرح تجارت بھی بڑھتی گئی۔ اس کے بین الاقوامی روابط بڑھ گئے اس طرح تمام سلطنت میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ مہاجرین وانصار کے دور میں سرکار دوعالم ﷺ نے امیر ونائب بنائے شوریٰ عام وشوریٰ خاص بنائی مگر اسلامی فتوحات کے ساتھ یہی معاشرہ دمشق وایران تک جا پہنچا اور ۴۲ لاکھ مربع میل کا رقبہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ اس طرح کئی معاشرے اور تہذیبیں یکجا ہوئیں۔ اس طرح تبدیلی حالات سے ہیت کذائیہ میں بھی تبدیلیاں آئیں کہ حالات بدل جانے پر پرانے دور کا وضع کردہ ہیت کذائیہ کا ڈھانچہ موثر نہیں رہتا حتیٰ کہ انجام کار غیر موثر اور پھر تقسیم اور آخر میں غیر محترم ہو جاتا ہے اور لوگ اسے بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ آج دین' شریعت اور اسلامی قانون کو زندگی پکارتی ہے کہ کاش کوئی اٹھے اور قانون کے تحرک اور نظم میں مطابقت وسازگاری پیدا کردے اس کا نام اجتہاد ہے۔

iii) معاشی جہت

قرآن حکیم کے مطابق شریعت کی ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۳۸:۲)

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مقررہ مدت تک کرہ ارضی پر ہر انسان کے دو حق ہیں:

(۱) متاع (۲) مستقر

انہی دو کی وجہ سے انسانیت میں باہمی جنگ و جدال بھی ہوگا۔ یہی آیت فلسفہ تضاد کی بنیاد بھی ہے۔ اس طرح خوف و ہراس اور جنگ و جدال کی صورت میں لوگ خود کو غیر محفوظ تصور کریں گے۔ جن کے حقوق چھن جائیں گے کہ وہ رنج (sorrow) اور جن سے چھنا ہوں گے وہ خوف (fear) میں مبتلا ہوں گے اس طرح خوف و ہراس اور رنج و غم (sorrow & fear) کی سوسائٹی وجود میں آئے گی یہ ایک امر واقع ہے کہ اصلاً کوئی معاشرہ اس صورتحال سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ قرآن نے اس کا حل یہ دیا کہ اس کے حل کے لئے شریعت کا قانون اتارا گیا (۳۸:۲) جس کا مقصود یہ ہے کہ خوف و رنج سے آزاد معاشرہ وجود میں لایا جا سکے۔ معاشرے کو موجبات خوف و غم سے پاک کیا جائے وہ تمام عوامل جو عزت، مال و متاع اور زندگی کے لئے خوف کا موجب ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔

گویا قانون کی ھیت اصلیہ کا وظیفہ ہی یہ ٹھہرا کہ جس معاشرے میں قانون پر عمل ہو وہاں معاشرے کو خوف و غم سے نجات مل جائے جس معاشرے میں قانون نافذ کر کے بھی خوف اور غم سے نجات نہ ملے تو گویا مقتضائے شریعت پورا نہ ہوا اور تقاضائے شریعت یہ ہوا کہ ھیت کذائیہ پر نظر ثانی کی جائے تاکہ موجبات خوف و غم ختم ہوں اور معاشرہ خوف و غم سے آزاد ہو سکے۔ ھیت کذائیہ کا جزوی تنفیذی ڈھانچہ جہاں موجبات غم ختم نہ کر سکتا ہو وہاں ضرورت ہے کہ اس مقصود شریعت کو پورا کرنے کے لئے پھر سے کتاب و سنت سے

رہنمائی لی جائے کہ از سر نوھیت کذائیہ کی تشکیل نو ہو سکے اور معاشرے خوف و غم سے آزاد رہ سکے اس سارے عمل کا نام اجتہاد ہے۔

iv) دینی جہت

زندگی اور قانون کے تقاضے جدا جدا ہیں' زندگی ضروریات کی تکمیل چاہتی ہے جبکہ قانون خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دینا چاہتا ہے۔ جب یہ تقاضے باہم متصادم ہو جائیں تو دینی اقدار کی پاسبانی کرتے ہوئے زندگی گزارنے والے کیا کریں؟

مثلاً معاشی زندگی میں تعطل (Economic Deadlock) گوارا نہیں' محتاجی کی زندگی گوارا نہیں کی جا سکتی' قانون کا تقاضا ہے کہ سود وغیرہ حرام ہے اس کی اجازت نہیں۔ یہ غیر اسلامی معیشت کی حرمت پر اصرار کر رہا ہے اور زندگی اپنے معاشی مسئلے کے حل پر اصرار کر رہی ہے وہ کفالت اور ضروریات کی تکمیل کی ضمانت چاہتی ہے اگر ان دو کے درمیان توازن نہ ہو تو زندگی میں لازماً بگاڑ پیدا ہو گا یہ مسئلہ اس وقت حل ہو جاتا ہے جب ہم قران و دین کے اساسی طرز عمل اور آقائے نامدار ﷺ کی سنت مبارکہ کو دیکھتے ہیں۔ آقا ﷺ نے سود کو حرام فرمایا مگر قرض حسنہ کا نظام بھی دیا۔

و اقرضوا الله قرضاً حسناً (۲۰:۷۳) اور اللہ کو اچھا قرض دو (کہ خوشدلی سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔

سود بھی ایک طرح کا قرض ہے مگر بدترین قرض' اس کا نعم البدل قرض حسنہ ہے اب اس کے مختلف زاویے ہیں گویا حلال طریقے سے زندگی کے تقاضوں کی کفالت ممکن تھی پھر حرام طریقے کو منع کیا گیا۔ اسلام نے کبھی بھی حلال راستہ دینے سے قبل حرام کو منع نہیں کیا جس سے زندگی کو کوئی معاشی' معاشرتی یا سماجی ضرورت پوری ہو رہی تھی اسے یک لخت بند نہیں کیا گیا۔ یہ اسلام کا زاویہ نگاہ ہے مگر آج فقہ کا زاویہ نگاہ بن گیا ہے کہ چاہے حلال

ذریعہ میسر ہو یا نہ ہو حرام کو بند کر دو نتیجۃً لوگ حرام کو چھوڑیں گے نہیں اور حلال کا مذاق اڑے گا جب رزق حلال سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو رزق حرام سے کیونکر منع کیا جا سکتا ہے اس لئے امت کو دینی اقدار کے دائرے میں رکھنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حواشی

(باب پنجم)

۱۔ نتیجتاً سارا دین چند اختلافی مسائل کے اندر محصور کر دیا گیا۔ اور انہیں جاننے کا نام دین فہمی و دینداری قرار پایا۔ اس کے نتائج آج معاشرے میں فرقہ واریت کی صورت میں ظاہر ہیں کہ ایک مسلک مکتبہ فکر کے لوگ دوسرے مسلک و مکتب فکر کے لوگوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ سوچ دین سے اتر کر مسلک و مذہب کے درجے پر آ گئی ہے۔

۲۔ دلیل کیا ہے؟ قرآن و حدیث / کتاب و سنت دلیل ہے دلائل اربعہ (قرآن سنت اجماع و قیاس) میں دلائل اصلیہ قرآن و حدیث ہیں۔ آج کوئی کتنا بڑا عالم ہو مقلد ہی ہو گا مجتہد نہیں ہو سکتا گویا وہ کتاب و سنت سے بات ہی نہیں کر سکتا یعنی آج کتاب و سنت سے لا تعلقی کا نام تقلید بن گیا۔ عملاً دیکھیں تو اسطرح حنفیت کو دفن کر دیا گیا۔ علماء نے تو تقلید کو عامۃ الناس کے لئے واجب قرار دیا اور اہل علم و فضل کو تحقیق کی ترغیب دی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حنفی مذہب کو اپنایا مگر خود وہ مجتہد فی المسائل ہیں۔ انہوں نے خود اس امر کا اعلان کیا کہ میں اب تقلید کے دائرے میں نہیں آتا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان کے دور میں اس اعلان پر ان پر بھی کفر کا فتوی لگایا

گیا۔ آج فکری جمود و تنزل کا یہ عالم ہے کہ وہ تقلید جو عامی اور جاہل کے لئے تھی اس تصور کو عالم اور محقق کیلئے بھی رائج کر دیا گیا۔ یعنی ان پڑھ پڑھے لکھے' ادنی واعلیٰ مقلد و محقق کا امتیاز مٹا دیا گیا۔ فتاوی قاضی خان' فتاوی عالمگیری پر ہی مطلق انحصار نے علمی تحقیق کا راستہ بند کر دیا۔ اصل علم تو کتاب و سنت ہے اور باقی تمام علوم اس کے خادم مگر اصل سے تعلق توڑ دیا گیا۔

نوٹ: اس تصور کی وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے جو مسئلہ دیت پر کچھ علماء اور قائد انقلاب پروفیسر محمد طاہر القادری کے درمیان ہونے والی گفتگو کے صورت میں کراچی میں پیش آیا۔ تقریباً اڑھائی گھنٹے کی نشست میں قبلہ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ دیت پر قرآن وسنت حدیث و اصول فقہ سے دلائل دیئے وہ بالکل نہ تو بولے اور نہ ہی وضاحت طلب کی مگر گفتگو کے اختتام پر ایک سوال کیا۔ کیا آپ مجتہد ہیں یا مقلد؟ جب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں مقلد ہوں تو انہوں نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ آپ کو کتاب و سنت سے گفتگو کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے' شاید اسی لئے علامہ نے کہا تھا:

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟
منزل راہرواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟

(بال جبریل)

۳۔ یہ ردعمل بھی دراصل نتیجہ ہے تقلید میں شدت پسندی کا جب قرآن کی نص کا منسوخ ہونا بھی حدیث سے مانا جائے کہ قرآن کی نص حدیث سے منسوخ ہو سکتی ہے تو اس کا ردعمل حدیث کی تشریعی حیثیت سے انکار کی صورت میں سامنے آیا۔ تاہم شاہ ولی اللہ نے وراثت کے مسئلے میں حدیث کو قرآن کا ناسخ ماننے کی تصحیح کی کہ اس مسئلے میں ناسخ حدیث نہیں بلکہ خود قرآن کی ایک آیت 'آیت المواریث' ہے یعنی قرآن ہی قرآن کا ناسخ ہوگا۔ حدیث اس کی تبیین ہوگی۔

۴۔ بقول شاعر

بیچارگی کے ہاتھ سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہیے!

۵۔ ۱۱:۹۰۔۱۶

۶۔ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی مختلف مراحل سے گزرتی ہے دو، حمل' دور رضاعت' بچپن' جوانی اور بڑھاپا' اب ہر دور کے اپ تقاضے ہیں۔ ایک دور کے تقاضوں کو دوسرے دور پر لاگو نہیں ک جاسکتا۔ یعنی ایک بچے کو اس طرح تصور نہیں کیا جاسکتا جس طر ۴۰ سالہ فرد کو کیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر نتیجہ ہلاکت ہوگا۔ ا طرح زندگی کے ہر دور کے تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنا ہی زندگی ۔ تسلسل کی ضمانت ہے۔

۷۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں۔ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار

(از ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ)

ہیت اصلیہ: اس کے مصادر کتاب و سنت ہیں اللہ اور رسول کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اس سے بنیادی تصور ملتا ہے اور زندگی کو تحرک ملتا ہے۔ یہ قیامت تک برقرار رہے گی یہ خالق حقیق کا دیا ہوا ضابطہ ہے زندگی جس دور میں بھی داخل ہو جائے یہ نظام اس خوبی کا حامل ہے کہ زندگی کے تحرک کو قائم رکھے اور اس کے تقاضے پورے کرے۔

ہیت کذائیہ: یہ جزوی تفصیلات اور قوانین کا وہ ڈھانچہ ہے جو زندگی کے تحرک کو جاری رکھنے کیلئے نظم وضبط مہیا کرتا ہے۔ بدلتے حالات کے مطابق نظم وضبط مطلوب ہوتا ہے کتاب و سنت کی روشنی میں اس کیلئے ضابطے وضع کیے جاتے ہیں اس لئے Executive/Implimental discipline یعنی تنفیذی نظم پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہر دور کی ضروریات کے مطابق وضع کیا جائے گا۔ تاکہ ہیت اصلیہ کے مقصود کا تحفظ ہو۔ یہ حالات کے مخصوص ڈھانچہ / تقاضوں (Set of Circumstances) میں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر زندگی کے تحرک و نظم میں تصادم پیدا ہو جائے تو مقصد حاصل نہ ہوگا بلکہ زندگی کا تحرک بھی متاثر ہوگا اور معاشرے میں بھی فساد پیدا ہوگا۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگر نئے دور میں ہیت کذائیہ کی از سر نو

تشکیل نہ کریں گے تو:

i۔ زندگی کا تحرک رک جائے گا۔ (واقعۃً تو نہ رکے گا مگر ہیت کذائیہ کی متعین کردہ شکل کا ساتھ نہ دے سکے گی)

ii۔ نتیجتاً زندگی کا نظم بگڑ جائے گا۔ انارکی، فسق و فجور، انحراف، حق تلفی اور استحصال عام ہو جائے گا۔

iii۔ نظم اور تحرک میں تصادم اور جنگ شروع ہو جائے گی۔

جمود و تعطل برقرار رکھنے والے ایک طرف اور تحرک کی بقا کی جنگ لڑنے والے دوسری طرف ہو جائیں گے یہی صورتحال آج ہمارے معاشرے کی ہے۔

نظم تب ہی برقرار رہے گا جب تحرک کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اگر نظم نے تحرک کا ساتھ نہ دیا تو یہ ٹوٹے گا۔ ان میں تصادم ہو گا۔

زندگی کی حرکت تو کبھی رکے گی نہیں وہ میسر حالات سے اپنی ضروریات پوری کرے گی نتیجہ یہ ہو گا کہ خطبات اور وعظوں میں نظم اپنانے کیلئے تلقین ہو گی مگر معاشرے میں اسی نظم کو پامال کیا جائے گا۔ اس طرح اللہ کے دین کے ساتھ مذاق ہو گا۔ زندگی اپنے مسائل کے حل کیلئے چیخے گی مگر نظم اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ لوگ اس صورت حال میں نظم کے پیچھے نہیں، تحرک یعنی ضروریات زندگی کی کفالت کے پیچھے بھاگیں گے معاشرے میں اسلامی قانون کا احترام، لحاظ اور اعتماد اٹھ جائے گا۔ آخر میں یہی کیفیت دین کے بارے میں ہو گی یہاں قصور دین کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جنہوں

نے ہیت کذائیہ کی تشکیل نو کرنا تھا لا نبی بعدی کا مفہوم یہی ہے کہ ہیت اصلیہ دائمی ہے اس کا بدل دینے کی ضرورت نہیں اور العلماء ورثۃ الانبیاء مفہوم یہ ہے کہ علماء ہیت کذائیہ مہیا کریں گے۔ اس طرح اسلام جو کہ ابدی دین ہے عملاً کبھی بھی ازکار رفتہ نہیں ہوگا۔

جو ہیت کذائیہ کی تشکیل نو کی متقاضی ہوئیں:۔

اس نکتے کی وضاحت حضرت امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کے طریق کا تقابلی مطالعہ کرنے سے ہوتی ہے امام مالک مدینہ پاک میں مقیم تھے۔ جہاں معاشرت' معیشت طرز بود و باش اتنی نہیں بدلی تھی کہ ابھی یہاں اسلام کو آئے ایک صدی بھی نہیں گزری تھی مگر کوفہ جو اسلامی مملکت کا مرکز تھا وہاں حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ یہاں اور بغداد میں یونانی افکار کی یلغار تھی۔ مدینہ طیبہ میں زندگی کی پیچیدگی بہت کم تھی یعنی مقابلتہً دور نبوی اور امام مالک کے دور میں بہت کم تغیر آیا تھا۔ مگر امام اعظم کے علاقے میں زمانی بعد کے کم ہونے کے باوجود مکانی اور حالات کے بعد نے معاملات کو بہت بدل دیا تھا۔ اس لئے امام مالک کو ہیت کذائیہ بدلنے کی بہت کم ضرورت پڑی مگر امام اعظم کو بہت ضرورت پڑتی تھی۔ آپ کو استحسان' استنباط سے زیادہ کام لینا پڑتا تھا۔ لہذا آپ کو اہل رائے کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ اگر امام مالک کے مصادر فقہ دیکھیں تو اس میں قیاس نام کی کوئی چیز نہیں۔ ان کے مصادر قرآن سنت' خبر واحد' عمل صحابہ و عمل اہل مدینہ تھا۔ ان کا انحصار انہیں پر تھا کہ ان کے دیئے ہوئے ہیت

کذائیہ کا اطلاق اس ماحول میں ممکن تھا مگر جس جگہ امام اعظم تشریف فرماتے تھے وہاں بنیاد تو کتاب و سنت ہی تھی مگر اس بین الاقوامی مرکز پر اہل مدینہ ہی کے عمل سے کس طرح کام چل سکتا تھا۔ لہذا انہیں اجتہاد سے کام لینا پڑتا تھا۔ شریعت کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔

i۔ اجتہاد اجتماعی.........اجماع

ii۔ اجتہاد انفرادی.........قیاس

کبھی اجتہاد ضابطے سے بھی مطلوبہ نتائج سامنے نہ آئے تو کتاب و سنت کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے استحسان اور عرف سے کام لینا پڑتا تھا گویا ایک ہی زمانے میں Set of circumstances کے بدلنے سے دو مختلف جگہوں پر ہیت کذائیہ میں کتنی زیادہ تبدیلی آئی۔ جب ایک ہی وقت میں تبدیلی کا یہ عالم ہو تو چودہ صدیاں گزر جانے پر زندگی کے موثرات اور تقاضوں کے بدلنے کا کیا عالم ہو گا۔ جب اس دور میں ہیت کذائیہ کی تشکیل نو کرنا پڑی تو آج بدرجہ اولی کرنے کی ضرورت ہے نتیجہ سامنے ہے کہ اہل نظم مائل بہ شکست ہیں اور معاشرے میں ان کا احترام' اعتقاد اور انجام کار نظم پر سے عمل اٹھ رہا ہے اس لئے ہر دور میں اس دور کے مخصوص حالات (Set of circumstances) اور اس دور کی مخصوص حکمتوں اور مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اصول وضع کئے جائیں گے۔

۹۔ یہ شرف و امتیاز بھی تحریک منہاج القرآن کی بانی قیادت کو حاصل ہے کہ قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فلسفہ تضاد

(جس کے موجد ہونے کے دعویدار سوشلسٹ مفکرین ہیں) براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کیا۔ اور اس تضاد کی بنیاد کو بھی متاع (معاشی حقوق) اور مستقر (سیاسی وسماجی حقوق) کی صورت میں براہ راست آیۃ قرآنی سے اخذ کیا۔

بعضکم لبعض عدوا ولکم فی الارض متاع و مستقرالی حین (۲:۳۶)

نیز اجتہاد کے فقہی تصور کیلئے ملاحظہ ہوں

i۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

ii۔ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار

iii۔ عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد

iv- Philosophy of Ijtehad & Modern World.

از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

باب ششم

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله (٤ : ٦٤)

عمرانی و سماجی فکر میں تغیر

دور زوال میں امت مسلمہ کی زندگی کا عمرانی اور سماجی پہلو بھی تغیرات کی زد میں آیا۔ زندگی کا عمرانی اور سماجی پہلو دراصل حیات اجتماعی کے معاشرتی پہلو سے عبارت ہے۔ حیات اجتماعی کی سہ سطحی ساخت یوں ہے:

معاشرت　　　معیشت　　　سیاست

اور یہ تینوں سطحیں باہم یکدگر متعلق اور مربوط ہیں یعنی ایک سطح کا بگاڑ دوسری سطح کو متاثر کرے گا۔ معاشرتی سطح پر دور زوال میں یہ تغیر آیا کہ امت مسلمہ کی عمرانی وحدت دین کی بجائے وطن پرستی بن گئی۔[1] وطن پرستی نے ہیئت اجتماعی سے جذبہ اخوت کو مفقود کر دیا اور اخوت کی جگہ نسلی تفاخر اور خود پسندی نے لے لی۔ یہ نسلی تفاخر علاقائی اور طبقاتی گروہ بندیوں پر منتج ہوا۔ میدان معاشرت کا یہ بگاڑ معیشت میں بخل' ہوس گیری' لالچ' مفاد پرستی اور اکتناز کا سبب بنا جس کے نتیجے میں میدان سیاست میں ہوس اقتدار قاعدہ وضابطہ رائج الوقت بن گئی اور اقتدار کے حصول کے لئے جائز وناجائز کی تمیز اٹھ گئی۔

دور جدید کی جاہلیت

یہ دور جدید کی جاہلیت ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں انسانیت باہمی افتراق کا شکار ہو رہی ہے۔ اس باہمی افتراق کا اثر امت مسلمہ پر بھی پڑا یہ افتراق دو نوعی ہے:

نسلی افتراق　　　طبقاتی افتراق

نسلی افتراق

اس سے عربی، عجمی تقسیم اور پھر عرب و عجم کے اندر بھی نسلی و خاندانی تفوق و تکبر پیدا ہوا۔

طبقاتی افتراق

اس سے حاکم و محکوم' امیر و غریب اور عیاش و محتاج طبقات وجود میں آئے۔ امت مسلمہ میں یہ افتراق معاشرتی زندگی میں پیدا ہونے والے اس بگاڑ کا نتیجہ ہے جسے قران حکیم کی زبان میں درج ذیل چار اصطلاحات سے واضح کیا جا سکتا ہے:

ا۔ حمیۃ الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح محدود حمیت و عصبیت مثلاً وطنی' علاقائی' نسلی' لسانی اور طبقاتی اور گروہی عصبیتیں) اسی عصبیت کے باعث اپنی وفاداریوں اور مفادات کو محدود پیمانوں پر متعین کرنا خود کو ایک ہمہ گیر وحدت میں منسلک کرنے کی بجائے مختلف طبقات میں منقسم کر لینا اور ان ہی محدود وفاداریوں کو اپنی معاشرتی کی بنیاد تصور کرنا بلکہ ان ہی کو وجہ شرف اور بنائے تفاخر قرار دینا حمیۃ الجاہلیہ ہے اور اسلام اس کو کلیۃً نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے۔

۲۔ ظن الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی افکار و نظریات اور توہمات و تصورات) وہ تمام مذہبی' سیاسی' معاشی' معاشرتی و تہذیبی تصورات جو غیر اسلامی فکر سے جنم لیتے ہیں۔ ظن الجاہلیۃ ہیں۔ ان کی وجہ سے پوری معاشرتی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے

کیونکہ ہر شعبہ زندگی کسی نہ کسی باقاعدہ تصور اور نظریہ سے تشکیل پاتا ہے اور اسی تصور کے باعث زندگی کے ہر عمل کی صحت و عدم صحت اور نوعیت متعین ہوتی ہے۔

۳۔ تبرج الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح نمائش حسن، عریانی، آبرو باختگی اور اظہار جمال کی مختلف صورتیں) نمود و نمائش اور زندگی کے مصنوعی وقار اور حسن و جمال کی خاطر طرح طرح کے فیشن اور بے جا مصارف جو بالخصوص عورتوں کی زیب و زینت کی نذر ہوتے ہیں۔ تبرج الجاہلیۃ کے ضمن میں آتے ہیں ان کی وجہ سے معاشرتی اور عائلی زندگی نہ صرف ناروا بوجھ تلے دب جاتی ہے بلکہ پوری زندگی تصنع اور بناوٹ کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔ سادگی اور حقیقت و اصلیت ناپید ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ "تبرج" کی مختلف صورتیں ضروریات زندگی یا تقاضہ ہائے عزت کے طور پر اس طرح ناگزیر ہو جاتی ہیں کہ بالآخر انسان ان کی خرط نہ صرف پائی پائی کا محتاج ہو جاتا ہے بلکہ اخلاقی فضائل اور مذہبی اقدار کا بھی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ یہ نمائش معاشرے میں گناہ و معصیت کی زندگی کو بھی رواج دیتی ہے۔

۴۔ حکم الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی طاغوتی قوانین) کسی معاشرے کا وہ قانونی ڈھانچہ جو اپنی اصل ماہیت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہو اور اخلاقی زندگی کا صحیح تحفظ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو حکم الجاہلیۃ کہلاتا ہے۔ سوسائٹی کے وہ تمام قوانین جو قرآن و سنت سے انحراف پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کی ناروا پیچیدگیاں اور مخصوص ضابطے انسانی زندگی میں بجائے سہولت و آسائش مہیا کرنے کے دشواریاں پیدا کرتے ہیں اور ان کی ساخت میں انسانی ذہن کے تراشیدہ ہونے کی وجہ سے جو خامیاں پیدا ہوتی غیر

اخلاقی زندگی کو جنم دیتی ہیں۔ اس بگاڑ کی اصلاح بھی حسب ترتیب چار نوعیت کے اقدامات سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ تمام محدود گروہی وفاداریوں اور عصبیتوں کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے بلکہ ایسی عصبیتوں کو ہوا دینے کی کوشش کو قومی وحدت اور سالمیت کے خلاف سازش تصور کرتے ہوئے قوت سے دبا دیا جائے اور اس کے برعکس پوری معاشرتی زندگی کو ایک وحدت میں بدلنے کے لئے موثر جدوجہد کی جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام غیر اسلامی، منفی اور تخریبی افکار و نظریات کا قلع قمع کیا جائے تاکہ معاشرے کی اجتماعی زندگی نظریاتی خالصیت سے بہرہ ور ہو اور ہر عمل کو صحیح فکر کی رہنمائی حاصل ہو۔

تیسرے یہ کہ سادہ اور باعصمت زندگی کے منافی نمود و نمائش اور تعیش و سفلہ نوازی کی تمام صورتیں یکسر ختم کر دی جائیں بلکہ سادہ زندگی کا نظام قانوناً اس طرح جاری ہو گا کہ کسی کو بھی تبرج یعنی بے جا زیب و زینت کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت کی بھی اجازت نہ ہو سکے۔

چوتھے یہ کہ مذکورہ بالا سیاسی، معاشی اور معاشرتی مقاصد کے حصول کے لئے قرآن و سنت پر مبنی نظام قانون نافذ کیا جائے۔ اگر قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں اور طاقتوں کے پیش نظر سرے سے مذکورہ بالا مقاصد ہی نہ ہوں جن کی خاطر قانونی ڈھانچہ بدلنا درکار ہے تو بغیر انقلابی مقاصد اور منصوبہ بندی کے شریعت کے جزوی احکام نافذ کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ مذکورہ بالا بگاڑ چونکہ قومی سطح پر واقع ہوتا ہے اس لئے اس کی اصلاح کی جدوجہد بھی اسی سطح پر ہونی چاہئے اگر ان حقائق کو نظرانداز کر کے نفاذ شریعت کی مخلصانہ کوشش بھی کی جائے تب بھی مطلوبہ منزل کا حصول ممکن نہیں۔

یہ وہ لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے قومی نصب العین کا حاصل کرنا نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہو سکتا ہے کہ جدوجہد کا آغاز مذکورہ بالا تصور کے مطابق سیاسی انقلاب سے ہو اس کے سیاسی انقلاب کے نتائج کو معاشی انقلاب کے ذریعے محفوظ کیا جائے اور معاشی انقلاب کی تکمیل کے بعد معاشرتی انقلاب کی طرف متوجہ ہوا جائے کیونکہ یہ مرحلہ دائمی طور پر جدوجہد جاری رکھنے کا ہے اسی طریق کو اپنا کر ہی مطلوبہ اخلاقی انقلاب بپا ہو سکتا ہے۔

موثرات حیات کی تبدیلی کا اثر

موثرات حیات کی تبدیلی نے امت مسلمہ کے زاویہ نگاہ کو بدل ڈالا اگرچہ ان کا طرز عمل تو وہی رہا کہ وہ اقدار اسلام کی پابندی میں زندگی گزار رہے ہیں مگر طرز عمل کے پیچھے کارفرما زاویہ نگاہ کے بدل جانے سے وہ اس طرز عمل کی برکات و ثمرات سے محروم رہے نتیجۂ عمرانی و سماجی سطح پر زندگی پر لادینیت (Secularism) کا غلبہ ہو گیا چونکہ عملاً زندگی لادینیت کی زد میں چلی گئی تو معاشرے میں اسلامی اقدار حیات کو قانونی تحفظ حاصل نہ رہا۔ معاشرتی سطح پر اخوت کی جگہ نسلی تفاخر اور علاقائی تفوق کے عناصر کے در آنے سے اسلامی معاشرہ کی اساس جو کہ کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت تھی، اسلامی معاشرہ اس سے محروم ہو گیا اور مطیع و مطاع کا وہ تصور جو شریعت اسلامی کا عطا کردہ تھا وہ معاشرے سے اٹھ گیا۔ حیات عمرانی کے جملہ شعبوں (معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت وغیرہ) کے تقاضے لادینی نظام سے پورے ہونے کے سبب، مذہب قومی یا ملی معاملہ کی بجائے انفرادی، شخصی، نجی و ذاتی و انفسی معاملہ بن گیا اور حیات عمرانی کی اساس وطن پرستی قرار پائی۔ ہندوستان میں بھی علماء دین اس تغیر کی زد میں آئے اور بیرونی تسلط سے نجات کے حصول کے جوش و خروش

میں ہندو مسلم تشخص کے امتیاز کو نظر انداز کر بیٹھے اور وطن پرستی کے فتنہ کا شکار ہو گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والے دور میں قیادت کلیۃً جدید تعلیم یافتہ ہاتھوں میں چلی گئی۔ ؎

فتنہ وطن پرستی اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر میں جب علماء وطن پرستی کے فتنہ کا شکار ہو رہے تھے۔ اقبال نے اس کا ادراک کیا اور اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ملت اسلامیہ کی بنیاد وطن نہیں دین اور نسبت مصطفوی ہے اقبال نے جا بجا صدا بلند کی۔ "Statesman" میں ۱۰ جون ۱۹۳۵ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک خط میں اقبالؔ نے اس امر کی وضاحت کی کہ مسلم ملت کی اساس کیا ہے؟

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں مثلاً برہمو ار خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا

ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو رستے ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہو تا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔"

اس حوالے سے اقبال کی فکری خدمات کا تفصیلی تذکرہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ خود تحریک پاکستان مسلمانان برصغیر کے ضمیر کی اس آواز کی غماز ہے کہ ہندو غلبہ کے تحت مسلم تشخص کے مٹ جانے کا خدشہ ہی مسلمانان برصغیر کو ایک الگ وطن کے مطالبے پر لے آیا۔ ؂

عمرانی و سماجی فکر میں تغیر کا سبب

امت مسلمہ اس عظیم تغیر کا شکار کیوں ہوئی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں پر تسلط حاصل کرتے ہی استعماری نظام لاگو کر کے شرعی نظام کو ختم کر دیا جو مسلم معاشرے کے لئے عمرانی اساس و وحدت کا کردار ادا کر رہا تھا۔ جب عملی زندگی میں تقاضائے حیات لادینی نظام سے پورے ہونے لگے تو زندگی میں دین صرف عبادات کے دائرے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ عبادات اور معاملات میں اس خلیج نے عبد اور معبود میں موجود اخلاص باللہ کے چراغ کو گل کر دیا۔ اخلاص باللہ کے معدوم ہونے سے مسلم معاشرے کی اپنی اساس سے عصبیت بھی زائل ہو گئی۔ حیات اجتماعی کی اپنی اساس سے عصبیت کے زائل ہونے کا نتیجہ اس کے افتراق نسل و علاقہ کی شکل میں سامنے آیا۔

دین دور عروج میں (قانون، کلام و تصوف کی شکل میں) مسلمانوں کے لئے

زندگی کی قوت و حرارت کا باعث تھا۔ دور زوال میں دینیت و لادینیت کی تفریق کے بعد مسلمان زندگی کی قوت و حرارت سے محرومی کا شکار ہو گئے' جب جدید الحادی اشتراکیت اپنے نظریات کی بناء پر قوت و ولولے کے نئے سر چشموں کا اعلان کر رہی تھی۔ دور جدید کے مسلمان ممالک (ترکی' مصر' ایران) کا قوت و حرارت کے نئے سر چشموں کے حصول کے لئے زمین پیوندی' حب الوطنی' قوم پرستی' رنگ و نسل سے وابستگی کی طرف مائل ہونا ایک قدرتی امر تھا۔[6]

اس عمرانی و سماجی تغیر کی وجہ سے اصلاح احوال کے راستے مسدود ہو گئے کیونکہ:

۱۔ کلمہ طیبہ کی جگہ وطن پرستی اور علاقائی عصبیتیں عمرانی وحدت قرار پائیں۔

۲۔ مذہب صرف نجات اخروی کا ذریعہ بن گیا۔

۳۔ مذہبی قیادتوں نے عملاً لادینیت سے سازگاری اختیار کر لی۔

۴۔ معاشی مفادات کا تحفظ دین فروشی سے مربوط ہو گیا۔

۵۔ نتیجۃً معاشی طور پر مقتدر طبقوں (سلطان جائر) کے خلاف صدائے حق بلند کرنا بند ہو گیا۔[7]

تدارک کا منہاج

ان موانعات کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ حیات عمرانی کی ترقی کے منہاج کو سمجھا جائے جو درج ذیل تین مراحل سے عبارت ہے:

۱۔ انسانی شخصیت کی نشوونما

۲۔ ہیئت عمرانی کی (اعلیٰ اقدار کی استواری کے ساتھ) تکمیل

۳۔ ماحول کی تسخیر

مگر آج دو مراحل کو نظر انداز کر کے جب صرف آخری مرحلہ کو روبہ عمل کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں تو اس کا نتیجہ تخریب کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کا سبب وہ خوف ہے جس میں مغرب کو سپنگلر (Oswald Spengler)، رسل (Bertrand Russel) اور ٹوائن بی (Toynbee) نے یہ کہہ کر مبتلا کر دیا ہے کہ مغربی تہذیب تباہی کی منازل طے کر رہی ہے اور مٹ کر رہے گی مگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عمرانی حیات کی بقا اس طرح ہی ممکن ہے کہ مادی حیات کو اخلاقی حیات کے تابع کیا جائے۔ عمرانی وجود کے باطن اور ظاہر میں وحدت اور ہم آہنگی پیدا کی جائے بایں طور کہ

۱۔ عمرانی وجود کے ظاہر کے ارتقاء کے جوش میں باطن کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۲۔ عمرانی وجود کے باطن کو اس طور ترقی دی جائے کہ وہ ظاہر کو متاثر کرے اور اس کے لئے تعمیری اور مثبت سمت کا تعین کرے۔

۳۔ عمرانی وجود کے ظاہر کی تمام تر تبدیلی باطن کے تحت ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۱:۱۳)	بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آیت متذکرہ میں تغیر ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں کو محیط ہے۔ جب حیات عمرانی اور سماجی وجود کو تغیرات کے اثر سے پاک کر کے ایک مثالی شکل کے لئے جستجو کی جائے تو قرآن حکیم کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کے درج ذیل خصائص سامنے آتے ہیں:

۱۔ وحدت نسل انسانی اور شرف و تکریم انسانیت کے ایسے تصور پر مبنی ہوں جس سے محدود گروہی 'لسانی' علاقائی اور طبقاتی عصبیتیں معدوم ہو سکیں۔

۲۔ اس کی بنائے استحکام حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس سے ایسی غیر مشروط اور مخلصانہ دائمی وفاداری ہو کہ شرک فی النبوۃ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔

۳۔ اس کے افراد اس طرح روحانی الذہن ہوں کہ ان کی تمام تر جدوجہد میں محرک عمل رضائے الٰہی کی جستجو اور اساس عمل مطالبہ حقوق کی بجائے ایتائے حقوق ہو تا کہ معاشرے کا کوئی فرد بھی محرومی کا شکار نہ ہونے پائے۔

۴۔ اس کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی تمام داخلی اور خارجی موجبات خوف و غم سے محفوظ ہو جائے۔ اور

۵۔ وہ بین الاقوامی سطح پر غلبہ حق کی خاطر داخلی اور خارجی محاذوں پر تمام باطل طاغوتی' استحصالی اور منافقانہ قوتوں کے خلاف غیر مصالحانہ انقلابی جنگ فیصلہ کن مرحلہ تک جاری رکھ سکے۔ ؎

ہیئت عمرانی کی تشکیل نو کی ضرورت

جب ان اوصاف کے حامل مثالی معاشرے کے قیام کے لئے امت مسلمہ روبہ عمل ہو گئی تو اسے اپنی ہیئت عمرانی کی تشکیل نو کے لئے قرآن حکیم سے ہدایت لینی ہو گی یعنی ہیئت عمرانی کی وہ تمام بنیادی اکائیاں جن سے سماجی وجود ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے بارے میں اپنے زاویہ نگاہ کو Quranize کرنا ہو گا اور اپنے دور زوال کے Chronic تصورات کو Quranic تصورات سے بدلنا ہو گا۔ حیات عمرانی کے حوالے سے فرد اور جماعت پر مشتمل درج ذیل اکائیاں سامنے آتی ہیں:

(۱) خاندان (۲) مسجد

(۳) مدرسہ (۴) ریاست

۱)خاندان

خاندان حیات عمرانی کی وہ بنیادی اکائی ہے جو زوجین کے درمیان نکاح کے ذریعے ایک معاہدے کی حیثیت سے وجود میں آتا ہے جو جہاں ایک طرف حیات اجتماعی کی بنیاد ہے تو دوسری طرف اس کے تسلسل وبقائے نسل کا ذریعہ بھی۔

خاندان کی بنیاد یعنی زوجین کے باہمی تعلق اور حقوق و فرائض اور ان کے باہمی رویہ کے ضوابط کی تفصیلات کو قرآن حکیم نے درج ذیل آیت میں اختصار کے باوجود انتہائی بلیغ انداز میں بیان کر دیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲:۱۸۷) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

۱۔ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہہ کر باہمی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔

۲۔ زوجہ کے لباس ہونے کے ذکر کو مقدم کر کے شوہر کو خاندان کی اکائی کے قائم رکھنے اور اس کی بقاء کے حوالے سے اساسی ذمہ داریوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔

۳۔ لفظ لباس کا استعمال حیاتی و جمالیاتی ورثہ (اقدار و روایات) کے لئے خاندان کی اہمیت اور اس کے بقاو تسلسل کی سبیل کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

اس حوالے سے قرآن کی کئی دوسری آیات بھی حیات عمرانی میں خاندان کی اہمیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ خطبہ نکاح جو کہ زوجین کے مابین ازدواجی زندگی کے معاہدے کی بنیاد ہے وہ بھی خاندان کی اہمیت اور اس کے قواعد وضوابط کا احاطہ کرتا ہے۔

الحمد والثناء لله تعالیٰ الحمد لله نحمده و نستعینه و نستغفره و نعوذ به من شرور انفسنا و سیئات اعمالنا' من یهده الله فلا مضل و من یضلله فلا هادی له و قال تبارك اسمه و تعالیٰ ذکره: وهو الذی خلق من المآء بشرا فجعله نسباً و صهرا و كان ربك قدیرا. فامر الله یجری الی قضائه' ولکل قضاء قدر' ولکل قدر اجل' یمحو الله ما یشاء و یثبت و عنده ام الکتاب. الشهادتان اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له و اشهد ان سیدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله.

الصلوة والسلام علی سیدنا رسول الله.

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آله و صحبه بالغدو الاصال اللهم سلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آله و صحبه بعدد النساء والرجال اللهم بارك علی سیدنا و مولانا محمد و علی آله و صحبه بعد الخلق والرمال.

الایات القرآنیة

یاایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون. یاایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس احدة و خلق منها زوجها و بث منها رجالا کثیرا و نساء واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام. ان الله کان علیکم رقیبا.

☆ واتوا الیتمی اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالهم الی اموالکم انه کان حوباً کبیرا.

☆ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنی و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلو افواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلك ادنی الا تعولو!

☆ ومن آیته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة و رحمةً ان فی ذلك لآیات لقوم یتفکرون

الاحادیث النبویة

قال سیدنا رسول اللهﷺ: یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج' فانه اغض للبصر و احصن للفرج

☆ وقال علیه الصلوة والسلام: الدنیا متاع' و خیر متاعها المراة الصالحة

☆ وقال علیه الصلوة والسلام: النکاح من سنتی' فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی

☆ وقال علیه الصلوة والسلام: تنکح المراة لا ربع لما لها ولحسبها ولجما لها ولدینها' فاظفر بذات الدین

☆ وقال علیه الصلوة والسلام: ما اکرمهن الا کریم وما اهانهن الا لئیم

☆ وقال علیه الصلوة والسلام: تزوجوا ولا تطلقوا' وقال: ابغض الحلال الی الله الطلاق' و قال: ان الله لا یحب الذواقین ولا الذواقات

☆ **ومن حق الزوجة علی احدنا ان تطعمها و تکسوها و ان لا تضرب و جهها ولا تقبحها**

☆ **وقال علیه الصلوٰۃ والسلام: اکمل المومنین ایماناً احسنهم خلقا و خیارکم خیارکم لنسآئهم و قال انا خیر کم لاهلی**

☆ **یاایها الذین امنو اتقوا الله و قولو قولا سدیدا. یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم ومن یطع الله و رسوله فقد فاز فوزاً عظیماً[۱]**

خطبہ نکاح کے مشمولات سے ہی ظاہر ہے کہ معاشرتی زندگی کی اساس یعنی خاندان کی تشکیل کے روز اول سے ہی اس کے عناصر ترکیبی زن و شوہر کو اس تعلیم اور رہنمائی سے آگاہ کیا جارہا ہے جس پر ان کے آنے والی زندگی میں ان کے خاندان کے استحکام کادارومدار ہے اس حوالے سے خطبہ نکاح خاندانی زندگی کے اساسی معاہدہ عمرانی میں داخل ہونے والوں کو بتاتا ہے کہ

۱۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ اسی سے مدد، معافی اور اپنے نفوس کے شر سے پناہ کے طالب رہیں کہ ہدایت یابی اور ترک گمراہی کی نعمت اس کی بارگاہ سے ہی عطا ہو سکتی ہے۔

۲۔ تخلیق انسانیت اور پھر بنی نوع انسان میں نسب اور خاندان کا قائم کرنا اور بنی نوع انسان کے طبیعت و مزاج میں ان رشتوں کا لحاظ و وقار رکھ دینا رب ذوالجلال کی نعمت ہے بندوں کو چاہئے کہ وہ اس نعمت کی حرمت کالحاظ رکھیں۔

۳۔ اس نعمت کی عطائیگی پر بندوں کو اپنی خاندانی زندگی کا سنگ بنیاد "شہادتان" یعنی توحید ورسالت کی ایمانی و عملی گواہی پر رکھنا چاہے تاکہ آنے والی زندگی میں اس

گواہی کا فیضان ان کی زندگی میں جاری و ساری رہے۔

۴۔ رب ذوالجلال کا انسانیت کو نفس واحدہ سے تخلیق فرمانا اور پھر مرد و زن کی صورت میں ان کو پھیلا دینا کہ نسل نوع انسانی کی بقاو تسلسل کا باعث ہو اس امر کا متقاضی ہے کہ اس خالق کے احکام کی پیروی جو کہ تقویٰ سے عبارت ہے کو زندگی کا ضابطہ بنایا جائے اور ایسا عملی ضابہ کہ موت بھی اسی ضابطہ پر آئے۔

۵۔ نکاح کے معاملے میں اگرچہ مردوں کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی گئی ہے مگر انہیں اس بات کا پابند بھی کیا گیا ہے کہ وہ عدل کا دامن نہ چھوڑیں ورنہ

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

کیونکہ ترک عدل خاندانی ڈھانچے کو منتشر کر دے گا اور اس کی استحکام کی اساس کو ختم کر دے گا۔

۶۔ مردوں کو "قوام" ہونے کے ناطے عورتوں سے حسن سلوک کا پابند کیا گیا ہے۔

۷۔ احادیث مبارکہ میں بھی ان تعلیمات پر زور دیا گیا ہے خصوصاً خاندانی ادارے کے دوام اور استحکام پر زور دیا گیا ہے اور اس کی شکستگی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ طلاق جو خاندان کے ادارے کے اختتام کی صورت ہے اسے حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ گردانا گیا ہے۔ طلاق کا یہ تعارف کروا کر اس امر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اس اساسی معاہدہ عمرانی کے فریقین حتی الامکان خاندان کے دوام استمرار اور استحکام کے لئے کوشاں رہیں کیونکہ ایک مثالی کاندان ہی مثالی معاشرے کی اساس ہے اور مثالی معاشرہ ہی مثالی قوم کی اساس ہے۔

۲) مسجد

مسجد اسلامی معاشرے میں دوسری اکائی ہے جو ہیئت اجتماعی کی عملی صورت کا اظہار ہے۔ ماضی میں مسجد کا کردار دینی' دنیاوی دونوں معاملات میں ایک جیسا رہا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایک محلّہ میں بھی مسلم معاشرے کی مرکزیت کی علامت مسجد ہے۔ عیدین کی شکل میں شہر و ملک میں بھی مسجد ہی ہیئت عمرانی کے اجتماعی اظہار کا ذریعہ ہے اور ارضی سطح پر بھی بیت اللہ کی شکل میں مسجد ہی پوری امت مسلمہ کو ایک مرکز پر رکھنے کا واسطہ ہے نہ صرف بین المسلمین بلکہ بین الاقوامی اور عالمی سطح پر بھی اس تصور کو ہی اجاگر کیا گیا ہے جس پر آج تک بہت کم غور کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جعلت لی الارض مسجدا و طهورا	میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنایا گیا ہے۔

(صحیح بخاری شریف)

اس حدیث مبارکہ کی فقہی اہمیت سے ماسوا انقلابی فکر کے حوالے سے بھی اہمیت ہے کہ اگر امت مسلمہ اس بنیادی حقیقت کا ادراک کر لے کہ کرہ ارض کو اس کے رسول ﷺ کے لئے مسجد بنایا گیا ہے کہ تو کوئی وجہ نہیں کہ مقصود بعثت محمدی ﷺ کے لئے سراپا عمل نہ بن جائے۔ آج معاشرے میں مسجد کے اس کردار کے احیاء کے لئے براہ راست قرآن حکیم سے رہنمائی لینا ہوگی' ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ	اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا

يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ O (۹:۱۸)	کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہ ڈرا۔ سو امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ان بنیادی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے کہ:

۱۔ مساجد کی تعمیر مسلم معاشرے میں اللہ' رسالت اور آخرت پر اہل ایمان کے ایمان کی پختگی کا باعث ہونی چاہئے۔

۲۔ مساجد اقامت صلوۃ و ایتائے زکوۃ کے نظام کا مرکز ہونی چاہئیں۔

۳۔ مساجد سے سلطان جائر کے خلاف اعلان حق بلند ہونا چاہئے۔

۴۔ مذکورہ بالا لائحہ عمل پر عمل ہی مساجد کے مرکز رشد و ہدایت ہونے کی ضمانت فراہم گا مگر دور زوال میں جہاں ہمارے معاشرے کی دیگر اقدار و موثرات تغیر پذیر ہوئے وہاں مساجد کا کردار بھی بدل گیا۔ آج مساجد تفرقہ بازی' مسلک پرستی اور عبادات کی رسمی ادائیگی کا مرکز ہو کر رہ گئیں حالانکہ اس رویہ اور طرز عمل کو اگلی آیت میں لا یستون عند اللہ (9:19) کہہ کر مسترد کیا جا رہا ہے۔

کہاں قران کا بیان کردہ مساجد کا عظیم انقلابی کردار اور کہاں آج زوال زدہ مسلم معاشرے کی حالت

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۴) مدرسہ

مسلم ہیئت اجتماعی کی یہ اکائی مکتب' سکول' کالج اور جامعات پر مشتمل ہے اس کا بنیادی وظیفہ نسل نو کی فکری' ذہنی اور تعلیمی تربیت کرنا ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ

"تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر" کے ذیل میں آ رہا ہے تاہم یہاں اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم ہیئت اجتماعی میں مکتب و مدرسہ کا کردار تزکیہ، تعمیر کردار اور تعلیم کتاب و حکمت پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○

(۲:۱۵۱)

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

یہ آیہ مبارکہ جہاں چہار گانہ فرائض نبوت کو بیان کر رہی ہے وہاں مسلم ہیئت عمرانی میں تعلیمی و تربیتی نظام کے خدوخال بھی دے رہی ہے کہ مسلم معاشرے میں مدرسہ کا کردار ایسا ہو کہ

۱۔ مدرسہ آیات الٰہی (قرآن حکیم) اور صاحب آیات الٰہی (ذات نبی ﷺ) کے ساتھ طلبہ کے تعلق کو پختہ کرے۔

۲۔ مدرسہ تدریس ہی نہیں تعمیر و تشکیل کردار کا فریضہ بھی سرانجام دے۔

۳۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ حکمت سے بھی طلبہ کو بہرہ ور کرے۔

۴۔ مدرسہ طلبہ میں ان دیکھے حقائق کی تلاش و دریافت کا جذبہ پیدا کرے۔ آج

قرآنی رہنمائی میں مدرسہ کا کردار متعین کرکے ہی نظام تعلیم کی بد آموزی (Mis-education) اور تخریبی تاثیر کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

۴) ریاست

اسلامی معاشرہ جب سیاسی طور پر منظم ہوگا تو ریاست وجود میں آئے گی۔
اسلامی ریاست میں مطاع (Super Ordinate) اور مطیع (Sub Ordinate) کا تصور غیر اسلامی ریاست کے تصور سے کلیۃً مختلف ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (۴ : ۶۴)	اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کی جائے۔
مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (۴ : ۸۰)	جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا

گویا اسلامی معاشرے میں مطاع ذات نبوت ہوگی۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ مطاع رب ذوالجلال کی ذات کو نہیں بنایا گیا کیونکہ مطاع نامشہود معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا۔[۱۲] توحید و رسالت کا تقاضہ یہ ہے کہ عبادت خالصۃً اللہ کی کی جائے اور اطاعت خالصۃً رسول اللہ ﷺ کی کی جائے کہ رسول ﷺ کی اطاعت ہی اطاعت ربانی ہے۔ اسلامی ریاست میں مطاع و مطیع کا مذکورہ معاہدہ عمرانی عملاً پیدا کرکے ہی:

۱۔ معاشرے سے ہوس اقتدار اور مطالبہ حقوق کے ظالمانہ نظام کی بیخ کنی ممکن ہے۔
۲۔ ایتائے حقوق کو محرک عمل بنا کر اسلامی معاشرے میں حقوق و فرائض کا تصادم رفع کیا جاسکتا ہے۔
۳۔ جمہوریت کے منفی اثرات (جو اقتدار کلیۃً عوام کو منتقل کرنے سے ظہور پذیر

ہیں) کا قلع قمع ممکن ہے۔

۴۔ معاشرے میں توحید و رسالت کے التباس سے پیدا شدہ مذہبی فرقہ بندی کی راہیں مسدود ہو سکتی ہیں۔

قرآن و سنت سے ماخوذ عمرانی و سماجی فکر کی بنیاد پر ریاست کی تشکیل نو سے ریاست نہ صرف قومی سطح پر قرآن کے بیان کردہ نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے گی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی حصول نصب العین کے لئے ایک مرحلہ کا کردار ادا کرے گی۔ قرآنی ہدایت کے درج ذیل تین مدارج ہیں:

انفرادی قومی بین الاقوامی

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی انفرادی سطح

قرآن حکیم اپنی نعمت ہدایت سے ہر فرد کو متمتع کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (۷۳ :19)

بے شک یہ (قرآن تو) نصیحت ہے۔ پھر (اب) جو چاہے اپنے رب کی طرف (ہدایت کا) راستہ اختیار کرلے (یعنی رسول پر ایمان لے آئے اور ان کا مطیع ہو جائے۔)

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی قومی سطح

جس طرح انسانی زندگی اجتماعیت اور قومیت کے بغیر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی اس طرح اسلام بھی اجتماعیت اور قومیت کے بغیر اپنا مذہبی و ملی تشخص بحال نہیں رکھ سکتا۔ حیات انسانی اور نظام اسلام کے لئے اجتماعیت اور قومیت کے

ناگزیر ہونے کی بنا پر قرآن مجید نے قومی زندگی کی سطح پر ہدایت مہیا کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے' ارشاد ربانی ہے:

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (۴۴: ۴۴)

اور بے شک یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے باعث (شرف و) نصیحت ہے (کیونکہ تا قیام قیامت راہ ہدایت کا یہ شرف آپ ہی کی امت سے وابستہ رہے گا)

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی بین الاقوامی سطح

قرآن مجید نے اپنی ہدایت کا دائرہ صرف ملت اسلامیہ تک ہی محصور نہیں رکھا بلکہ یہ عالم انسانیت کی دیگر اقوام و ملل کے لئے بھی صحیفہ ہدایت ہے تاکہ انسانی زندگی عالمی سطح پر بین الاقوامی تعلقات میں بھی ہدایت ربانی سے محروم نہ رہے' ارشاد ربانی ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۝ (۹۰: ۶)

آپ فرمادیجئے (اے لوگو) میں تم سے اس ہدایت کی فراہمی پر کوئی اجرت نہیں مانگتا یہ تو صرف جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

قرآن مجید نے بین الاقوامی سطح پر تعاون و عدم تعاون' صلح و جنگ اور معاہدات و معاملات کی نسبت جو احکام صادر فرمائے ہیں وہ اسی پہلوئے ہدایت کے متضمنات ہیں۔ غرضیکہ آج عمرانی و سماجی سطح پر دور زوال سے نکلنے کے لئے براہ راست قرآن حکیم سے معاشرتی زندگی کی اصلاح پذیری کا منہاج اخذ کرنا ہوگا اور اس کی روشنی

میں کلمہ طیبہ کو اساس بنا کر مسلم معاشرے کی تشکیل نو کرنا ہوگی تا کہ آج کا مسلم ذہن وطن پرستی، نسلی، طبقاتی و علاقائی تفاخر اور زمین پیوندی کی عملاً نفی کرے اور امت مسلمہ کی اس عمرانی وسماجی وحدت پر اس کا اعتماد بحال ہو جسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○

(۳:۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو۔

ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَ تَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ

(۲۲:۷۸)

(اللہ نے ان کو مسلمان فرمایا ہے) اللہ نے تمہارا نام (بھی) اگلی کتابوں اور اس (قرآن پاک) میں مسلمان رکھا ہے (تم جانتے ہو یہ کیوں ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ تک ایک گھر ایک قبلہ ایک دین قرار دیا جائے) تا کہ رسول تم پر گواہ ہو (تمہارا نگران حال ہو)

☆☆☆☆☆☆

حواشی

(باب ششم)

۱۔ حالانکہ معاشرہ میں عمرانی وحدت دین اور ذات نبوی ﷺ سے متعلق ہو گی۔ اور یہ رشتہ باقی تمام رشتوں پر غالب ہو گا۔ جس طرح بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت

آقا ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا:

دمی دمکم و عرضی عرضکم انا منکم و انتم منی۔

۲۔ جو تھا نا خوب بتدریج وہی خواب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(اقبال)

۳۔ اس معاشرے میں مطاع مطلق ذات نبوت ﷺ اور مطیع امت ہو گی۔ جو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے معاہدہ عمرانی پر اپنے عمل سے کاربند رہے گی۔

۴۔ ملت اسلامیہ کا بنیادی تشخص ذات نبوت ﷺ سے تعلق پر ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نظام مصطفیٰ از ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

فتنہ وطنیت کی طرف اقبال نے یوں اشارہ کیا:۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرھن ہے اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

(وطنیت: بانگ درا)

۵۔ مسلم دنیا وطنیت پرستی کے سحر میں کس حد تک گرفتار ہوئی۔ اس امر کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج عالم عرب کے ممالک کے نام عرب متحدات 'المملکۃ السعودیہ' دیگران کے اسلامی تشخص کے بجائے علاقائی تشخص کو ظاہر کر رہے ہیں۔

۶۔ یہی المیہ آج افغانستان کو درپیش ہے۔ گو ساری جدوجہد دین کے عنوان کے تحت ہو رہی ہے مگر افغانستان میں فارسی پشتو کی تقسیم افغانستان کی جماعتوں میں باہمی آویزش کی بنیادی وجہ ہے یہ نتیجہ دینی تشخص کی بجائے علاقائی و نسلی تشخص کو فوقیت دینے کا۔

۷۔ آج حالت بایں جا رسید کہ علماء کی اگر سرمایہ دار' جابر' مستبد حکمران صرف کسی نوع کی سرپرستی کر دیں وہ ان کی اس سرپرستی کو دینی کام کہتے نہیں تھکتے۔ جب فکری و ذہنی زوال کا یہ عالم ہو تو دین کے لیے باطل کے سامنے صدائے احتجاج کون بلند کرے گا۔

(انٹرویو قائد انقلاب ڈاکٹر محمد طاہر القادری ندائے ملت: دسمبر ۹۸ء شمارہ نمبر ۴۵'۴۶)

۸۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۹۔ کہ نعمت اور عذاب دونوں کے تبدیل ہونے میں قوم کے انفس کا تغیرinvolve ہوتا ہے۔(۱۳:۱۱اور۸:۵۳)

۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

اسلامی فلسفہ زندگی ص:۲۳۹۔ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۱۔ منہاج الخطبات۔ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۲۔ منہاج القرآن۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

باب ہفتم

ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم (۱۳ : ۱۱)

تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر

امت مسلمہ کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں رونما ہونے والے تغیرات نے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو غلامی و محکومی کا شکار کر دیا۔ جس سے ان کا زندگی اور اس کے حقائق کے بارے میں زاویہ نگاہ بدل گیا۔ بقول اقبالؒ

جو تھا نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اس طرح دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح ثقافت بھی استعماری اثرات کے تحت آ گئی جب ان اثرات کے تحت موثرات حیات یعنی معاشرت 'معیشت اور سیاست بدل گئے تو اس کے اثرات ثقافتی زندگی پر بھی نظر آنے لگے۔ یعنی دینی اقدار کی پابندی سے ثقافت اور تہذیب کی رو آزاد ہو گئی اور لادینی معیارات ہی مسلم تہذیب و ثقافت کے سامنے دلکش اور دلفریب نظر آنے لگے۔ قبل اس کے کہ تہذیب و ثقافت میں رونما ہونے والے تغیرات کا جائزہ لیا جائے اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ تہذیب و ثقافت سے کیا مراد ہے؟

کلچر کیا ہے؟

کلچر اصلاً جرمن زبان کا پرانا لفظ Kulture ہے۔ اس میں بونے اور کاٹنے کے مفہوم پائے جاتے ہیں۔ Agriculture اس میں سے نکلا ہے۔ اس کے معنی میں کوئی چیز بونا 'اسکو اگانا اور پھر اس کو کاٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس تصور کو سامنے رکھ کر تمثیل میں اگر Culture اور Agriculture کو سامنے رکھیں تو یہ مفہوم مزید واضح

ہو جاتا ہے۔ زراعت میں ہل چلا کر پہلے زمین ہموار کرتے ہیں پھر اس میں بیج بوتے ہیں' پانی دیتے ہیں' تپش مہیا کرتے ہیں' دیکھ بھال کرتے ہیں پھر وہ فصل اگ آتی ہے۔ جب وہ اگ کر پک جاتی ہے' پھر کاٹتے ہیں۔ جیسا بیج بوتے ہیں' جہاں جہاں بیج بویا جاتا ہے' ویسی ہی فصل ہر طرف نکلتی ہے۔ گندم بوئی گندم نکلی گلاب بویا گلاب نکلا' چاول بوئے چاول نکلے یعنی بیج جب بوتے ہیں تو اس سے ساری کی ساری فصل میں ایک ہم آہنگی ہوتی ہے جس کو کاٹ کر پھل حاصل کرتے ہیں۔ بعینہ کلچر میں انسانی دلوں اور ذہنوں کی زمین میں عقائد و نظریات کے بیج بو کر عمل اور ماحول کا پانی دیکر کردار کی فصل کاٹتے ہیں۔ زمین قلب کو لا الہ کی ضرب سے ہموار کرتے ہیں تاکہ باطل نظریات صاف ہوں۔ لا الہ کی ضرب لگے اور قلب و روح میں حق کو نمو ملے۔

دلوں کی زمین میں ایمان باللہ' ایمان بالرسالت' ایمان بالاخرت کے بیج بو کر پھر ان کو معاشرہ' گھر اور تعلیمی تربیت گاہ میں نیک اعمال اور اچھی تعلیم و تربیت کا ماحول دیتے ہیں جب ہر طرف سے اس کو نشو و نما کا سامان ملتا ہے تو اس سے اچھے کردار کی فصل اگتی ہے۔

بیج چونکہ ایک ہی بویا گیا اس لئے خواہ سوسائٹی تعلیمی اداروں کی شکل میں ابھرے' خواہ دفتروں کی شکل میں اگے' خواہ تجارت کی منڈیوں اور شعر و شاعری کی شکل میں فصل اگے' خواہ وہ ڈاکٹرز اور انجینئرز کی شکل میں اگے اور محکوموں' حاکموں اور سیاستدانوں کی شکل میں اگے' یہ سارے مختلف کھیت ہیں جو ایک جیسے ماحول اور بیج سے اگتے ہیں۔ کیونکہ مختلف ماحول میں بیج یکساں دیا جاتا ہے۔ مختلف بیج یکساں ماحول میں آجاتے ہیں تو ان کے اندر اندرونی ہم آہنگی (Internal Symmetry) ہوتی ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک بنیادی یکسانیت پائی جاتی ہے کام جدا جدا ہونے کے باوجود

اصولی قدریں مشترک ہیں۔ ہر شعبہ زندگی کا آدمی کام جدا جدا کر رہا ہے' مگر چونکہ بیج ایک تھا جو ہر ایک کے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کردار کی جھلک ایک جیسی نظر آئے گی۔ جب ایک جیسا اجتماعی رویہ (Uniform Pattern of Behaviour) ایک اجتماعی کردار بن کر معاشرے میں ابھرتا ہے تو اس کو ثقافت (Culture) کہتے ہیں۔ ہم ٹی وی پر جو کلچر دیکھتے ہیں' ہمارے ماہرین کلچر اور ثقافت الحمرا اوپن تھیٹرز میں کلچر کا جو نمونہ پیش کرتے ہیں جہالت اور ظلم کی انتہا ہے۔ اس میں کلچر کا تصور سرے سے ہی نہیں ہے اسلامی معاشرے میں کلچر کا مفہوم کیا ہے؟ کلچر تو ایک ایسا اجتماعی طرز بود و باش' ایک ایسے اجتماعی عمل اور اجتماعی کردار کا مختلف جہتوں میں ایک ایسا مظاہرہ ہے کہ جسے دیکھ کر سارے مظاہرے ایک ملت اور قوم ہونے کی نشاندہی کریں۔ اس کو کلچر کہتے ہیں اس کلچر سے علم ترقی پاتا ہے جوں جوں ثقافت فروغ پاتی ہے پھر وہ علم کے کئی اور راستے نکالتی ہے۔

ثقافت کے تین نمونے

۱۔ تخیلی ثقافت (Ideational Culture)

۲۔ حسی ثقافت (Sensate Culture)

۳۔ مثالی ثقافت (Idealistic Culture)

ثقافت کے ان نمونوں کے تین پہلو ہوں گے:

۱۔ فلسفیانہ پہلو (Philosophical Aspect)

۲۔ انضباطی و اطلاقی پہلو (Orientational Aspect)

۳۔ انتقادی پہلو (Evaluational Aspect)

تخیلی ثقافت میں فلسفیانہ پہلو (Phiosophical Aspect) کار فرما

ہوتا ہے۔ یہ تخیلات کی نشوو نما کرتی ہے۔ یہ فلسفیانہ پہلو ہے جو نظریات اور تصورات سے بحث کرتا ہے۔ یہ ثقافت ان سوالات کا جواب دیتی ہے کہ علم کیا ہے؟ کیسے ممکن ہے؟ علم کی ماہیت اصلی کیا ہے؟ علم کا اعلیٰ نصب العین کیا ہے؟ کلچر کا یہ پہلو صرف "کیا ہے؟" سے بحث کرتا ہے۔ تخیلی ثقافت صرف توجیہہ، تنظیم اور تعلیل سے بحث کرتی ہے۔

ثقافت کا دوسرا نمونہ انضباطی اور اطلاقی پہلو (Orientational Aspect) کا حامل ہوتا ہے۔ اور تیسرا نمونہ انتقادی پہلو (Evaluational Aspect) کا۔ یہ تین نمونے ہر کلچر کے اندر ہوتے ہیں۔ یونان، بابل، نینوا کی یونانی تہذیبیں تخیلی ثقافت (Ideational Culture) تھیں۔ ایران، روم، مغرب کی مادی ثقافتیں حسی ثقافتیں (Sensate Culture) ہیں۔ جبکہ اسلامی ثقافت مثالی ثقافت (Idealistic Culture) ہے۔ کسی بھی ثقافت کے فلسفیانہ پہلو سے علم وجود میں آتا ہے۔ اطلاقی اور انضباطی پہلو علم کے اعلیٰ نصب العین کے حصول کا نظام، طریقہ اور لائحہ عمل بتاتا ہے۔ اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا جائے اس کے لئے ایسے عمرانی ادارے اور نظام بنتے ہیں، جو حصول نصب العین کو ممکن بنائیں۔ اسی عمل کو منضبط اور منظم کرنے کے لئے ہیت عمرانی کی تکمیل ہوتی ہے۔ سماجی زندگی (Social Life) کو مکمل کیا جاتا ہے اس کے تحت ثقافت کی نشوونما ہوتی ہے یہ ضابطہ اداروں کے عمل کو منضبط اور جاری رکھنے کا ایک نظام دیتا ہے اور شرائط وضع کرتا ہے۔ اس نظام کے تحت عمرانی ادارات کے عمل کے ذریعے عمرانی فضائل کو محفوظ کیا جاتا ہے یعنی قانون بنتا ہے اقدار محفوظ ہوتی ہیں۔ قتل وغارت لوٹ مار، ظلم استحصال ختم ہوتا ہے، اقدار قائم ہوتی ہے اخلاق ترقی پذیر ہوتا ہے معاشرے میں عمرانی قدریں بنتی اور

محفوظ ہوتی ہیں یہ سب اطلاقی پہلو کے حوالے سے ہوتا ہے۔

عمرانی فضائل کی حفاظت جو اطلاقی پہلو کے ذریعے ہو رہی ہے یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک موثرات زندگی (Forces of Life) میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔ وسائل کی پیداوار' سرمایہ و دولت کی تقسیم' تخلیق جہاں سے سرمایہ دارانہ' جاگیردارانہ اور استحصالی نظام وجود میں آتے ہیں۔ غریب غریب تر امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ استحصال' بددیانتی' لوٹ مار' لاقانونیت قتل و غارت پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی حرام پر چلنے لگتی ہے اور حلال غیر موثر ہو جاتا ہے اس طرح جب موثرات زندگی مختل ہو جاتے ہیں۔ زندگی چونکہ متحرک ہے لہذا اسکا تحرک اور ارتقاء جاری رہتا ہے۔ حالات جب غلط سمت میں بڑھتے ہیں تو غلط سمت میں بھی تحرک جاری رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موثرات زندگی میں تغیر رونما ہونے کے باعث عمرانی اداروں و ارکان کا منضبط عمل غیر موثر ہو جاتا ہے ہم اس وقت اسی مقام پر کھڑے ہیں۔

آج عمرانی ادارے' نظام اور قانون موجود ہیں۔ مگر موثرات زندگی اتنے تباہ و برباد کر دیئے گئے ہیں کہ نظام' قانون اور ادارے موجود ہونے کے باوجود غیر موثر ہو گئے ہیں۔ حاکم طاقتور مگر نظام اور قانون کمزور ہو گیا ہے اب سارے موثرات زندگی بدل گئے ہیں۔ اب لوگوں کے کام حلال طریق سے نہیں حرام طریق سے ہو رہے ہیں۔ لہذا نیکی کی بات کرنے والا غیر موثر ہے اور بری بات کرنے والا موثر ہے۔ جب معاشرہ یہاں تک جا پہنچے تو اس وقت جو عمرانی فضائل اور اداراتی قدریں موجود تھیں ان کو محفوظ کرنے کے لئے جو ثقافتی' علمی اور سماجی ضابطہ وضع کیا گیا تھا اب معاشرہ میں تبدیلی لانے کے لئے وہ ضابطہ اور ڈھانچہ موثر نہیں رہتا۔ چونکہ اب وہی ضابطہ غیر موثر بنا دیا گیا ہے موثرات زندگی بدل گئے ہیں ایسی صورت حال میں زندگی کی اخلاقی

اقدار، قانونی، انسانی اقدار محفوظ کرنا مسئلہ نہیں ہوتا۔ محفوظ تو اسے کیا جاتا ہے جو بچ گئی ہو اور موجود ہو۔ لیکن جو چیزیں ختم کر دی گئی ہوں انہیں محفوظ کیا کرنا ہے، اب اس سطح پر ضرورت ان اقدار کو پھر سے زندہ کرنے کی ہوتی ہے۔ ان تصورات حیات کو پھر سے زندہ کرنا، ان عمرانی فضائل کو پھر سے تخلیق (Create) کرنا۔ یہ حفاظت (Protection and Preservation) کا نہیں احیاء (Revival and Recreation) کا عمل ہوتا ہے۔ ضروریات احیاء و تخلیق کے لئے ثقافت کا انضباطی پہلو جو نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس کے لیے جو ذرائع اختیار کئے گئے تھے۔ اب ان کا پھر سے از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بدلے ہوئے حالات (New Set of Circumstances) اور موثرات زندگی میں انضباطی پہلو کا پھر سے جائزہ لے کر نیا لائحہ عمل وضع کیا جائے۔ لائحہ عمل اور نظام کے اندر نئے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں نیا نظام اور ڈھانچہ وضع کیا جائے۔ انقلاب کے ذریعے اس پورے نظام کو اس کے ڈھانچوں، منصوبہ بندیوں، طریقہ کار حکمت عملیوں کو بدلا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے نفاذ سے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں۔ پھر قانون نافذ ہو تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکے۔ یہ تبدیلی ثقافت کا انتقادی پہلو ہے جس میں اطلاقی پہلو کا از سر نو جائزہ لے کر نظام کو بدل کر نیا لائحہ عمل وضع کیا جائے اور نئے ضوابط اور قواعد وضع کیے جائیں ڈھانچے کو بدل دیں یہ تبدیلی اگر علم اور قانون کے باب میں ہو تو اجتہاد کہلاتی ہے اور یہ اجتماعی زندگی اور معاشرے کے نظام کے باب میں ہو تو اسے انقلاب کہتے ہیں۔

انتقالِ تہذیب

ملی و قومی تہذیب کا ورثہ آئندہ نسلوں کو کس طرح منتقل ہو گا؟ اس حوالے

سے تہذیب و تمدن اور ثقافت کا تعلق سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تہذیب 'تمدن اور ثقافت تین چیزیں ہیں' تہذیب پہلا درجہ 'ثقافت دوسرا درجہ اور تمدن تیسرا درجہ ہے۔ جب عقائد 'نظریات' تصورات کو ایک آئیڈیالوجی تک پھیلا دیا جائے اور وہ آئیڈیالوجی علم و فکر اور عمل میں ایک جھلک کے طور پر نظر آئے اس کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب کا مطلب صاف کرنا ہے 'پاک کرنا' ہذب یہذب سے ہے 'یعنی برائی کی چیزوں سے چھان بین کرنا' اور پاکیزہ خیالات 'عقائد اور نظریات کو ایک عمل کی شکل میں ترقی دینا تہذیب ہے۔ جب زندگی کو ادارات کی شکل میں منظم کر کے اس میں فکر کا بیج بویا جاتا ہے تو اس سے معاشرتی زندگی میں ایک ہم آہنگی (Uniform Pattern of Behaviour) بن جاتا ہے تو اس کو ہر میدان میں ثقافت کہتے ہیں۔ جب ثقافت معاشرے اور اردگرد کے معاشروں پر ٹھوس اثرات تاریخ میں رقم کر جاتی ہے تو اس کو تمدن کہا جاتا ہے۔ تمدن مدن سے ہے۔ یعنی جس سے پورا معاشرہ اور پوری ریاست اسی طرز پر استوار ہو جاتی ہے۔ تمدن افراد یا صرف معاشرے کا نہیں بلکہ پورے کا پورا نظام مدنی یعنی نظام معاشرت' نظام سیاست' نظام معیشت اور نظام سلطنت ہے۔ اس سارے کے اوپر جب وہ ثقافت چھا جاتی ہے تو وہ تمدن بن جاتا ہے۔ یعنی یہ زیادہ ٹھوس (Solid) اور منظم (Systematic & Disciplined) شکل ہے۔

تمدن ثقافت سے نکلتا ہے۔ ثقافت تہذیب سے نکلتی ہے اور تہذیب چھانٹی کرنے کا نام ہے۔ آج تمدنی ورثہ کے تعین میں ہم سے غلطی ہو رہی ہے کہ ہم بغیر چھانٹی کے جو کچھ الا بلا مل رہا ہے اس کو آگے منتقل کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ خرابی جو ہو رہی ہے یہ آج کا تمدن ہے۔ دس پندرہ' بیس یا پچاس سال بعد جب اس تمدنی ورثہ کو

منتقل کریں گے۔ تو وہ ان نقائص کے ساتھ آگے منتقل ہو گا ڈرامے جن میں اکثر لغو چیزیں ہوتی ہیں لغو فلمیں' لغو ناچ گانے' فحاشی و عریانی کے پروگرام اور عجب سے میلے جن میں بود و باش کا ایک رنگ تو نظر آئے مگر یہ کہ وہ معاشرے کا نظریاتی تمدن آشکار نہ ہو۔ اس قسم کی ساری چیزیں ملا کر معاشرے میں الا بلا' نیکیوں اور بدیوں کا مرکب' التباسات' ابہامات' فحاشی' عریانی اور نظریات کا تضاد' اقدار کے تباہ ہونے کے سارے نظارے کو تمدن بنا کر تاریخ میں لے آئیں گے۔ تو اس طرح جب پورے دور کے حالات کو آگے منتقل کر دیں گے چونکہ چھانٹی نہیں ہو گی تو جو کچھ الا بلا آگے منتقل ہو گا ہو تمدن کا غلط ورثہ منتقل ہوتا چلا جائے گا۔

تمدنی ورثہ کے منتقل کرنے' تفویض کرنے اور ترسیل کرنے میں نظام تعلیم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تہذیب کے کام پر محنت کرنے' جب آگے منتقل کرے تو تمیز (Differentiate) کرے کہ یہ تمدن ہے اور یہ علاقائی اثرات تھے۔ یا یہ فلاں دور کے منفی اثرات تھے۔ حدیث ایک ذخیرہ ہے۔ علم' ایمان اور اسلام کا ہمارا ایک ذخیرہ علم ہے اس میں صحیح احادیث بھی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ بعض لوگوں نے اسلام کے لٹریچر کو میلا کرنے' ابہام پیدا کرنے اور اسلام کی تعلیمات کی ثقاہت کو مشکوک کرنے کے لئے غلط نیت سے موضوع حدیثیں گھڑیں اور داخل کر دیں۔ اب کتابوں میں وہ بھی درج ہیں۔ موضوعات بھی ہیں' ضعیف بھی ہیں' مرسل بھی ہیں' صحیح بھی ہیں' حسن بھی ہیں۔ جب حدیث میں سارا کچھ جمع ہو گیا تو اصول حدیث کا فن وضع کیا گیا اور اصول حدیث کے فن میں اسماء الرجال کا فن وضع کیا گیا کہ جن لوگوں سے جو بیان ہوا ان کے پورے کردار اور سیرت (Sketch & Life History) کو کھنگالا گیا۔ کچھ تو روایتی اصولوں کی بناء پر رد کر دی گئیں۔ یہ عمل

تہذیب فن تھا۔ حدیث کے لئے بنیادی اصول یہ تھے جو حدیث یہ چیزیں بیان کرے وہ تو حدیث نبوی ہو سکتی ہے اور جو ان موضوعات کو بیان کرے وہ حضور ﷺ کا مزاج نبوت، تعلیمات عامہ، قرآن، سنت نبوی سیرت طیبہ اور اسلام کے عمومی مزاج کا ملا کر بنیادی تعلیمات کا ایک پورا خاکہ ہے جو آدمی ان پر حاوی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث حضور اکرم کا ارشاد مبارک نہیں ہو سکتا۔ وہ تلاش کرے گا تو یقیناً روایت میں کہیں کمی نظر آجائے گی تو کچھ روایتاً اور کچھ درایتاً تہذیب فن اور تہذیب علم ہوا اس طرح انہوں نے موضوع، اباطیل اور منکرات کو ایک طرف کر دیا اور صحیح، حسن، مقبول اور ضعیف کو ایک طرف کر دیا۔ مسائل کے استنباط پر ثقافت اور علم کی جو عمارت کھڑی کی گئی اور جو تمدن بنایا گیا اس کے لئے وہ چیزیں لی گئیں جو تہذیب کے بعد ان کے پاس درست ثابت ہوئیں باقی کو چھانٹی کرتے چلے گئے تمدنی ورثہ کو تقسیم کرنے کے لئے نظام تعلیم کے اندر بھی ایک اصول تہذیب کو ہونا چاہئے۔ جہاں تہذیب، تمدن اور ثقافت کا مطالعہ کرتے ہیں وہاں ایک مضمون (Subject) اصول تہذیب کا ہو جس کا وجود ہی کوئی نہیں ہے ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے تہذیب، ثقافت اور تمدن کو پاک کریں اور اس کی منتقلی درست ہو اس کے لئے اصول حدیث، اصول تفسیر اور اصول فقہ کی طرح ان میں اصول تہذیب کا ایک ضابطہ ہو۔ جو یہ چھانٹی کرے کہ کیا ہماری تہذیب ہے اور کیا کیا علاقائی تہذیب کے پیش نظر مسلمانوں کی تہذیب میں چیزیں در کر آئیں اور شادی میں مہندی، تیل ہندوانہ تہذیب کے تصورات ہیں۔ بعض علاقوں میں لوگ پتھر، چھری یا کوئی لوہا ہاتھ میں رکھتے ہیں کہ اثر نہ ہو جائے۔ یہ ہندوانہ تہذیب کے توہمات ہیں۔ علی ہذا القیاس بے شمار ایسی لغویات اور اباطیل ہیں جن کا پس منظر ہندوانہ عقائد ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ تعین کریں کہ ہم

مسلم امہ ہیں اور ہماری تہذیب تاریخ اسلام سے متعلق ہوگی۔ پہلی بات یہ متعین ہو اس کا سرچشمہ اسلام اور اسلامی تعلیمات ہوں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مشرق سے مغرب تک دنیا کے ہزارہا ممالک اور خطوں تک پھیلا تو جہاں مسلمان جا کے بسے۔ اپنی معاشرتی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی زندگی میں وہاں کے مقامی اثرات نے بھی دخل کیا کچھ مقامی اثرات تو وہ ہیں جو اسلام کے لیے قابل قبول تھے جن کو اسلام نے بطور اسلام کے قبول کیا۔ عرف، عادت، کسٹم اسلام کے اندر یہ تصورات موجود ہیں۔

اسلام نے قوانین اور احکام میں بھی بعض چیزیں بحال رکھیں۔ جو چیزیں وہاں کے ہندو، عیسائی، سکھ، غیر مسلم اور توہم پرستانہ معاشرتی میلاپ کی وجہ سے وہاں در آئیں انہیں اسلام نے قبول نہیں کیا۔ ثقافت اور تمدن کو منتقل کرنے والوں نے تہذیب کا کام صحیح طور پر نہیں کیا چھانٹی نہیں کی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ اگر علاقائی اثرات کے حوالے سے کسی تہذیب کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ ان ان مذاہب یا ملکوں یا علاقوں کے رسم اور رواج تھے۔ اور یہ ان کے عقائد و نظریات پر مبنی تھے۔ تہذیب میں اس طرح جو تطہیر ہوگی تو یہاں تہذیب کے مقام پر دو الگ رخ ہو جائیں گے ایک رخ صرف علاقائی، سماجی یا معاشرتی تاریخ کے مطالعے کا بن جائے گا۔ ایک مسلم تہذیب کی تاریخ کا مضمون بن جائے گا۔ یہ نہیں کہ ہندوستان میں ہم نے ہزار سال گزارے تو ہزار سال میں جو کچھ ہر صدی کے اندر آیا اس کو مسلم تہذیب تصور کریں، چونکہ مغل حکمران رہے، سلاطین حکمران رہے، خاندان غلاماں رہا اور فلاں کا دور رہا اس دور میں جو کچھ ملا اس کو اسلامی تہذیب کے طور پر منتقل کیا گیا۔ یہاں سے غلطی ہوئی۔ حکومت مسلمانوں کی رہی مگر حکومت کا نام

تہذیب نہیں۔ اس کے اندر سماجی رسوم، رواج، عقائد، معاشرتی حالات بہت ساری چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ نظریات داخل ہوتے ہیں۔ یہاں امتیاز کرنے کا نام اصول تہذیب ہے۔ جو فن یہ کام کرے گا وہ اصول تہذیب ہوگا۔ مختلف مقامی مذاہب کے اثرات ان کے اپنے عقائد، نظریات اور ان کی بنیاد پر جنم لینے والی معاشرتی طرز زندگی کے تاریخی مطالعے کا باب الگ ہوگا۔ مسلم تہذیب کا ارتقاء الگ۔ عباسی دور میں بھی اس زاویے سے لیں گے۔ امیہ دور میں بھی اس زاویے سے سپین اور ایران میں بھی اسی زاویے سے پاکستان، ہندوستان میں جہاں بھی مطالعہ کریں گے تو اسی حوالے سے کریں گے۔ جب اصول تہذیب کے تحت تطہیر کر کے چلیں گے پھر یہ دو عنوانات بن جائیں گے۔ اس طرح ثقافت کی تقسیم، اسلامی تمدن کے فہم اور تعین اور اس کے ورثے کی منتقلی میں آسانی پیدا ہوگی۔ اس کے لئے ایک نئے مضمون اور نئے فن کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مضمون **"اصول تہذیب"** کہلائے گا۔

مسلم ثقافت کا ماضی اور حال

اگر ہم مسلم تہذیب و ثقافت کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت الم شرح ہوتی ہے کہ اسلام نے ہی مادی اعتبار سے دنیا کو وہ تہذیب سکھائی جو نہ صرف تابناک روایات کی امین تھی بلکہ موجودہ مغربی علمی فتوحات کی بنیاد بھی ہے۔ اور آج بھی اسلام ہی وہ قوت ہے جو اخلاقی اعتبار سے ایک صحت مند اور عمرانی اعتبار سے ایک مستحکم اور معاشی اعتبار سے ایک عادلانہ تہذیب پیدا کر سکتا ہے۔ اور اسے برقرار رکھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ لے

مگر اخلاقی اور ذہنی شکست خوردگی نے امت مسلمہ سے وہ اخلاقی ولولہ اور کردار کی قوت مدافعت چھین لی ہے جو امت کو جذبہ تغلب عطا کر سکے۔ اس کا مداوا

اسوہ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے جس کی گواہی تاریخ اسلام سے ملتی ہے۔ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کی تاریخ سے واضح ہے کہ ایک تہذیب دوسری کے لئے چیلنج رہی ہے۔اوران کے مابین موجود تضاد ہی کی وجہ سے ایک مفکر نے ریاست کی تعریف یوں کی ہے کہ

"ریاست وہ ہیئت اجتماعی ہے جسے اپنی بقاء اور توسیع کے لئے دوسری ریاستوں سے صلح اور جنگ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔" [۲]

تہذیبوں کی یہی آویزش ہمیں تاریخ کے روزاول سے نظر آتی ہے۔ تاریخ اسلام میں بھی مخالف تہذیبوں اور تمدنوں کی طرف سے اسلام کو اس طرح کی مخالفت اور مقابلے کا سامنا رہا۔ یہود کی اسی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: [۳]، [۴]

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰىط (۲:۱۲۰)

اور یہود و نصاریٰ آپ سے (اسوقت تک) ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلیں' آپ فرمادیں کہ بیشک اللہ کی (عطا کردہ) ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے'

مسلم تہذیب وثقافت پر باطل کا سہ جہتی حملہ

تہذیبوں کی اس باہمی کشاکش میں تغیرات کیوں رونما ہوتے ہیں منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب فرد اور معاشرہ کی جمالیاتی طلب بھی ہے۔ جب ترقی پذیر انسانی معاشرے میں بدلتی اقدار کے ساتھ زندگی کے معیارات بدلتے ہیں تو افراد معاشرے

کے جمالیاتی شعور کو نئی تشنگیاں مل جاتی ہیں۔ جس کی تشفی وہ اپنے مروجہ ثقافتی و تہذیبی ڈھانچے میں نہیں پاتے تو اس تشنگی اور احساس محرومی کے ازالہ کے لئے وہ غالب رائج تہذیب و ثقافت کے اثرات قبول کرنا شروع کردیتے ہیں۔ آج باطل کی طرف سے افراد معاشرے کی دوات ایمان و عمل پر درج ذیل تین محاذوں سے حملے ہو رہے ہیں جو ذہناً اور عملاً اپنی تہذیب و ثقافت سے دست کشی پر منتج ہو رہے ہیں:۔

۱۔ نظریاتی حملہ (Ideological Attack)

۲۔ ثقافتی حملہ (Cultural Attack)

۳۔ جذباتی حملہ (Emotional Attack)

اب اس اجمال کی تفصیل قدرے شرح وبسط کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ نظریاتی حملہ (Ideological Attack)

نظریاتی حملہ عامۃ المسلمین کو بالعموم اور مسلمانوں کی نوجوان نسل کو بالخصوص ذہنی و فکری طور پر اسلام سے متنفر کرنے اور اس سے باغی بنانے کے لئے باطل افکار و نظریات اور باطل فلسفوں سے لیس ہو کر کیا جارہا ہے مادی فلسفوں اور افکار کی یہ یلغار مغرب سے بھی آرہی ہے اور اشتراکی دنیا سے بھی اور اس کا شکار نوجوان نسل الحاد اور مادہ پرستی کے چنگل میں گرفتار ہو کر مذہب سے دور جارہی ہے اور دینی تعلیمات پر ان کا اعتماد متزلزل ہوتا جارہا ہے یہ نوجوان جب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر پہنچتے ہے اور ان کا بالغ ذہن مغربی اور اشتراکی فلسفوں اور نظریات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہو کر مادہ پرستانہ باطل نظریات وافکار کی بھول بھلیوں اور تشکیک کی وادیوں میں کھو جاتے ہیں اور نتیجتاً ان کے اعتقادات کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہے۔ ایمان بالغیب' آخرت' نبوت و رسالت کے قرآنی تصورات اس کے

ذہنوں کی خام تختی سے دھندلے ہو کر مٹنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اللہ سے ان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ آج کے نام نہاد روشن خیال نوجوان کا ذہن (الا ماشاء اللہ) فکری‘ نظریاتی اور اعتقادی خلفشار میں مبتلا ہو کر قرآن وحدیث کی بات پر کان نہیں دھرتا اور وہ اسے محض ڈھکوسلے سمجھنے لگتا ہے۔ ہمارے مشاہدے میں صبح وشام ایسے نوجوان آتے ہیں جو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان کو کھول کر بیان کرتے ہیں قرآن حدیث پر ایمان کا تصور تو دور کی بات ہے وہ مغربی اور اشتراکی فکر سے مرعوب ہو کر اسلام کے معاشی‘ اقتصادی‘ تہذیبی‘ ثقافتی‘ قانونی‘ آئینی ودستوری تصورات اور اسلامی اخلاقیات کو آج کے دور میں دور از کار اور ناقابل عمل سمجھنے لگتے ہیں یہ سب کچھ اس نظریاتی یلغار کے نتیجے میں رونما ہو رہا ہے جو اسلام دشمن باطل قوتیں سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت اہل اسلام کے قلب وباطن پر کر رہی ہیں۔

۲۔ ثقافتی حملہ (Cultural Attack)

دوسرا حملہ مغرب کی تہذیب وثقافت کی یلغار کی صورت میں شدومد سے کیا جارہا ہے مادی تہذیب کے تغلب کے تحت معاشی اور سماجی تصورات زندگی بدل رہے ہیں جس کے زیر اثر اخلاقی‘ عائلی‘ سماجی اور معاشرتی قدریں ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ فحاشی‘ عریانی اور سفلہ پروری نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ہمارے بزرگ اور عمر رسیدہ لوگ جو پچاس ساٹھ کے پیٹے میں ہیں یا اس سے زیادہ عمر کے ہیں اس بات سے بخوبی آشنا ہیں کہ ان کے دور میں شرم وحیا اور آداب و حفظ مراتب کا جو قرینہ تھا آج اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ یہ تو خیر دور کی بات ہے ہم چالیس سال کے لگ بھگ اگر اپنے بچپن اور لڑکپن کے دور کا آج سے موازنہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے‘ ہمارے بچپن میں محلے کے بچے ہم عمر بچیوں کے

ساتھ آزادانہ گلی کوچوں میں کھیلتے تھے اور والدین کو کبھی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب معاملے کی بساط یکسر الٹ چکی ہے بچوں کے اخلاق ناقابل تعین حد تک بگڑ چکے ہیں اور ان کی حیا و عفت پر زمانے کی ہوا نے گہری پرچھائیاں ڈال دی ہیں۔

مادی تہذیب کا حملہ اس قدر شدید ہے کہ تمام تر ثقافتی تہذیبی اور سماجی اقدار پامال ہو چکی ہیں اور عریانی کا سیلاب گھروں کی چار دیواری کے اندر جا پہنچا ہے اور معاملہ اس حد تک دگرگوں ہو گیا ہے کہ بیٹیاں باپ دادا اور بزرگوں کے سامنے سر ڈھانپنا تو در کنار کر عریاں اور بے حجاب گھومنے پھرنے میں ذرہ بھر عار محسوس نہیں کرتیں اور اگر کوئی روکے تو ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہیں کہ اس میں برائی کی کیا بات ہے 'یہ تو عام رواج ہے۔ لباس کا معاملہ تو اپنی جگہ سوچ کا رخ بدل کر رہ گیا ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں اور فکر کے زاویوں کو ایک خطرناک اور جدید (Modern) رخ اور جہت دے دی ہے۔ نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑی تو ہماری زندگی سے اسلامیت یوں رخصت ہوئی کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں نوحہ خواں ہو گیا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ہماری تہذیبی اور تمدنی زندگی پر ثقافتی حملے نے وہ گل کھلائے ہیں کہ عملاً اسلام سے ہمارا کوئی علاقہ نہیں رہا اور ہم محض رسماً مسلمان رہ گئے۔ اعتقاد کی حد تک تو قرآن و حدیث پر ہمارا ایمان ہے مگر عملی زندگی میں مسلمانی کا دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔

۳۔ جذباتی حملہ (Emotional Attack)

عصر حاضر میں یہ تیسرا اور خطرناک ترین حملہ نفسانی اور شہوانی راستوں سے وارد ہوا۔ نوجوان نسل جن میں بعض بوڑھے بھی شامل ہیں بد قسمتی سے شہوت رانی اور نفس پرستی کے مشاغل میں بری طرح گرفتار ہیں۔ اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔ نائٹ کلبیں اور بدکاری کے اڈے وجود میں آ گئے۔ اس دور کا بدترین یورپی تحفہ ننگی فلموں کی صورت میں ہمارے معاشرے میں دن بدن پھیل رہا ہے۔ گھروں ہوٹلوں اور منی سینما کے علاوہ تمام سینما گھروں میں ننگی فلموں نے عام لوگوں کی اخلاقیات پر کاری ضرب لگائی' پڑھی لکھی اور ان پڑھ نوجوان نسل بلا امتیاز جنس اس بدترین مخرب اخلاق سیلاب میں بہہ رہی ہے۔ ریڈیو' ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے ذریعے مخرب اخلاق گانوں اور حیا باختہ پروگراموں کے بے محابا سیلاب حکومتی سرپرستی میں گھروں کے اندر بیٹوں اور بیٹیوں کی حیا اور عفت و پاکیزگی کو بہائے لئے جا رہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ باہر شرافت کے جھوٹے لبادے اوڑھنے والے اپنے گھروں میں ہونے والی خرافات سے بے پرواہ ہو کر لاتعلقی اور بے حسی کا انداز اپنائے ہوئے ہیں۔ کتنی بڑی منافقت ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والے اور چہروں پر زہد و پرہیزگاری کا لیبل چسپاں کرنے والے گیارہویں میلاد پاک اور دیگر صدقات و خیرات کا اہتمام کرنے والے (الا ماشاء اللہ) اپنی درون خانہ زندگی سے آنکھیں موندے ہوئے ہیں۔ ان کے پردے کے پیچھے ذرا جھانک کر دیکھو تو وہ بقول حافظ شیرازیؒ

چوں بخلوت می روند کار دیگر می کنند

کی تصویر نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے بہت سے علماء اور مبلغین (الا

ماشاءاللہ) کی گھریلو زندگیاں کھلے تضاد اور نفاق کا شکار نظر آتی ہیں۔ ایسے میں

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

کے مصداق ہماشما کے ایمان واسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ان سے کوئی پوچھے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا کریں؟ بیوی بچوں کے سامنے کوئی پیش نہیں۔ وہ کب ہمارا کہا مانتے ہیں۔ یہ دور ہی ایسا ہے' معاشرہ ہی خراب ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم معاشرے کو قصوروار کیوں ٹھہراتے ہیں؟ یہ معاشرہ ہم جیسے افراد سے مل کر تو بنتا ہے۔ اگر ہم انفرادی اصلاح پر توجہ نہیں دیں گے تو معاشرہ کس طرح صالح ہو گا؟ ملک کے ایسے سربراہ مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی مردانگی کو خیرباد کہہ کر گھر سے باہر نکل جائیں۔ اگر نئی نسل اپنی مانی کرنا چاہتی ہے تو انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

والدین یا سرپرست اگر سچے ہیں تو وہ اولاد کو ان خرافات کے لئے پیسے اور مال کیوں دیتے ہیں؟ لیکن ان کی کٹ حجتی انہیں اپنا قصور ماننے پر آمادہ نہیں کرنے دیتی۔ الغرض جذباتیت کے حملے نے گھر گھر بدکاری کے اڈے کھول دیئے ہیں جس کے نتیجے میں نوجوان نسل بلاتمیز مرد وزن عیاشی' سفلہ نوازی اور بداخلاقی کی نذر ہو رہی ہے۔

مذکورہ بالا تین سطحوں پر ہونے والے حملوں نے ایمان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

سہ جہتی حملہ کے بنیادی اسباب

ان مذکورہ بالا تین جہات سے حملوں کے تدارک کی فکر کرنے سے پہلے انسانی شعور کے حوالے سے ذیل میں ان تین بنیادی اسباب کا تذکرہ ضروری ہے جو

نفسیاتی سطح پر کار فرما ہوتے ہیں۔

ا۔ ادراک (Perception)

ب۔ ارادہ (Intention)

ج۔ جذبہ (Emotion)

قدرت کے نظام تخلیق میں یہ تینوں سطحیں ہر ذی شعور میں ودیعت کی گئی ہیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی شعوری زندگی میں ان سطحوں میں سے ایک نہ ایک سطح غالب ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری مغلوب۔ مثال کے طور پر ایک شخص میں ادراک کا پہلو غالب ہے تو دوسرے میں ارادے اور تیسرے میں جذبے کا پہلو نمایاں ہوگا۔

ادراک (Perception) کا معنی سادہ الفاظ میں جاننا ہے۔ ارادہ(Intention) کا معنی عام فہم ہے جذبہ(Emotion) انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے جس کا تعلق انسان کے باطن میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں خوف' نفرت اور محبت سے ہوتا ہے۔

اب فرداً فرداً انسانی شعور کی ان تینوں سطحوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ادراک

بعض لوگوں کی شعوری زندگی میں' جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ادراک کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ ان میں جستجو کرنے کا مادہ اور صلاحیت دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ روز مرہ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بچوں کی طبیعت میں تجسس(Curiosity) کا مادہ غالب ہوتا ہے۔ انہیں کوئی کھلونا دیں تو انہیں کھیلنے کے

نسبت سے زیادہ دلچسپی یہ جاننے میں ہو گی کہ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں جس کے لئے اکثراوقات اسے کھولنے اور جوڑنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

آج کے دور میں نوجوانوں کے اندر جستجو کرنے اور کریدنے کا عنصر پہلے زمانے کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ پچھلے زمانے میں والدین کوئی بات کہتے تو اولاد بے چوں وچراں مان لیتی تھی لیکن آج ایسی بات نہیں ہے سائنسی تحقیقات نے مشاہدات کی اس قدر ترغیب دی ہے کہ سنی سنائی کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ بچے ہر بات پر مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ اور جب تک انہیں دلیل سے قائل نہ کیا جائے وہ آسانی سے ماننے والے نہیں۔ زمانے کے تغیرات طبائع انسانی پر جو اثرات مرتب کرتے ہیں انہیں انسانی ذہن اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔ کسی نوجوان کو کوئی بات سمجھائیں تو وہ سوال کرے گا کہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کیا ہو گا۔ وہ بات کی تہہ میں جائے بغیر اسے ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہو گا۔

بچے جب جوان ہو کر بلوغت کو پہنچتے ہیں تو نئے نئے علوم وفنون اور افکار و نظریات کے مطالعے سے ان کے ذہن کے دریچے وا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ مختلف ادیان و نظریات عالم' عیسائیت' یہودیت' ہندومت' اشتراکیت' جدید فلسفہ' الوہیت' مادیت' تصوریت اور لادینیت وغیرہ کے ساتھ ساتھ اسلام اور سائنس کا تقابلی مطالعہ بھی کریں گے۔ اب اگر خدانخواستہ ان کے ایمان کا پہلو کمزور ہو تو دوسرے نظریات و عقائد کی تیز آندھی ان کی اعتقادی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دے گی ہر بات کو کریدنے کی عادت ان کو پہلے تشکیک کی طرف لے جائے گی اور وہ قرآن وسنت کے احکامات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگیں گے۔

ب۔ ارادہ

بعض انسانی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی شعوری زندگی پر ارادے کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں۔ وہ خالی نعروں سے خوش نہیں ہوتے بلکہ عملی میدان میں کچھ کام کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ ان میں ہر قسم کے افراد، جماعتیں اور تنظیمیں شامل ہیں۔

اس وقت کئی مثالیں پیش نظر ہیں یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ قانون کے منصب پر فائز حضرات اسٹیج پر قانون کی بالادستی پر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے اور جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر چیمبر میں ان کی عملی زندگی کے اندر جھانک کر دیکھو تو ان کی قانون اور جمہوریت پسندی کا سارا طلسم ٹوٹتا دکھائی دے گا۔ عملی زندگی میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر ہم سب کا حال تقریباً ایسا ہو چکا ہے۔ کوئی بھی طبقہ لے لیجیے خواہ اس کا تعلق محکمہ تعلیم، طب اور انجینئرنگ کے پیشوں سے ہو یا کسی بھی اور پیشے سے، اہل علم و دانش میں سے الا ماشاءاللہ کسی کے بھی پاس جاکر باتیں سنو تو یوں محسوس ہوگا۔ جیسے وہ سارے مسئلے آن واحد میں حل کر دے گا۔ اس کی گفتگو سے اصول پرستی اور نظریات کے بلند و بالا ایوان سر اٹھاتے نظر آئیں گے مگر عملی زندگی میں سوائے کاہلی، سستی اور بے عملی کے اور کسی کی جھلک دکھائی نہ دے گی۔ ماسوائے چند مستثنیات کے جو علمائے حق اور علمائے ربانیین ہیں۔ محراب و منبر پر فائز ان حضرات کا حال بھی دوسروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر ان کا حال ایسا نہ ہوتا تو اتنی تعداد میں لوگ مسجدوں سے گریزپا نہ ہوتے۔ صورت حال یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی دوسری اذان بلند ہوتی ہے تو لوگ مسجدوں کی طرف لپکتے ہیں۔ کوئی خطیب کی تقریر سننا گوارہ نہیں کرتا۔ ہمارے علماء کی

اس بے وقاری کا کیا سبب ہے؟ عام لوگ اور بالخصوص نوجوان دین سے کیوں بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا تجزیہ کیا جائے تو اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی بجائے قصور وار دوسروں کو ہی ٹھہرایا جائے گا۔ اس معاشرے میں ہر شخص کی سوچ یہی ہے کہ اس کے علاوہ ہر دوسرا قصور وار ہے اور وہ خود بے قصور ہے۔ اہل اقتدار کی سوچ یہی ہے کہ جو شخص اقتدار میں ہے وہ محب الوطن ہے اور اپوزیشن میں ہر شخص ملک دشمن ہے یہی اپوزیشن راتوں رات اقتدار میں آ کر محبّ الوطن بن جاتی ہے اور اقتدار سے محروم ہونے والے وطن دشمن قرار دیئے جاتے ہیں۔ سیاست میں ان دو اصطلاحوں کے سوا اور کوئی تیسری اصطلاح مروج نہیں۔

انتہا پسندی' بے اعتمادی اور بدگمانی کا یہ رویہ ہر حلقے اور ہر طبقے میں پایا جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق اہل مذہب' اہل سیاست یا اہل معیشت سے ہو۔ وہ لوگ جن میں ارادے کا پہلو بہمہ وجوہ غالب ہوتا ہے۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کا نام تو بہت لیا جاتا ہے مگر عملاً ہوتا کچھ بھی نہیں تو وہ بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قول و فعل کا تضاد ہمیں ہر جگہ نظر آ رہا ہے۔ واعظین کرام مسجدوں میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کرتے ہیں مگر گھریلو زندگی میں ان کے کردار پر اس اسلامیت کی کوئی چھاپ نظر نہیں آتی جس کے وہ مبلغ ہیں اس سے نوجوان نسل باغی ہو کر مغربی تہذیب و ثقافت کی دلدادہ ہوتی جا رہی ہے۔ سوسائٹی کا ڈھانچہ رفتہ رفتہ مغربی طرز زندگی اور بود و باش پر اٹھایا جا رہا ہے جس سے اسلامی تہذیب و ثقافت تحقیر کا نشانہ بن رہے ہیں۔ نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ داڑھی رکھنے والے کو اجڈ' گنوار اور ملا کہہ کر حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور لوگ باوجود تعلیم' روزگار اور شکل و صورت کے داڑھی رکھنے والے کو رشتہ دینے سے اجتناب کرتے ہیں۔ موجودہ تہذیب و ثقافت نے

تجدد (Modernism) کے نام پر اسلامی اعمال کی عزت ختم کر کے رکھ دی ہے جن پر چلنے والوں کو پس ماندہ (Backward) سمجھا جاتا ہے۔ مغربی ثقافتی یلغار نے فی الواقع ہمارے مذہبی ثقافتی ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

ج۔ جذبہ

اسلام پر تیسرا حملہ جذباتی محاذ پر کیا جارہا ہے۔ بعض لوگوں کی شعوری زندگی پر جذباتی پہلو غالب ہوتا ہے جس سے طبیعت کے اندر حسن طلبی، حسن پسندی اور حسن پرستی کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جن طبیعتوں میں یہ بنیادی عنصر موجود ہو وہ قلب و نظر اور دماغ میں سرشاری اور کیف و سرور کا نشہ چاہتی ہیں۔ مادی تہذیب کے زیر اثر جذباتی یلغار نے شہوانی اور نفسیاتی تسکین کے لئے جگہ جگہ اڈے کھول رکھے ہیں۔ رقص و سرود اور نوشانوشی کی محفلیں برپا ہوتی ہیں۔ نائٹ کلبوں اور سینما گھروں میں جسمانی، ذہنی اور دماغی تعیشات کے سامان فراہم کئے جاتے ہیں۔ جن کی طرف مذہب سے بیگانہ نوجوان دیوانہ وار لپکتے ہیں۔ ہر فرد اپنے پسندیدہ نشے کو حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے۔ نوجوان نسل جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کشاں کشاں نفسانی اور شہوانی خواہشات کے نشوں کی اسیر ہوتی جارہی ہے۔

انسانی شعور کی مذکورہ بالا تین سطحوں پر اسلام دشمن باطل قوتیں پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے خلاف دفاع کے لئے تمام ممکنہ وسائل پورے شد و مد سے بروئے کار لائے جائیں۔

اس کشاکش باہمی میں مسلم تہذیب و ثقافت کی بقاء کا راز حضور اکرم ﷺ سے ایسی خالص وفاداری میں ہے جس میں شرک فی النبوت کا شائبہ نہ ہو:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (۳ :۳۱)

(اے حبیب!) آپ فرمادیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا

اس بنیادی حقیقت کو اس حدیث میں مزید واضح کیا گیا ہے:۔

لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعالما جئت به (حدیث)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسکی آرزو' جو کچھ میں لایا ہوں' اس کی پیروی کرنا نہ ہو جائے۔

حدیث مبارکہ میں ھواہ کا لفظ انفس کی گہرائیوں کی اطاعت کی طرف اشارہ ہے جہاں سے تہذیب وثقافت کے رجحانات اوران کے داعیات پیدا ہوتے ہیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں غلط فہمیاں اور التباسات پیدا کرنے میں مستشرقین نے بھی پورا کردار ادا کیا۔ حالانکہ مغرب تہذیب کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی تہذیب کی چار ہزار سالہ تاریخ میں گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے انسانیت جدید مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے۔ اس سے پہلے تمام نوع انسانی کے ذہن پر مشرقی تصورات کی حکومت تھی۔ جب سے حیات انسانی اور اس کی جدوجہد مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے اس وقت سے آج تک مجموعی ہلاکت جو انسان کیلئے پیدا ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی اس ڈیڑھ سو برس کے علاوہ بقیہ چار ہزار سال میں ہوئی۔[۲۳] اسلامی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے تحقیق کرنے والے مستشرقین کے پانچ گروہ ہیں[۲۴]

اسلامی تہذیب و ثقافت اور مستشرقین

ا۔ وہ لوگ جن کا نقطہ نظر خالص علمی تھا۔ وہ تہذیب و ثقافت کو بحیثیت مظہر نفس اجتماعی لیتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام بھی نینوا' بابل' مصر اور ھند کی مٹی ہوئی تہذیبوں کی طرح ہے۔ ان کے نزدیک موضوع کلام اسلامی تہذیب و ثقافت کے اسباب عروج وزوال ہیں۔ اور اس کی توجیہ انہوں نے میکانی اصول علیت (Hypothesis of Mechanical Causation) سے کی۔ کہ اسلامی تہذیب Pre-Islamic Culture کا نتیجہ تھی۔ اس طرح انہوں نے معاشرت وادب کو جاہلیت کا اثر' فلسفہ و حکمت کو یونانی افکار سے ماخوذ' فقہ و قانون شریعت کو رومن لاء یا یہودیت اور اخلاق و تصوف کو مسیحیت سے ماخوذ قرار دیا۔

۲۔ دوسرا گروہ مسیحی مبلغین کا تھا۔ جنہوں نے اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا تھا۔ ولیم میور کے بقول جب مسیحوں کو صلیبی جنگوں میں شکست ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام مسیحیت کے مستقبل کی راہ میں موثر رکاوٹ ہے۔ اسلام کو ناقابل قبول ثابت کرنے کی جب تک کوشش نہ کی جائے۔ مسیحیت مقبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مسیحی مبلغین نے اسلام کا مطالعہ اس نظر سے شروع کیا کہ اس کے خلاف نفرت پھیلائی جائے۔ اور اس کے تمام ثقافتی فضائل کو ما قبل تہذیبوں کا اثر قرار دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اسلام کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے سب کچھ یہودیت و عیسائیت سے لیا ہے۔

۳۔ مستشرقین کا تیسرا گروہ ان یہودیوں پر مشتمل ہے جنہوں نے یہودیت کی

تجدید کی خاطر عبرانی کا مطالعہ شروع کیا۔ تو ان پر واضح ہوا کہ عبرانی کے میدان میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جواباً انہوں نے اسلام کو اسکے اصل ماخذ سے جاننے کا تہیہ کر لیا اور عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کر کے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ اب انہوں نے صیہونی مفاد کے ساتھ اسلامی عقائد' تصورات' اسلامی شخصیات قانون روایات اور اسلامی تحریکات کا مطالعہ اس انداز سے پیش کیا کہ اس سے تنقیص کا پہلو نکلے۔ یعنی جب اس گروہ کا کوئی مستشرق صدیق اکبر کی تعریف کرتا ہے تو آنحضرت ﷺ کی تنقیص کرنے کے لئے اس طرح جب وہ امام غزالی کی علمی وفکری عظمت کو بیان کرتا ہے تو بھی اس کا مقصود یہی ہوتا ہے۔

۴۔ مستشرقین کا چوتھا گروہ استعمار پرستی کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ استعمار کے مستقبل کے عزائم کی راہ میں مسلم دنیا رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ان کی تمام تر تحقیق و مطالعہ کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا مطالعہ کر کے اسے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مسلمانوں کا ماضی چاہے جتنا بھی تابناک ہو مگر ان کا مستقبل مغربی اقوام کے سہارے کے بغیر تاریک رہے گا۔

۵۔ مستشرقین کا یہ گروہ آج کل مغرب کی جامعات (میک گل' پرنسٹن' کیمبرج' آکسفورڈ اور واشنگٹن وغیرہ) میں مصروف تحقیق ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت پر انکی تحقیق کا مقصود یہ ہے کہ قیادت تو مسیحیت کے ہاتھ سے نہ نکلے مگر دوسرے محاذوں مثلاً اشتراکیت پر مسلمانوں کی اپنی موافقت میں کٹوانے کی تدبیر دریافت کی جاسکے۔

جدید مسلم ذہن پر مستشرقین کا اثر

جدید مسلم ذہن دو نوعی انداز سے مستشرقین کے کام سے متاثر ہو رہا ہے۔ ایک تو اس کی تمام تعلیم و تحقیق اور مطالعہ کا انحصار مستشرقین کے ہی کام پر ہے جو کہ تعصب و عناد کے خمیر سے وجود میں آیا ہے اور اسے اپنے اصل ماخذ تک رسائی حاصل نہیں۔ دوسرے زوال زدہ مذہبی ذہن کی دینی و مذہبی تعبیرات نے بھی اس کے اپنی تہذیب و ثقافت پر اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے کہ غلبہ دین حق کا وعدہ دور نبوت ہی کے لئے تھا۔ جو قرونِ اولیٰ میں پورا ہو چکا۔

تدارک کا منہاج

ان تمام تر معاندانہ پراپیگنڈوں کا موثر تدارک تب ہی ہو سکے گا جب ہم اسلام کو ایک کامل تہذیب کے طور پر پیش کریں گے۔ کہ اسلام ایک مثالی ثقافت (Idealistic Culture) دیتا ہے۔ جس میں اقدار و اعمال، معیشت و اخلاق باہم مربوط ہیں۔ اور معاشرے کو حسی اور تخیلی کلچر کے خانوں میں بانٹ کر دیکھنا دراصل اسلامی تہذیب کے کل کو ٹکڑوں میں منقسم کرنا ہے۔ جو بدست خود ایک تخریبی اقدام ہے کیونکہ کسی ایک پہلو کا معاشرے پر غلبہ افراد معاشرہ کے افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کا باعث ہو گا۔ آج ثقافت کے نام پر معاشرے کو حسی کلچر کے جس سیلاب کی نذر کیا جا رہا ہے اس کے اثرات ہمارے سامنے ہیں۔[۵۳]

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نمونہ ثقافت حسی اور تخیلی ثقافت سے قطعاً مختلف ہے بلکہ اسلامی نمونہ ثقافت ایک ایسا تہذیبی اور تمدنی کل ہے جو ان مسائل کا حل دیتا ہے کہ:۔

۱۔ تعلق باللہ (انفرادیت) اور عمرانی تقاضوں (اجتماعیت) میں ہم آہنگی کیونکر

ہو گی؟

۲۔ اخلاق و معیشت باہم کس طرح مربوط ہیں؟

۳۔ انفرادی واجتماعی حقوق کا تضاد و تصادم کس طرح رفع ہو گا؟

۴۔ دین وسیاست کی حدود امتیاز و وحدت کیا ہیں؟

۵۔ ہدایت مبنی بروحی کی کار آفرینی معاشرے میں کس طرح جاری رہے گی؟

مسلم معاشرے کے لیے لمحہ فکریہ

مغرب کی ثقافتی یلغار نے دو حوالوں سے مسلم معاشرے کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے:۔

۱۔ اگر مغربی علمی ترقی کی بنیاد مسلم علمی و ثقافتی ورثہ ہے تو ہمیں مغربی تہذیب کے ردو قبول میں محتاط رویہ اختیار کرنا ہو گا۔ یعنی مغربی تہذیب کو کلیتہً رد کرنے کی بجائے اسکے ان عناصر کو قبول کرنا ہی ہو گا جو ہمیں ہمارے ثقافتی ورثہ پر اعتماد عطا کرے۔

۲۔ جدید علمی ترقی سے مذہبی فکر کی تشکیل جدید کی معاونت کے لئے علوم اور مذہب میں موجود مسائل کے جوابات میں تصادم اور تضاد کو رفع کرنا ہو گا۔

جب مسلم معاشرے کا اپنی ثقافت پر اعتماد بحال ہو جائے تو اسے اپنی ثقافت کو نئی نسل کو منتقل کرنے کا سامان کرنا ہو گا۔ ثقافت معمول بہ دین سے پیدا ہونے والے فضائل پر مشتمل ہے۔ یہ فضائل ایک ورثے کی حیثیت رکھتے ہیں جو پرانی نسل نئی نسل کو منتقل کرتی ہے۔ انتقال ثقافت تین مدارج میں ہوتا ہے:۔

۱۔ تحصیل(Reception)

۲۔ تفصیل(Manipulation)

۳۔ تفویض(Transmission)

ان تینوں مدارج کی تکمیل کے لئے مذہبی واردات کے حصول کی جدوجہد کرنا ہوگی تاکہ تینوں مدارج پر ثقافتی ورثہ کو عقیدہ و عمل کے نظام کی مابعد الطبعیاتی اساس میسر آسکے۔[9] گویا ہمیں اپنی مثالی ثقافت کو حقیقت بنانے کے لئے روحانیت اور اخلاق کو سیاست اور معیشت سے مربوط کرنا ہوگا۔[10] جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں استحکام کا باعث بنے گا۔ یہ علم بالوحی سے میسر آنے والی ہدایت کی پیروی سے ہی ممکن ہے جو قوموں کو عروج عطا کرتا ہے اور اسکی خلاف ورزی سے قومیں زوال میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔(ضمیمہ نمبر ۵)

آج عالمی منظرنامے میں مسلم دنیا کے موثر کردار نہ ہونے کے باوجود باطل طاغوت اور استعمار کی طرف سے مسلم دنیا کے خلاف تعصب و عداوت اس بات کا ثبوت ہے کہ امت مسلمہ آج بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔اگر ہم اپنی غایت کے حوالے سے ایک تصور پیدا کریں اور کتاب اللہ سے رجوع کریں تو کلمۃ اللہ ھی العلیا کے وعدے کے تحت اس حقیقت کو پھر سے دہرایا جاسکتا ہے کہ آج بھی صرف ہم ہی ایک زندہ حقیقت ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(باب ہفتم)

۱۔ منہاج القرآن: ۱۹۲۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۲۔ منہاج القرآن: ۵۸۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۳۔ یہود و نصاریٰ کی اسی ذہنی نفسیات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

ولن ترضیٰ عنك اليهود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتهم قل ان هدی الله هو الهدی (۲:۱۲۰)

دیگر قرآنی مقامات:۔ ۲:۱۰۹، ۴:۹۹، ۵:۵۹، ۳:۶۹، ۲:۷۲

۴۔ ہندوستانی کانگرس رہنما سونیا گاندھی کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ کہ انہوں نے پاکستانیوں کو اپنی ثقافتی یلغار سے مفتوح کر لیا ہے۔ اب صرف نام کا پاکستان رہ گیا ہے۔

۵۔ آج ہمارے یہ رجحان چل نکلا ہے کہ دینی اقدار سے آزادی کو آزاد خیالی، ترقی پسندی اور پابندی کو رجعت پسندی یا قدامت پرستی کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ میڈیا کے ذریعے سے مغربی کلچر کی فوقیت کا نسل نو تک ابلاغ ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہم اپنی تہذیب چھوڑ رہے ہیں اور اغیار کی تہذیب کو اعلیٰ و ارفع اور ترقی یافتہ سمجھ کر قبول کر رہے ہیں۔

۶۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۸۴۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۱۰۸۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۸۔ اسکا ثبوت ہمارے ہاں کا الیکٹرانک میڈیا ہے۔ سلور سکرین کی حالت ہی ناقابل بیان ہے۔ کوئی سنجیدہ ذہن کا فرد سلور سکرین سے تفریح حاصل کرنا قابل اطمینان نہیں سمجھے گا۔ رہا ٹیلی ویژن تو وہاں پر بھی سطحیت، بے مقصدیت اور ہوس و نمود و نمائش کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دینی اور لادینی پروگراموں کا تقابل کریں۔ تو دینی پروگرام کا شمار معیار و مقدار دونوں حوالوں سے نہیں ہوگا۔ رہے دوسرے پروگرام ان کا حال بھی ہمارے قومی ثقافتی تقاضوں سے میل نہیں کھاتا حالانکہ ان تمام تر پروگراموں کو وقتی تفریحی ضروریات پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس قرآنی ضابطے کا پابند کرنے کی ضرورت ہے:۔

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔(۷:۱۷۶)

اشتہارات جو ہمارے ٹی وی میڈیا کا اہم جزو ہیں وہ بھی ہمارے ابلاغ کی سطحیت کے بزبان خود گواہ ہیں۔ کہ معیار اور صارف کی ضروریات کا لحاظ رکھنے کی بجائے نمود نسواں کا سہارا لیکر صارف کے جذبات و مال کے استحصال کا ذریعہ ہیں۔

معاشرے میں میڈیا کے کردار کو جاندار اور بامقصد بنانے کے حوالے سے عالیجاہ عزت بیگوج کا یہ تبصرہ بڑا قابل غور ہے:۔

"Religion talks about soul, art about character, and that is nothing but two ways of expressing the same idea. Religion turns to the soul and art tries to

reach it, to bring it before our eyes."

(Islam between East & West by Alija Ali-Izetbegovic)

یعنی فن و ثقافت کو دینی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے پھر یہی اثر ہماری ادبیات پر بھی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مقصدیت کے فقدان نے ادب کی تلاش مقصد کے لیے کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ چونکہ ان کی اساس ملی ثقافتی ورثے میں نہ تھی وہ کماحقہ پنپ بھی نہ سکیں گو انہوں نے اپنے حیطہ کے اندر تاثیر ضرور چھوڑی۔ آج ادبیات کو بھی ایسا بامقصد لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے کہ:

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا ؟
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا؟
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟

(اقبال)

۹۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔۱۰۸ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۱۰۔ کہ قومی زندگی کی بقا اسی سے وابستہ ہے۔ مغربی معاشرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اسلامی اصول معیشت کے ایک نکتے نفع بخشی کو اپنایا ہے جسے قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے۔

فاما الذبد فيذهب جفاء و اما ما ينفع الناس فيمكث في
الارض كذلك يضرب الله الامثال۔(۱۳ :۱۷)

مغربی معاشرے کے اسی باہمی نفع بخشی کے عمل نے انہیں عالمی سطح پر بھی
ثقافتی وتہذیبی تفوق دیا ہوا ہے۔

باب ہشتم

انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و لم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدینo
(۱۸:۹)

دینی و مذہبی فکر میں تغیر

دور زوال کے اثرات کے تحت جب موثرات حیات میں تبدیلی آئی اور زندگی کا ہر پہلو متغیر ہوا تو دینی اور مذہبی فکر میں بھی تغیر رونما ہوا۔ اس وقت امت مسلمہ کی دینی ومذہبی زندگی پر درج ذیل چار پہلوؤں سے حملے ہو رہے ہیں۔

۱۔ مادیت کا حملہ

۲۔ اشراقیت کا حملہ

۳۔ متنبیت کا حملہ

۴۔ معرضیت کا حملہ

پہلا حملہ: مادیت

اس حملے سے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو مادیت کی لپیٹ میں لایا جارہا ہے اور ان کے دل و دماغ کو لبھانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ مغربی تہذیب کی کشش اور چکاچوند سے ان کے اعتقاد و اعتماد کو اس درجہ متزلزل کر دیا جائے کہ وہ اسلام کی روحانی اقدار سے برگشتہ ہو جائیں۔

مادیت سے جنم لینے والے فتنے

مادیت کی بے پناہ یلغار نے ملت اسلامیہ کو چار مختلف فتنوں سے دوچار کر دیا ہے۔

پہلا فتنہ ------- حکم الجاهلية

دوسرا فتنہ ------- ظن الجاهلية

تیسرا فتنہ	------	تبرج الجاهلية
چوتھا فتنہ	------	حمية الجاهلية

حکم الجاهلية

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس کی زد میں آ کر مسلمان ریاستیں نام تو اسلام کا لیتی ہیں لیکن عملاً احکم الحاکمین کے عطا کردہ نظام اور قانون شریعت کے نفاذ کی بجائے مغرب سے مستعار بے خدا نظام رائج کرنے کو ترجیح دے رہی ہیں اور احکام الٰہیہ کو بہانوں سے پس پشت ڈال کر مغربی قوانین کے عملدر آمد میں مادی ترقی کی ضمانت تلاش کی جا رہی ہے اور اس طرح امت مسلمہ کو شریعت کے فیوض و برکات سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

ظن الجاهلية

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس میں مبتلا ہو کر افراد امت مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اسلامی فکر و فلسفہ سے منہ موڑ کر مغربی افکار کا دلدادہ ہوتا جا رہا ہے۔ نتیجتاً کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء الا ماشاء اللہ مغربی فلسفے' سیکولرازم اور لادینی نظریات کا مطالعہ تو نام نہاد ترقی پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں بڑے شوق و شغف سے کرتے ہیں لیکن اسلامی افکار کے حیات بخش سرچشمے سے متمتع ہونے کی انہیں توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔

تبرج الجاهلية

مادیت کا تیسرا فتنہ درحقیقت مغربی تہذیب کی یلغار کا نتیجہ ہے جس کی زیر

اثر اعلیٰ اسلامی روایات اور شرم و حیا کی آفاقی اقدار بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چکاچوند اور ملمع کاری سے متاثر ہو کر ہماری مائیں‘ بہنیں اور بیٹیاں عصمت و عفت کے اسلامی تصور سے بیگانہ ہو کر خود کو مغربی قانون کے قالب میں ڈھال رہی ہیں جس کے نتیجے میں مغربی آرائش جمال اور حسن غازہ پرور کی رو میں بہہ کر شرم و حیا کے جوہر سے تہی مایہ نسوانیت شمع خانہ بننے کی بجائے رونق محفل بن کر رہ گئی ہے اور عصمت و عفت کا اسلامی تصور قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔

حمية الجاهلية

چوتھا فتنہ مادیت حمية الجاهلية ہے جو ان قبائلی‘ گروہی‘ علاقائی اور صوبائی تعصبات و مفادات کو فروغ دے رہا ہے جنہیں کم کرنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے حجۃ الوداع کے آخری خطبے میں یہ ارشاد فرمایا کہ

كل شيء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع	آج کے دن جاہلیت کے تمام تصورات میں نے اپنے قدموں تلے روند ڈالے ہیں۔

دور جاہلیت کی جھوٹی عصبیتوں اور حمیتوں کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا تھا اور نسلیت‘ قبائلیت‘ علاقائیت و لسانیت کے سارے بت پاش پاش کر دیئے تھے۔ بد قسمتی سے آج اسلامی حمیت و غیرت خوابیدہ ہے جبکہ جھوٹی اور محدود عصبیتیں پھر سے سر اٹھانے لگی ہیں۔ امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ انتشار و افتراق کی ہواؤں میں ہر طرف بکھرتا دکھائی دے رہا ہے۔

دوسرا حملہ: اشراقیت

جہاں مادیت کے حملے سے ملت بیضا کو اسلام کے روحانی پہلو سے محروم کیا جا رہا ہے وہاں اشراقی فتنے کے ذریعے نقلی و مصنوعی روحانیت کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو منہاج شریعت سے دور رکھنے کے جتن کئے جا رہے ہیں۔ شریعت اور طریقت میں دوئی اور بعد پیدا کر کے ظاہری احکام شریعت سے یہ کہہ کر پہلو تہی کی جا رہی ہے کہ دین کی اصل تو باطن ہے جسے ظاہری شریعت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اشراقیت کے حملے کے ذریعے اطاعت واتباع احکام الٰہی اور شریعت مطہرہ کی پیروی کے تصور کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور آزاد خیالی و آزاد روی کے نام پر ایک مصنوعی اور کھوکھلی روحانیت کو رواج دیا جا رہا ہے جس کے ذریعے اس تصور کو فروغ دیا جا رہا ہے کہ اصل راہ تو طریقت و باطنیت کی راہ ہے اور منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے شرعی احکام کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں۔

تیسرا حملہ: متنبیت

اسلام کے قالب پر ہونے والا تیسرا حملہ متنبیت کا ہے جس نے امت مسلمہ کے اندر طرح طرح کے فتنوں کو جنم دیا ہے۔ ان میں ایک بہت بڑا فتنہ جھوٹی نبوت کا ہے۔ امت کو بظاہر بے یار و مددگار اور بے سہارا دیکھ کر مختلف افراد جھوٹی نبوت، مجددیت اور قیادت کے دعویدار بن کر سامنے آئے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے ان کے ایمان واسلام کو غارت کر دیا ہے۔ یہ حملہ پہلے دو حملوں کی نسبت کہیں خطرناک اور متاع ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ اس کے ذریعے ملت اسلامیہ کو اس کے مرکز وحدت سے بیگانہ کر کے اس کی وفاداریوں کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔

چوتھا حملہ: معرضیت

اسلام کے خلاف چوتھا حملہ معرضیت کا ہے جس کے زیر اثر اسلام کے نام پر افراد امت کو بانی اسلام سے دور لے جایا جا رہا ہے اور ان کے دلوں میں بھڑکنے والی عشق مصطفیٰ ﷺ کی چنگاری کو بجھانے کے جتن کئے جا رہے ہیں یعنی بقول اقبالؒ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک سینوں میں محبت رسول ﷺ کی حرارت اور تب و تاب باقی رہتی ہے۔ امت کے اجتماعی احوال و اعمال چاہے کتنے ہی دگرگوں کیوں نہ ہو جائیں ان کی متاع رفتہ پر بہار آسکتی ہے اور راکھ میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری نسبت مصطفیٰ ﷺ سے بھڑک کر شعلہ جوالہ بن سکتی ہے لیکن اگر خدانخواستہ امت کی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ یہ نسبت کمزور پڑ جائے اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی ذات سے عشق و محبت کو شخصیت پرستی اور فرسودہ خیالی پر محمول کیا جانے لگے تو اس کو دائمی شکست سے دوچار ہونے سے نہیں روکا جاسکتا اور مستقبل میں اس کا اپنے احیاء کی نسبت یقین یکسر متزلزل ہو جاتا ہے اور رزم گاہ حیات میں اس کا دوبارہ غلبہ حاصل کرنا

ایں خیال است و محال است و جنوں

والی بات بن کر رہ جاتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کے قلب و جگر پر کئے جانے والے مذکورہ چاروں حملوں کا مقصد فقط ایک ہے کہ نسبت رسالت کی اساس کو اس درجہ کمزور و مضمحل کر دیا جائے کہ امت کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ تعلق اور ناطہ محض برائے نام رہ جائے۔ ان حملوں کا آغاز برطانوی استعمار اور مغربی سامراجی طاقتوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کر دیا تھا تاکہ مختلف حربوں سے امت کو عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کے مرکز سے ہٹا کر اس کی اساسی نسبت کو کمزور کر دیا جائے جس سے وہ ایمان کی حرارت اور زندگی کی رمق حاصل کرتی ہے اور جس سے سرشار ہو کر وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ فرنگی حیلہ گروں نے سوچا کہ جب اس امت کا تعلق اپنے مرکز سے جہاں سے اسے زندگی مل رہی ہے ٹوٹ گیا تو اس پر ایک نہ ختم ہونے والی ابدی موت طاری ہو جائے گی۔

طاغوتی یلغار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تغیرات

دور حاضر کی طاغوتی یلغار کے نتیجے میں دینی اور مذہبی فکر میں درج ذیل تغیرات پیدا ہو گئے۔

۱۔ جب دین عملاً آخرت کا معاملہ رہ گیا اور اس کا زندگی کے عملی معاملات سے کوئی علاقہ نہ رہا تو اسکے نتیجے میں عقیدہ وہم (Myth) اور عبادات رسوم (Ritual) رہ گئیں اور مذہب عملی زندگی میں اس درجہ پر آ گیا جس پر آج دوسرے آسمانی مذاہب ہیں۔

۲۔ علم بالوحی اور علم زائیدہ کا امتیاز مٹ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقلی اور نقلی علوم قرآنی علوم پر غالب آ گئے اور قرآن سے براہ راست ہدایت اخذ کرنے کی بجائے

تمام تر توانائیاں قرآن کے معاون علوم سے اخذ ہدایت پر صرف ہونے لگیں۔

۳۔ ان متغیر حالات میں دین اور محتویات دین کو خود ساختہ تصورات سے سمجھا جانے لگا۔ تکمیل دین اور ختم نبوت کی اصطلاحات جو کہ امت مسلمہ کی عمرانی، ثقافتی اور علمی و قومی وحدت و تشخص کا نشان تھیں، کے مفاہیم اتنے مسخ ہو گئے کہ ان کی عملی تاثیر اور روح و ظائف مذہبی سے نکل گئے۔ اندریں حالات:۔

الف۔ تکمیل دین

تکمیل دین کا قرآنی تصور جو الیوم اکملت لکم دینکم......الخ میں بیان کیا گیا تھا وہ تکمیل فقہ رہ گیا۔ جب تکمیل دین کا مفہوم تکمیل فقہ لیا گیا تو وظائف قانون کے پس منظر میں موجود وہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی جس کے تحفظ کے لئے قانون کو قوت نافذہ دی جاتی تھی کیونکہ جب تک اسلام ایک مقتدر قوت رہا اور اسلامی قانون کو قوت نافذہ میسر رہی تو دور اولیٰ کی قائم اسلامی اقدار حیات بھی جاری و ساری رہیں مگر جونہی قانون سے قوت نافذہ چھنی وہ اقدار حیات کی حفاظت سے عاجز ہو گیا کیونکہ قانون تو زندہ اقدار حیات کا ہی تحفظ کر سکتا تھا، مردہ اقدار حیات کو پھر سے زندہ کرنا رائج الوقت قانون نہ وظیفہ تھا نہ اس کے بس کا روگ۔[1]

ب۔ ختم نبوت

تکمیل دین اور ختم نبوت کے مفاہیم کے حوالے سے مذہبی ذہن اس المیے کا شکار ہو گیا کہ اسے اس حقیقت کا ادراک نہ رہا کہ ختم الانبیاء ﷺ نے خاتم الوحی (قرآن) کے ذریعے ایسا صحیفہ عطا فرما دیا جس نے بنی نوع انسان کو ہمیشہ کے لئے نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس حقیقت کو ختم نبوت اور تکمیل دین کے مضمرات کو سمجھنے سے ہی واضح کیا جا سکتا ہے کہ قرآن ہی وہ ہدایت دیتا ہے جو انجام کار

غلبہ حق اور شکست باطل پر منتج ہوتی ہے[1] اور قرآن کی شان ابدیت ہی اسے صحف ماسبق سے بے نیاز کرتی ہے۔

ج۔ توحید

توحید کا عقیدہ ایک سطح پر تو ایک تصور اور مذہبی مسلمہ ہے مگر در حقیقت یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی عملی افادیت تب ہی سامنے آسکتی ہے جب محسوسات سے اس کی سازگاری و باہمی ربط استوار کیا جائے۔ جب انفرادی سطح پر اس کا عملی اطلاق کیا جائے گا تو یہ ارتقائے ذات کا باعث بنے گا۔ بقول علامہ اقبالؒ

اسی سے ٹوٹ سکتا تھا یہ طلسم رنگ بو
یہی توحید تھی جسے نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
تا نہ رمز لا الہ آید بدست
بند غیر اللہ نتواں شکست

جب اجتماعی سطح پر اس کا عملی اطلاق کیا جائے گا تو محسوس حقائق کی شکل میں اس کا نتیجہ سامنے آئے گا کہ نوع کو انسان ایک وحدت قرار دیا جائے۔ نوع انسان کو وحدت قرار دینے سے ہی بنی نوع انسان کے لئے حال و مستقبل کی تخریب کی بجائے تعمیر کا راستہ کھل سکتا ہے۔ اسی طرح جب انفرادی و اجتماعی زندگی کو نامی وحدت کے طور پر لیا جائے گا جس میں اخلاق و معاشت کے درمیان جوابی' اضافی' مستصافی ربط کو تسلیم کیا جا چکا ہو تو تب ہی انفرادی و اجتماعی سطح پر مثالی ثقافت (Idealistic Culture) کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا مگر دور زوال کے اثرات نے توحید کو اس ملت آفریں منصب سے اتار کر مجادلوں اور مناظروں کا موضوع بنا دیا[2]

۴۔ نزول قرآن کی غایت کو نہ سمجھنے کی بناء پر شرع و منہاج کا فرق مٹ گیا۔ہم

شرع پر تو قائم ہیں مگر اس کی نتیجہ خیزی کے لئے منہاج سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ قرآن حکیم ان دونوں کے باہمی ربط و تعلق کو بیان کر رہا ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا — ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور کشادہ راہ عمل بنائی۔

(۴۸:۵)

۵- قرآن حکیم کو صحف ماسبق پر عملاً قیاس کرنے سے مسلم معاشرے میں مذہبی ذہن اور جدید ذہن کے مابین ایک تیسرا طبقہ وجود میں گایا جو مذہبی ذہن اور جدید ذہن کے درمیان تطبیق پیدا کرنے اور معذرت کو شانہ ہم آہنگی پیدا کر کے حصول اقتدار کی راہ ہموار کرنے میں مصروف ہے۔

۶- جب ہمہ گیر زوال کے نتیجے میں مذہب کے انفرادی سطح تک محدود ہو جانے سے' معاشی اقتدار مذہب سے چھن گیا اور دوسری طرف جب مذہبی ذہن قرآن سے ولولہ انگیزی اور نتیجہ خیزی کی زندگی کشید کرنے سے محروم رہا تو مذہبی وعظ بھی بے اثر ہو گیا کیونکہ آج کے وعظ کے ساتھ نہ قوت نافذہ کی شان و شوکت ہے نہ بصیرت و حکمت کا نور اور نہ ہی یقین و ایمان کی قوت۔ جب زندگی کے تقاضے فقہی احکام سے انحراف کر کے پور ہو رہے ہوں تو عذاب کا ڈر کب تک عامۃ الناس کو راہ ہدایت پر استقامت دے گا۔ زندگی کے گوناگوں مسائل نے عام آدمی سے حضور قلب چھین لیا۔ خارج میں غلبہ باطل کے مشاہدہ نے قوانین شریعت سے انحراف پر مجبور کیا' نتیجہ یہ نکلا کہ دینی اور لادینی علمبرداروں کے درمیان بے یقینی اور یقین کی آویزش شروع ہو گئی جس میں انجام کار مذہبی ذہن پر ہی مزید زد پڑی کہ اسے اپنی بے یقینی میں اضافے کے علاوہ کچھ نہ ملا کیونکہ آج کا مبلغ جن فقہی احکام کا پرچار کر رہا ہے ان سے

انحراف کئے بغیر زندگی کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے حالانکہ دعوت و تبلیغ کی بے تاثیری اس وقت ختم ہو سکے گی جب ہم دعوت و تبلیغ کے لئے راہ راست قرآن سے رہنمائی لیں گے۔

قرآنی نظام دعوت

قرآن حکیم کی روشنی میں دعوت کا موثر نظام برپا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:-

ا- دعوت کے لئے ایسی جماعت مصروف عمل ہو جو معروف کے فروغ اور منکر کے استیصال کے اصول پر کاربند ہو گی۔ ارشاد ربانی ہے کہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۰۴:۳)	اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں

۲- دعوت میں صرف موضوع دعوت ہی نہیں بلکہ دعوت کا طریقہ کار بھی ملحوظ خاطر رہے۔ دعوت کے طریقہ کار میں قرآن حکیم کی روشنی میں ضروری ہے کہ

الف- دعوت حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدال احسن پر مشتمل ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۲۵:۱۶)	(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو

ب۔ دعوت میں ایسی بصیرت کارفرما ہونی چاہئے جو نتیجتاً زندگی کو کلیۃً "الی اللہ" کی راہ پر ڈال دے۔ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (۱۲:۱۰۸)

(اے حبیب مکرم) فرمادیجئے یہی میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت پر (قائم) ہو۔ میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی"

ج۔ دعوت مومنانہ یقین سے مملو ہونی چاہئے۔ دعوت میں یقین کی اہمیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے جب آج کے واعظانہ **وما علینا الا البلاغ** کو پیغمبرانہ **وما علینا الا البلاغ** کی روشنی میں دیکھا جائے۔[۵]

اس کی تفصیل باب "دعوت اور اس کی اہمیت" میں آرہی ہے۔

۷۔ مذہبی تغیر اور مذہب کے انفرادی، شخصی، نجی اور انفسی حد تک سمٹ جانے سے اخلاق و معیشت کا باہمی، جوابی، وجوبی تعلق بھی معدوم ہو گیا جس کا دو نوعی اثر معاشرے پر مرتب ہوا:-

الف۔ معیشت کو اخلاقی پابندیوں سے رہائی مل گئی کالے دھن اور ناجائز کمائی کو قانونی تحفظ مل گیا۔[۶]

معیشت کو اخلاقی ضوابط سے آزاد کر دینے سے معاشرے کا تزکیہ کے نور سے محروم ہو جانا لابدی ہو گیا کیونکہ بندہ اور خدا کے درمیان بعد کی خلیج کو تزکیہ کا ربط ہی پاٹ سکتا ہے اس لئے کہ تزکیہ دو شرائط سے عبارت ہے۔ مقصود بعثت محمدی ﷺ کو اپنانے (الصف: ۹) اور مال راہ خدا میں خرچ کرنے (اللیل: ۱۷-۲۰، الشمس: ۹، الاعلیٰ:

۱۴) سے تاکہ دوسروں کا معاشی تعطل دور ہو سکے۔

ب- مذہب جب زندگی کی حقیقت محسوس کی بجائے مجرد حقیقت میں بدلا تو وہ نتائج جو قرآن حکیم نے دنیا میں پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا آج کے مذہبی ذہن نے انہیں آخرت پر اٹھا دیا۔ اعمال اور نتائج کے باہمی ربط و تعلق کو قرآن نے بطور اصول اور قانون کے بیان کیا ہے بایں طور کہ:-

i- دنیوی زندگی میں قانون الٰہی سے انحراف زوال و ذلت پر منتج ہوگا۔

بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ○ — یہ پیغام حق ہے (سن لو کہ) اب وہی غارت ہوں گے جو نافرمان ہیں

(۴۶:۳۵) ؎

ii- اخلاص باللہ و عناد باللہ کا انعام و انتقام آخرت میں مرتب ہو کر رہے گا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ○ — پس آپ صبر کریں بیشک بہتر انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے

(۱۱:۴۹) ؎

iii- اگر قبل از مرگ توبہ کی جائے تو مغفرت سے نوازا جائے گا۔

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ○ — پھر ہم نے ان کو تنگدستی اور تکلیف کے ذریعے پکڑ لیا تاکہ وہ (عجز و نیاز کے ساتھ) گڑگڑائیں۔

(۶:۴۲) ؎

مگر آج کے مذہبی ذہن نے مذکورہ تینوں نتائج کو آخرت پر ملتوی کر دیا اور اس طرح خود کو نتیجہ خیزی کے بار گراں سے سبکدوش کر لیا اور اس امر سے مستغنی ہو گیا کہ مذکورہ نتائج کے نہ پیدا ہونے پر وہ آخرت میں ہی نتیجہ خیزی پر کفایت نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہو اور نتیجہ خیزی کے لئے مطلوبہ تقاضے پورے

کر کے قرآن کے وعدہ کی زندہ تصویر بنے۔

۸- آج کے مذہبی ذہن کے قرآن سے اخذ ہدایت میں یہ موانع حائل ہیں۔

قرآن سے اخذ ہدایت کے موانع

i- قرآن حکیم کو صرف قانون کا ماخذ ہی سمجھا جا رہا ہے۔

ii- موثرات حیات کے بدل جانے کے باوجود اصلاح کا کوئی طریقہ قرآن حکیم سے طلب نہیں کیا جا رہا۔

iii- قرآن کے محفوظ ہونے کے باوجود انسانی زائیدہ علوم پر اس کا عملی تفوق پیدا نہیں کیا جا سکا۔

iv- کتاب و سنت اور پھر خود کتاب کے دیئے ہوئے تصورات مسخ ہو گئے ہیں۔

v- زوال کی توجیہہ تاریخی منطقی نتیجہ اور اللہ کی بے نیازی سے کی جا رہی ہے۔

vi- قرآن کو صحف ماقبل پر قیاس کیا جانے لگا۔

vii- قرآن کی حجت من بعد الرسل ہونے سے (عملاً) یقین اٹھ گیا۔ نئلے

۹- قرآن و حدیث کی تدریس کے طریق کار میں بھی اس تغیر کا اثر رونما ہوا' عالم اسلام میں دینی علوم کی تعلیم کے ادارے کام کر رہے ہیں مگر قرآن حکیم براہ راست مطالعہ کے لئے کہیں بھی داخل نصاب نہیں۔ اس کی جگہ دیگر تفسیری اور زائیدہ علوم پڑائے جا رہے ہیں۔

اسی طرح حدیث بھی دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے مگر اس کی تدریس فقط اپنے فقہی موقف کی تائید و سند تلاش کرنے کے لئے ہے۔ اس سلبی طریق تدریس نے نسل نو کو جوہر اخلاق سے محروم رکھا۔

۱۰- مذہبی تغیر کا اثر تصوف پر بھی مرتب ہوا کیونکہ جب مذہب عملی زندگی سے

منقطع ہو کر صرف نجی، باطنی اور انفرادی معاملہ بن گیا تو محرکات عمل میں اخلاص باللہ کی احتیاج ختم ہو گئی۔ اخلاص باللہ سے بے نیازی نے حضور قلب اور تزکیہ و تصفیہ کی اہمیت کو کم کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

۱۱۔ دینی فکر میں اختلال کا بنیادی سبب آج کے مذہبی ذہن کا فکری جمود ہے جو متغیر اقدار کو بھی مستقل اقدار منوانے پر مصر ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

فکر و عمل کا اختلال تب ہی رفع ہو گا جب ہر مرحلہ ارتقاء پر متغیر اقدار کو از سر نو اقدار کاملہ سے ہم آہنگ کیا جاتا رہے گا۔ چونکہ آج کا مذہبی ذہن اس وظیفہ کی ادائیگی سے معذور ہے سوائے قرآن سے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ [۱۱]

مذہبی و دینی تغیر کی اس زوال پذیر حالت سے نکلنے کی سبیل یہی ہے کہ آج مقصود بعثت نبوی ﷺ کو حاصل کرنے کی نتیجہ خیزی کی ضامن ہدایت قرآن سے اخذ کی جائے جس کی بنیاد پر مذہب کے اس مسخ شدہ تصور سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے کہ

"بے جان عقائد، مردہ رسوم، فرقہ پرستانہ آرزوئیں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیاں ہی پیغمبرانہ راہ حق پرستی ہیں اور متحد ہونا کفر ہے اور دینی حمیت کا اظہار فرقہ پرستانہ منافرت میں ضروری ہے"۔ [۱۲]

☆☆☆☆☆

حواشی

(باب ہشتم)

۱۔ آج کا مذہبی ذہن کس حد تک بدل چکا ہے اور اسلام کے عملی و تنفیذی احیاء سے کتنا مایوس ہے اسکا اندازہ دور حاضر کے ایک ممتاز عالم دین اور ایک بڑے دینی تعلیمی ادارے کے سربراہ کے پاکستان' اسلامی نظام اور کشمیر جیسے اہم معاملات پر خیالات سے ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ندائے ملت لاہور شمارہ ۴۸: دسمبر ۹۸ء

۲۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۳۰۹۔ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۳۔ آج امت مسلمہ میں فرقہ بندی کی بنیاد اکثر و بیشتر توحید ہی ہے۔ شرک سے پرہیز اور توحید کے فروغ کے نام پر ملت کا وجود لخت لخت ہو رہا ہے۔ اور افراط و تفریط کا یہ عالم کہ ایک طرف مقام انبیاء و اولیاء کی حرمت ملحوظ نہیں رہی تو دوسری طرف غوث الاعظمؒ اور داتا گنج بخشؒ کے القابات بھی رب ذوالجلال کے لیے استعمال کیئے جانے لگے۔

۴۔ معروف و منکر کے قرآنی تصور کے لیے ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب ۱۲ حاشیہ نمبر ۱

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرآنی فلسفہ تبلیغ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۶۔ حد یہ کہ جب فیڈرل شریعت کورٹ (FSC) نے سود کی ممانعت اور بلا سود بنکاری کا نظام جاری کرنے کا فیصلہ دیا تو اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی مملکت "پاکستان" کی نام نہاد اسلامی جمہوری

حکومت نے اسکے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی!

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

۷۔ دیگر مقامات

۲۸:۷ ۴۳:۲۹ ۴۰:۲۹ ۹۶:۷ ۱۱۰:۷ ۱۱۷:۱۱ ۲۶:۲۰۹

۸۔ دیگر مقامات

۱۲۸:۷ ۱۳۲:۲۰ ۸۳:۲۸

۹۔ دیگر مقامات:

۴۹:۱۵ ۹۶:۷ ۴:۷ ۱۴

۱۰۔ منہاج القرآن: ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۱۱۔ پاکستان کا مطالبہ بھی اس لیے کیا گیا تھا کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جاسکے جہاں اسلام کی اقدار کا عملی اظہار (Practical Demonstration) ممکن ہو اقبال نے تصور پاکستان پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"لہذا ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کے نشو نما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو' وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔

ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل' زبان' مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان بھی تو کوئی واحد الجنس قوم نہیں

پس یہ امر کسی طرح نامناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کئے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی ان صلاحیتوں کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لا سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں۔ نہایت شدومد سے تائید کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب‘ صوبہ سرحد‘ سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خوداختیاری حاصل کرے‘ خواہ اسکے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل میں اسکے قیام کی ضرورت پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا‘ لیکن اراکین مجلس نے انہیں اس بناء پر روک دیا کہ اگر اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اس قدر وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بے شک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً قسمت انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر

ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریز کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جاندار طبقہ کی مرکزیت کی بدولت جس نے دولت برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں' ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا' بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائیں گے اور ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے جسد سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشو نما ارتقاء میں آزاد قدم اٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزور قوت ہو یا بزور خیالات ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فی صدی ہے' لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ہمارا حصہ ۸۴ فیصدی ہے اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان ۱۹ ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کئے جاتے ہیں نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد ۶۲ فیصدی ہو جائے گی' حالانکہ اس اندازہ میں وہ چھ ہزار جنگجو شامل نہیں ہیں جو بلوچستان اور صوبہ سرحد سے ہی بھرتی کئے جاتے ہیں۔

اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا بآسانی اندازہ کر سکیں گے جو شمال مغربی ہندوستان کی مسلم آبادی میں موجود ہیں اور جن کی بدولت وہ تمام ہندوستان کو غیر ملکی چیرہ دستوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہیں' رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ مل کر خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں' ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر زور ڈالا جاسکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانان ہندوستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے۔ ان کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں' لیکن اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قوم پسند ہندو ارباب سیاست محض اسلئے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لیے ان کا غلبہ ہو جائے۔ بہر حال ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہو۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں' بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ

جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ ٹائمز آف انڈیا کے اس افتتاحیہ سے کیا جاسکتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے' لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے' اسلامی حکومت نے شرح سود پر کوئی پابندیاں عائد نہیں کیں۔ میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن وامان قائم ہو جائیگا۔ اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اسی سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔"

(مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء سے علامہ اقبال کا صدارتی خطاب)

۱۲۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۲۹۲۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

باب نہم

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم ايتنا و يزكيكم و يعلمكم
الكتب والحكمة و يعلمكم مالم تكونوا تعلمون (۲:۱۵۱)

تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر

دورِ زوال سے قبل اسلام کی تاریخ میں ایک ہی نظام رائج تھا جس میں مذہبی اور غیر مذہبی دونوں علوم پڑھائے جاتے تھے، تعلیم کے دو شعبے ہیں:

۱۔ مذہبی علوم ۲۔ غیر مذہبی علوم

۱۔مذہبی علوم (Religious Sciences)

یہ وہ علوم ہیں جن کے ماخذ قرآن و سنت ہیں۔

۲۔غیر مذہبی علوم(Secular Sciences)

وہ علوم جو خالصتاً مذہبی معاملات کے لئے نہیں بلکہ جو دنیوی معاملات کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دونوں علوم یکجا تھے۔ دینی مدارس میں طب، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، جیومیٹری، جغرافیہ وغیرہ درس نظامی کا حصہ تھے۔ اس دور میں سات علوم درس نظامی میں پڑھائے جاتے تھے۔ مذہبی علوم میں تفسیر واصول تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، علم الکلام وعلوم معانی شامل تھے اور غیر مذہبی علوم میں طب، ہندسہ، ریاضی، جغرافیہ، ہیئت، منطق اور فلکیات شامل تھے۔ ان غیر مذہبی علوم کا کوئی بھی ایسا حصہ نہیں جو تفسیر، حدیث یا فقہ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہو مگر یہ ایک ساتھ چلتے تھے اور یہ سارا دینی نصاب کہلاتا تھا کیونکہ اس دور میں علماء کے ذہن میں مذہبی و غیر مذہبی علوم کا جداگانہ تصور کوئی نہ تھا مگر شومئی قسمت یہ کہ آج سائنس اور انگریزی تعلیم کو علیحدہ تصور کیا جانے لگا اور انہیں حاصل کرنے والے کو کافر کہا جانے

لگا اور یہ تصور کیا جانے لگا کہ ان علوم کو حاصل کرنے والے کا دینی علوم و دین کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہے

حالانکہ دور اولی میں فارابی' ابن سینا جیسے لوگ پیدا ہوئے جو بیک وقت بہت بڑے محقق اور سائنسدان بھی تھے ساتھ ہی عظیم عالم دین بھی۔ عالم دین ہوتے ہوئے بھی ان کی سائنس کے علوم میں اتنی زیادہ دسترس تھی کہ آج کی سائنس بھی ان سے مستفیض ہو رہی ہے۔ اس دور کے علماء کے لئے ضروری تھا کہ سائنس کو ساتھ لے کر چلیں۔ اگر وہ مکمل سائنس نہ پڑھتے تو مکمل عالم دین نہ بنتے بلکہ ان سائنسی علوم کے بغیر کوئی عالم دین ہی نہیں کہلاتا تھا۔ آج سے اڑھائی تین سو سال قبل جدید علوم (Modern Sciences) یعنی فزکس' کیمسٹری اور بیالوجی وغیرہ کا دور نہ تھا ان کی جگہ فلسفہ' منطق' طب' فلکیات وغیرہ تھے اور یہ داخل نصاب تھے۔ بعد میں مضامین وسعت پذیر ہونے کی وجہ سے طبیعات' کیمیا' حیاتیات وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہو گئے مگر جدید سائنس و ٹیکنالوجی میں ڈھلتے ہی یہ علوم دینی و مذہبی ذہن کے لئے اجنبی اور دائرہ دین سے خارج ہو گئے۔

دور زوال اور ہمارا دینی نصاب

دور زوال سے قبل علماء دین نصاب میں وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق تبدیلی کرتے تھے اور اس طرح اس میں ترمیم ہوتی رہتی تھی۔ جس طرح آج کل پرانے نصاب کی نظر ثانی ہوتی ہے۔ اس طرح دینی نصاب بھی بدلتا تھا۔ یہ تبدیلی غیر مذہبی علوم میں ہوتی تھی۔ اصل مذہبی علوم قرآن و حدیث' فقہ وغیرہ میں تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح دینی نصاب تقریباً چھ ادوار سے گزرا ساتواں ایڈیشن علامہ نظام الدین سہالوی (۱۶۷۷ء-۱۷۴۸ء) نے مرتب کیا جو درس

نظامی کے طور پر مشہور ہوا۔ جب دور غلامی آیا توان کے ذہن جمود کے شکار ہو گئے اور انہوں نے درس نظامی کو ہی آخری ایڈیشن قرار دیا یہاں علوم کی تدریس کا ارتقاء رک گیا۔ ذہنوں کے مفلوج ہونے سے دینی نصاب بھی مفلوج ہو گیا اور اسے دور کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کبھی بھی ریویو نہ کیا جا سکا اور غلامی کے جو اثرات دینی نصاب پر پڑے انہیں مسلمانوں نے قبول کر لیا۔ آج سے صدیوں پہلے کے داخل نصاب علوم کو جسے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں علماء آج بھی انہیں رائج کرنا چاہتے ہیں حالانکہ تقاضائے وقت ہے کہ آج کے سائنسی علوم کو داخل نصاب کیا جائے اور اس کے ذریعے ذہن کی تربیت کر کے اسے اس قابل بنایا جائے کہ وہ دور نو کی ضروریات کے مطابق قرآن وحدیث کی توضیح کر سکیں۔

علماء نے نہ اس طرف غور کیا اور نہ ہی اس امر کی طرف توجہ کی کہ ان کے درس نظامی کے نصاب میں غیر متعلق مواد کی بھرمار ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وقت و توانائی کے ضیاع کے علاوہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہے ان کے اس رویہ کی وجہ سے نصاب تعلیم الگ الگ ہو گئے اور دینی تعلیم کا ارتقاء رک گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی تفسیروں کو سمجھنے کے لئے پہلی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے تو آج کی سائنس و علمی ترقی نے تو سابقہ تفسیری تصورات کی اہمیت کو کم یا ختم کر دیا ہے۔ آج کے دور کا تو تقاضا یہ ہے کہ دور نو کی علمی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل بنیادوں اور اصولوں کے مطابق از سر نو زمانے کے تقاضوں کے مطابق فن تفسیر کو مرتب کیا جائے۔[2]

فن تفسیر کی تعبیر نو کی ضرورت

قران کی توضیح اور فن تفسیر کو از سر نو دور جدید کی ضروریات کے مطابق مرتب کرنے میں ضرورت کا ایک پہلو یہ ہے کہ دور عروج میں جو بنیادی علوم پڑھائے

جاتے ہیں وہ قرآن حدیث اور فقہ تھے۔ ہوتے ہوتے قرآن کی جگہ صرف قرآن کی تفسیری علوم نے لے لی، تفسیر اور خود نص قرآنی کے موضوعات بحث بالکل جدا جدا ہیں۔ تفسیر اس امر سے بحث کرتی ہے کہ قرآنی علوم کیا ہیں ان کی توضیحات کس طرح ممکن ہیں جبکہ قرآن حکیم علم سے نہیں بلکہ براہ راست عمل سے بحث کرتا ہے معاشرے میں تبدیلی کے امکانات ہی معدوم ہو گئے آج اس امر کی ضرورت ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے تقاضوں اور ضروریات کی کفالت کے لئے قرآن سے سوالات کئے جائیں پھر ان کے جو جوابات قرآن حکیم سے میسر آئیں ان کا نام تفسیر رکھا جائے یعنی اگر معاشرے میں معاشی ناہمواری ہے تو اس کا خاتمہ کیسے کیا جائے کہ گردش دولت کا نظام کس طرح حاصل ہو؟ سیاسی وحدت کس طرح قائم ہو؟ سیاسی کشمکش حاکم و محکوم کے درمیان کس طرح ختم کی جائے؟ ملک میں سیاسی وحدت کس طرح ہو؟ معاشرے میں تہذیب و ثقافت کی اقدار کیا ہیں؟ ان سے متعلق جو بھی سوالات ہیں وہ قرآن سے پوچھے جائیں۔ قرآن حکیم سے جو جوابات میسر آئیں ان پر مشتمل علم تفسیر مرتب کیا جائے۔

مثلاً ایک ایسا وقت تھا جب فلسفے کا دور دورہ تھا' یونانی فلسفہ' قدیم فلسفہ کے ان اثرات کی وجہ سے عقائد متاثر ہو رہے تھے۔ شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے۔ امام رازی نے جب یہ سوال قرآن حکیم کے سامنے پیش کیا تو قرآن نے جواب دیا اس سے قرآن حکیم کی تفسیر تیار ہو گئی وہ اس دور کے فلسفے کا رد تھی۔ اس کے بعد جو بھی دور آیا اس کا جواب دے کر قرآن کی تفسیر مکمل ہوئی۔ [۳]

دینی اداروں کے نصاب تعلیم کے علاوہ مروجہ دوسرے تعلیمی اداروں کا نصاب تعلیم بھی ہمارے قومی و ملی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہے کیونکہ

مروجہ نظام تعلیم قوم کو ذہنی غلامی میں مبتلا رکھنے کے لئے استعماری و سامراجی حکمرانوں نے وضع کیا تھا۔ آج جو لوگ اس سانچے میں ڈھل کر نکل رہے ہیں وہ اپنی فلاح اور مستقبل کی بہتری کو غیر ملکی سازگاری میں دیکھ رہے ہیں۔ ان سے کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ احیائے اسلام کے لئے اغیار سے ٹکر لیں گے۔ دینی نظام تعلیم لادینیت کے زیر اثر ہے ان کے نصابات یقین انگیزی کی صفت سے محروم ہیں اور لادینی معاشرے میں رسول و اوھام سے اپنی قلعی کردہ وجود کو برقرار رکھنے کی جہد لاحاصل میں مصروف ہیں ان سے ملی وجود میں نفخ روح تازہ کی توقع خیال محال ہے۔

قرون اولیٰ میں علم بالوحی کے ساتھ عملی ربط نے اہل حق کو ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز کر رکھا تھا مگر دور جدید کی علمی فتوحات کے ساتھ ساتھ جب امت مسلمہ علم بیالوجی میں اپنی درک کے ارتقاء کو ہم پلہ نہ رکھ سکی تو لاشعوری طور پر علمی احساس محرومی پیدا ہوا اور گو امت مسلمہ دور جدید کی علمی ترقی، جس کی بنیاد بھی اسی امت مرحومہ نے رکھی تھی، کے ہم پلہ نہ تھی مگر وہ قرآنی علم بالوحی کے ورثے کی امین تھی مگر اس عظیم ورثہ کی اہمیت سے صرف نظر کرنے کے باعث اس کا کردار تطبیق تک محدود ہو کر رہ گیا یوں شاہ ولی اللہ، سر سید احمد خان اور علامہ محمد اقبال کی فکری کاوشوں سمیت ہمارے تحقیقی و علمی سفر پر تطبیق کا رنگ غالب نظر آنے لگا۔

کتاب و سنت اور اخلاقی فضائل

اسلام میں عمرانیات اور ثقافت کی اساس دین کا ہمہ گیر تصور ہے جو کہ کتاب و سنت پر مشتمل ہے۔ تمام اعلیٰ اخلاقی فضائل کے حصول کا راستہ علم اور ایمان ہے یعنی علم اخلاقی فضائل عطا کرے گا جو کہ عمرانیات اور ثقافت کی رو جاریہ Current (Trend کی سمت کا تعین کرے گا اور ایمان اس آگہی کو عمل میں ڈھالنے کے لئے

داعیہ کا کام کرے گا جب نظام تعلیم کو خالصتاً لادینی بنیادوں پر استوار کر کے کتاب و سنت سے آزاد کر دیا گیا تو معاشرہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے مطلوبہ معیاری فضائل کے پیدا ہونے کا باب ہی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

جدید سائنسی ترقی نے سائنس کو آج کے جدید انسان کے لئے دین کا درجہ دے دیا ہے اس سلسلہ میں وہ اتنا متشدد اور متعصب واقع ہوا ہے کہ سائنس کے نام پر وہ بعض ایسے حقائق کا بھی انکار کرنے سے نہیں چوکتا جو سائنس کے دائرہ کار میں نہیں آتے اس اندھی روشن کا نتیجہ انسانیت کو دور حاضر کی تیز رفتار مسابقت کی شکل میں ملا ہے جس میں ہر فرد علم کو (چاہے وہ کسی بھی شعبہ حیات سے متعلق ہو) دوسرے فرد/افراد کے استحصال کے بل بوتے پر اپنی ہی افزائش کے لئے استعمال کرنا اپنا حق سمجھتا ہے اس کا حل صرف اسلام ہی دے سکتا ہے جس نے فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض کو باہم مربوط کر دیا ہے۔

مغرب کی علمی و سائنسی فتوحات سے آج کا مسلم ذہن مرعوب ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ اس نے مغرب کو اس بلندی و عروج کی ٹھوس بنیاد فراہم کی، مسلم فکر نے نہ صرف مستقبل کی علمی و فکری ترقی کی بنیاد کو استوار کیا بلکہ اپنے سے پہلے ماضی کے افکار (یونانی) کی تطہیر بھی کی اور اسے اپنے خلاق فاعلانہ عمل سے (نہ کہ انفعالی رد عمل سے) اگلی نسلوں کو منتقل کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر کسی قوم کو فکر مغلوب ہو جائے تو وہ قوم کبھی بھی دوبارہ زندہ نہ ہو سکے گی مگر غالب فکر مغلوب قوموں کو پھر سے غالب کر دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان جنہوں نے مسلمانوں کو تاراج کیا تھا مسلم نظام فکر کی برتری کی بدولت مسلمانوں کو تباہ کرنے والے کردار کے باوجود ان کے پاسبان بن گئے۔

تعلیمی تغیر کا تدارک

آج مسلم ذہن مغربی فکر سے مرعوب ہے اس مرعوبیت اور مغلوبیت کا تدارک کرنے کی ضرورت ہے چاہے اس کی اساس مغرب کی فکری برتری ہے یا اس کا سیاسی تفوق بہر طور مسلم ذہن کا اپنی فکر پر اعتماد بحال کرنا ضروری ہے جو اس کی حیات نو کے لئے اساس زندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغرب سے اس فکری مرعوبیت و مغلوبیت کے تدارک کی سبیل دو نوعیت کی ہو سکتی ہے۔

۱۔ علمی و فکری سطح پر مغرب کے افکار و نظام کے کھوکھلا پن کو آشکار کیا جائے۔

۲۔ عملی سطح پر ایسا نظام تعلیم متعارف کروایا جائے جو نسل نو کے لئے تشکیل کردار کا کام کرے۔[۵۵]

تاہم یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قوم کے اندر اس کام کو کما حقہ سمجھنے والا ذہن پیدا نہیں کر لیا جاتا کیونکہ موجودہ نظام تعلیم سے نکلنے والا نوکر شاہی کا وہ طبقہ جو کہ جمود (Status Quo) کا قائل ہے اور اس حالت مستمرہ میں اس کی بقاء ہے کبھی بھی اس طرح کے نظام تعلیم کو اس کی اصل روح کے ساتھ رائج ہوتا نہیں دیکھ سکے گا۔[۵۶]

تربیتی فکر میں تغیر

زندگی کے جملہ شعبوں کے تغیرات کے زیر اثر آجانے سے اسلامی معاشرہ اخلاقی قدروں کے فقدان کا شکار ہو گیا کیونکہ جس معاشرے میں زندگی کا ہر تقاضہ اخلاقی حدود کی خلاف ورزی سے پورا ہو رہا ہو جہاں بدی کے ہاتھوں نیکیاں پامال ہو رہی ہوں وہاں اخلاقی قدریں کیونکر برقرار رکھی جا سکتی ہیں جب رضا الٰہی کے حصول کو نصب العین بنا کر جدوجہد کی جائے گی تو زندگی میں نظم و ضبط بھی آئے گا مگر جہاں

رضائے الٰہی کا تصور ہی زندگی کے تقاضوں کی موت کا مصداق نظر آئے وہاں نظم و ضبط شرعی تو کجا ایمان باللہ بھی متزلزل ہو جائے گا حالانکہ ذات باللہ پر ایمان کی عملی توثیق تب ہی میسر آسکتی ہے جب

۱۔ ایمان باللہ جبلی داعیات پر غالب ہو۔

۲۔ طبعی خواہشات پر یہ تاریخی تجربہ غالب ہو کہ کامیابی ضبط و انقیاد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

۳۔ نفسیاتی تقاضوں پر یہ شعور غالب ہو کہ یہ کامیابی کے لئے اعلیٰ اخلاقی فضائل و اقدار کا حامل ہونا ضروری ہے۔

مگر جس معاشرے میں غلبہ ہی لادینیت کا ہے وہاں مذکورہ بالا عملی توثیق (Practical Verification) کے حامل ہونے کی خواہش کیسے ہو گی نتیجہ یہ نکلا کہ افراد معاشرہ نے زندگی میں عزیمت کے بجائے رخصت کو اختیار کر لیا۔

افراد معاشرہ کے مصلحت کوشانہ اور رخصت پر مبنی طرز عمل کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ قضیہ اخلاق کی ایسی تعریف متعین کی جائے جو فطرت انسانی کے بالقوۃ محتویات کو نشو و نما دے کر انہیں ایسی زندہ طاقت بنائے کہ فطرت بالفعل یعنی جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسیاتی تقاضوں کو منضبط اور منقاد بنایا جائے اس کے تحت اخلاق کا معیار اس کا مقصود نہیں بلکہ علم بیالوجی کے تحت ہونے والا حکم ہو گا کیونکہ مقصود کو معیار قرار دینے سے مصلحت کوشی نیکی بن جائے گی جبکہ حکم کو معیار قرار دینے سے بجا آوری نیکی اور حکم سے انحراف بدی ہو گا، ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ   اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ○	کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ
(۴۴:۵)	کرے سو وہی لوگ کافر ہیں۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ	اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○	کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ
(۴۵:۵)	کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ	اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○	کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ
(۴۷:۵)	کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

افراد معاشرہ کے غلط روی کے میلان پر قابو پانے کا عمل تزکیہ سے عبارت ہے جو تصوف کا بنیادی مسئلہ ہے۔ مگر دور زوال میں تزکیہ کی اصطلاح بھی اپنی معنوی افادیت کھو بیٹھی ہے۔ غلط روی اور انحراف کے میلان پر قابو پانے کے لئے تزکیہ ایک عنصر لاینفک ہے جہاں تزکیہ اعلی فضائل اخلاق کے حصول کا ذریعہ اور موثر تربیتی منہاج ہے وہاں تزکیہ سے ہی عقیدہ و عمل میں حائل تضاد دور ہو سکتا ہے کیونکہ تزکیہ ہی بندہ اور خدا کے درمیان حائل بعد کے پردے کو چاک کر کے بندے کے عزم عمل کو بیدار اور تازہ دم کرتا ہے اور انجام کار اسے قد افلح من تزکی کے تحت اس کی قربت جو کہ حقیقی فلاح ہے سے بہرہ ور کرتا ہے' تزکیہ کی تین شرائط ہیں:

۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقصود کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دینا۔

ا۔ اس مقصود کے حصول اور دوسروں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کی خاطر انفاق فی سبیل اللہ۔

۲۔ عملاً مذکورہ بالا دونوں شرائط کو اختیار کرنے کے لئے فطرت بالقوۃ کو فطرت

بالفعل پر غالب کرنے کے لئے نفس کی تربیت۔

افراد معاشرہ میں جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضوں پر اخلاقی ضبط وانقیاد کو غالب کرنے کے لئے ان کی فطرت کو سمجھنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا (روم:۳۰) کے تحت فطرت کے دو پہلو ہیں: ۵۵

۱۔ فطرت بالقوۃ (Nature in Potential)

۲۔ فطرت بالفعل (Nature in Action)

فطرت بالقوۃ

اس سے مراد وہ فطری صلاحیتیں ہیں جو ہر انسان کے اندر خلقی طور پر مضمر ہوتی ہیں خواہ وہ جہاں بھی اور جس ماحول میں پیدا ہو۔

فطرت بالفعل

اس سے مراد وہ طبعی و نفسانی داعیات ہیں جن کا ظہور ہر انسان کی زندگی میں بالفعل ہوتا ہے فطرت بالقوۃ چار امور کی جامع ہے:

۱۔ اقرار الوہیت

انسان پیدائشی طور پر اس خالق کائنات کی الوہیت و ربوبیت کے اقرار کی طرف راغب ہوتا ہے اس کی بنیاد عالم ارواح کا وہ معاہدہ الست ہے جس میں تمام انسانوں نے اس کی ربوبیت کو تسلیم کیا۔ عالم ارواح میں باری تعالیٰ نے ہر روح سے سوال کیا۔ قال الست بربکم قالوا بلی (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔) اس اقرار کا اثر شروع ہی سے ہر بچہ اپنے اندر لے کر پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ فجور و تقویٰ کا امتیاز

ہر شخص کی خلقی فطرت میں اچھائی اور برائی اور خیر و شر کے درمیان فرق کرنے کا داعیہ موجود ہوتا ہے جن معاشرتی تصورات و معتقدات میں اس کی پرورش ہوتی ہے اس کو مختلف معاریات امتیاز مہیا کرتے ہیں لیکن بنیادی داعیہ بہر صورت موجود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ناقابل تغیر اخلاقی اقدار کو انسان تاریخ کے ہر دور میں برابر تسلیم کرتا چلا آیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس امر کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (۸:۹۱)

پھر اس کو اپنی بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری (اختیار کرنے) کی سمجھ عطا کی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے:

وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۱۰:۹۰)

اور ہم نے تو اسے دونوں راہیں دکھادیں۔

۳۔ بصیرت نفس

ارشاد ربانی ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ (۱۴:۷۵)

بلکہ انسان خود بھی اپنی حالت پر مطلع ہوگا (اپنے افعال و اعمال سے خود ہی خوب آگاہ ہو جائے گا لیکن بہانے تراشنے سے باز نہ آئے گا)۔

خیر و شر کے امتیاز کے باعث انسان اپنی ذات کا خود محتسب بھی ہے اس کی

نظر اپنے نفع و نقصان پر ہوتی ہے اس لئے اسے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO (۷:۶۶) (آج بدلہ پاؤ گے جو تم کیا کرتے

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (۳:۲۵) اور جس جان نے جو کچھ بھی (اعمال میں سے) کمایا ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا

ان آیات سے انسان کے اپنے اعمال کے کسب وار تکاب میں صاحب ارادہ و اختیار ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۴۔ امانت کی ذمہ داری کا احساس

انسان کو منصب فاعل اخلاق کی جس امانت سے نوازا گیا ہے اس کی ذمہ داری کا احساس بھی انسان کے اندر خلقی طور پر موجود ہوتا ہے اس لئے فی الواقعہ انسان خود کو کبھی بھی اپنے افعال کے نتائج سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا اور جو لوگ دنیوی زندگی میں مجبوری کے فلسفوں (Determinism) کا سہارا لے کر خود کو ذمہ داری سے بری قرار دیتے ہیں اگر ان کے دل ودماغ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ انہیں خود ساختہ فریب ہائے نظر کا احساس ہوتا ہے اور یہ سب کاوشیں محض اپنے جرائم پر پردہ پوشی کے لئے کی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں احساسات ہر انسان کے اندر خلقاً موجود ہیں اور انہی کے مجموعے کا نام فطرۃ بالقوۃ ہے جسے فطرت سلیمہ یا فطرت اسلام بھی کہتے ہیں اسی کی طرف حدیث رسول مقبول ﷺ میں یہ واضح اشارہ ملتا ہے۔

ما من مولود یولد الا علی الفطرة فابواه یھودانه او ینصرانه او یمجسانه

کوئی بچہ ایسا نہیں جو اس صحیح فطرت پر پیدا نہ کیا گیا ہو پس اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں یعنی راہ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔

اور اسی فطرت اللہ کو قرآن الدین القیم کے نام سے تعبیر کرتا ہے' فطرت انسانی کا دوسرا پہلو جسے فطرت بالفعل کہتے ہیں کا ذکر سورۃ آل عمران میں اس طرح آیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَا طِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

(۳:۱۴)

لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کردی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے

یعنی لوگوں کے دلوں میں عورتوں' بچوں' سونا چاندی' مال و دولت' طاقت اور جاہ و منصب کی چاہت اور محبت رکھی گئی ہے جس سے کسی کو کوئی مفر نہیں۔ یہ داعیات نفس ہیں جو جبلی طور پر تمام انسانوں میں موجود ہیں اگر فطرت بالفعل کے یہ داعیات بغیر کسی پابندی حدود کے جس سمت میں چاہیں بڑھتے رہیں تو انسانی شخصیت اختلال کا شکار ہو جاتی ہے اور یہی میلانات بالآخر ایک منفی شخصیت کو جنم دیتے ہیں۔

فطرۃ بالقوۃ کے رجحانات کا غلبہ و اثر بالعموم انسان کے لاشعور پر ہوتا ہے

جس کی وجہ سے انسانی لاشعور ہر وقت نیکی کی طرف متوجہ اور بدی سے گریزاں ہوتا ہے جبکہ فطرۃ بالفعل کے داعیات کا نفوذ شعور کی سطح پر ہوتا ہے جہاں اخلاقی حکم سے انحراف کا میلان جنم لیتا ہے۔ اگر ان میں باہم تضاد و تناقض ہے تو شخصیت مختل ہو جاتی ہے اور اگر یہ باہم سازگار ہو جائیں تو شخصیت اختلال و افتراق سے محفوظ ہو جاتی ہے لیکن یہ سازگاری دو طرح سے ممکن ہے یا تو شعور کے تقاضوں کو لاشعور کے تابع کر دیا جائے یا لاشعور کے تقاضوں کو شعور کے تابع کر دیا جائے یہ کام دونوں میں سے کسی ایک کو فروغ دینے ہی سے ممکن ہو گا۔ اگر شعور کے نفسیاتی تقاضے لاشعور پر غالب آ جائیں تو شخصیت صحیح پیرائے میں ڈھل جاتی ہے لیکن اس کے لئے انسان کی فطرت بالقوۃ کو فروغ دینا ضروری ہے۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبرانہ تربیت سے انسان کی فطرت بالقوۃ کے خلقی میلانات کو فروغ دے کر اس کی فطرت بالفعل کے طبعی میلانات کو ان کے تحت منضبط کر دیتے ہیں۔ اگر فطرت بالفعل یعنی انسان کے نفسانی داعیات اس کی فطرۃ بالقوۃ یعنی خلقی میلانات کے تحت منظم ہو جائیں کو شخصیت صالح اور مزکی ہو جاتی ہے اسی کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن کریم یوں گویا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا O وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا O (۹۱:۹۔۱۰)	یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے (اپنے) اس (نفس یعنی روح) کو پاک کر لیا (سنوار لیا)۔ اور نامراد ہوا جس نے اس (روح عطیہ الٰہی) کو خاک میں ملا دیا۔

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَO (۲:۱۵۱)

(اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

چنانچہ جب فطرت بالقوۃ کے اخلاقی تقاضے انسان کے اندر زندہ قوت بن کر فعال اور متحرک ہو جاتے ہیں تو اخلاقی فضائل کو انسانی شخصیت کے اندر دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقصد بعثت کے حوالے سے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں افراد معاشرہ کی تربیت کے ایسے منہاج کی ضرورت ہے جو فطرت بالقوۃ کے مشمولات کو فطرت بالفعل پر غالب کر دے اور فطرت بالقوۃ کے داعیات کا اثر معاشرے میں انفرادی و اجتماعی سطح پر جاری و ساری نظر آئے۔ [۱۲]

فطرت بالقوۃ کی نشوونما

فطرت بالقوۃ تعلق باللہ کی مضبوط سے نشوونما پاتی ہے اور تعلق باللہ احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے سے مضبوط ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت بالفعل اپنے چاروں تقاضوں کی بے قید تکمیل چاہتی ہے جبکہ احکام الٰہیہ (اوامر و نواہی) اس بے قید تکمیل

کی خواہش پر حد بندی قائم کرتے ہیں۔اس سے انسان میں فرض اور خواہش کا تضاد پیدا ہوتا ہے۔ فرض حکم الٰہی کی تعمیل کا تقاضا کرتا ہے اور خواہش (فطرت بالفعل) ادائیگی فرض کے راستے میں مزاحم ہوتی ہے چنانچہ فطرت بالقوۃ حرکت میں آکر احساس فرض کو اجاگر کرتی ہے تاکہ تعمیل حکم میں کوتاہی نہ ہونے پائے اس طرح فرض اور خواہش کی مسلسل کشمکش سے فطرت بالقوۃ حرکت پذیر رہتی ہے اور انسان جتنا زیادہ احکام الٰہیہ پر کاربند رہتا ہے اسی قدر فطرت بالقوۃ نشوونما پاکر مضبوط ہوتی جاتی ہے اور شعوری سطح پر آجاتی ہے۔

فطرت بالقوۃ کی نشوونما کو تین اہم مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی اپنی جداگانہ کیفیات ہیں۔ان مراحل کے نام قرآنی اصطلاحات کے مطابق نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ ہیں۔

نفس امارہ (پہلا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرت بالقوۃ کالعدم اور فطرت بالفعل غالب ہوتی ہے لہذا انسان خواہشات کی بے قید تکمیل چاہتا ہے۔ نفس امارہ کی کیفیت یہ ہے کہ یہ انسان کو برائی (حکم الٰہی کی عدم تعمیل) پر برانگیختہ کرتا ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ — بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے (۱۲:۵۳)

نفس لوامہ (دوسرا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرت بالفعل اور فطرت بالقوۃ مساوی القوت ہوتی ہیں لہذا عزم کی کمی بیشی کے نتیجہ میں کبھی فطرت بالفعل غالب آجاتی ہے اور کبھی فطرت بالقوۃ نفس لوامہ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر کبھی فطرت بالفعل کے غلبہ سے انسان بدی کا

مرتکب ہوتا ہے تو فطرت بالقوۃ میں موجود نیکی (حکم الٰہی کی تعمیل) کا شعور اسے ملامت کرتا ہے‘ قرآن پاک میں ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِO (۷۵:۲)	اور میں قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو برائی پر ملامت کرے (کہ موت کے بعد زندہ کیا جانا ایک امر واقعی ہے)۔

نفس مطمئنہ (تیسرا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرۃ بالقوۃ غالب آکر فطرت بالفعل کو اپنا مطیع کر لیتی ہے جس سے فطرت بالفعل کے تقاضے منظم و منضبط ہو جاتے ہیں اور انسان احکام الٰہیہ کی قائم کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ نفس مطمئنہ کی کیفیت یہ ہے کہ انسان نیکی سے اطمینان پاتا ہے اور برائی سے نفرت کرتا ہے اس حالت میں انسان اپنے رب سے اور اس کا رب اس سے راضی ہوتا ہے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةًO (۸۹:۲۷۔۲۸)	اے (وہ شخص‘ وہ جان‘ وہ روح) وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا۔ تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک پہنچنے کا سارا دور‘ دور ابتلاء ہے جس سے گزرتے ہوئے انسان کو بے شمار مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر رضائے الٰہی کی طلب صادق ہو تو انسان تمام کٹھن مراحل سے صبر و استقامت کے ساتھ گزرتا ہے تا آنکہ وہ منزل مراد کو پالیتا ہے‘ جہاں ندائے ربانی ان الفاظ کے ساتھ اس کا استقبال

کرتی ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (۸۹:۲۷-۳۰)

اے (وہ شخص، وہ جان، وہ روح) وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا! تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے (برگزیدہ) بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری بہشت (نعیم) میں داخل ہو جا (تو نے اللہ سے لو لگائی آج سے تو اس کا مہمان ہے)۔

آج کے بدلے دور کے تقاضوں کے تحت صرف قرآن تعلیمی و تربیتی منہاج ہی ہمیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر اس منصب جلیلہ پر فائز کر سکتا ہے کہ ہم ایک طرف اپنے ملی و قومی وجود کو حیات تازہ عطا کریں تو دوسری طرف اغیار کے تعلیمی و تربیتی فکر کے سرابی محلات کو مسمار کر دیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
(اقبالؔ)

☆☆☆☆☆

حواشی

(باب نہم)

۱۔ بچپن میں جب قائد محترم نے جھنگ میں غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی کے سامنے تقریر کی تو جھنگ عید گاہ کے خطیب جو انکے شاگرد تھے حضرت غزالی زماں سے کہنے لگے۔ کہ اس بچے کو دینی تعلیم دینے کی کیا ضرورت ہے یہ تو انگریزی سکول میں پڑھتا ہے مگر غزالی زماں نے فرمایا آج کی دور میں اس کی بھی ضرورت ہے کہ دینی علوم پڑھنے والے علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں۔ قائد محترم کی دونوں علوم میں دسترس حاصل کرنے کی برکت آج ظاہر و باہر ہے۔ اگر یہی رجحان من حیث المجموع اختیار کیا گیا ہوتا تو آج ہمارے معاشرے میں دینی حلقوں کی پذیرائی کا کیا عالم ہوتا!

۲۔ اسکی ضرورت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اعلی حضرت نے زمین کے ساکن ہونے پر ایک کتاب تصنیف کی جو ایک صدی قبل کی تصنیف ہے۔ علماء آج بھی اسے اعلحضرت کا علم تفوق بیان کرنے کے لیے' ثبوت کے طور پر پیش کر رہے ہیں جبکہ سائنس حد سموات کی طرف رواں دواں ہے۔ اس طرح کے رویے مضحکہ خیزی پیدا کرنے کے علاوہ کیا ثمر دے سکتے ہیں۔

۳۔ مختلف ادوار میں اس دور کی ضروریات کے مطابق تفاسیر لکھی گئیں۔

تفاسیر بالماثور:۔ مثلاً: تفسیر ابن کثیر، الجو ہر القرآن

عبدالرحمان ثعالبی۔ الدرالمنثور۔ امام سیوطی وغیرہ۔

تفاسیر بالرائی المحمود:۔ مفاتیح الغیب امام رازی۔ انوار التنزیل۔ امام بیضاوی وغیرہ

تفاسیر صوفیہ: حقائق التفسیر: عبدالرحمان سلمی، رائس البیان: ابو محمد روزبہان

التاویلات النجمیہ: نجم الدین وایہ۔ تفسیر ابن عربی وغیرہ

تفاسیر فقہا: احکام القرآن: الجصاص، الجامع الاحکام القرآن قرطبی وغیرہ۔

جدید تفاسیر: الجواہر طنطاوی جوہری۔ تفسیر مفتی محمد عبدہ۔ تفسیر علامہ رشید رضا وغیرہ۔

اس طرح آج کے دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر تفسیر قرآن لکھنے کی ضرورت ہے جو آج کے چیلنجوں کا جواب ثابت ہو۔

۴۔ تفصیل کے لیے "پاکستانی معاشرہ اور بیداری شعور کی ضرورت" از بیداری شعور اور انقلاب: طاہر حمید تنولی۔

۵۔ تطبیق محض کا نقصان یہ ہوا کہ وہ حقیقی تحقیق جس سے قرآن اور قرآنیات کے مخفی پہلو سامنے آنے تھے اسکے امکانات معدوم ہو گئے۔ کیونکہ تمام تر توانائیاں خود کو معاصرین اغیار کے ہم پلہ یا ان سے آگے ثابت کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔

فکری تفوق کے حصول کے لیے قرآنیات اور غیر قرآنیات کے فرق کو واضح کرنا ہوگا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

دینی ولادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو۔
علم توجیہی یا تخلیقی۔از ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

۶۔ یہ تصور کلیتہً قارونیت کے تصور پر مشتمل ہے۔ قرآن حکیم گواہ ہے۔ کہ قارون نے بھی اپنی دولت کو افزائش معاشرہ پر خرچ سے روکنے کے لیے یہی دلیل دی تھی کہ۔

قال انما اوتیته علی علم عندی. اولم یعلم ان الله قد اهلك من قبله من القرون من هوا شدمنه قوة و اکثر جمعا. ولا یسئل عن ذنوبهم المجرمون. (۷۸:۲۸)

۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ ۱۷۳،۲۰۵۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی موجودہ نظام تعلیم کے پس منظر کے لیے ملاحظہ ہو۔
بیداری شعور اور انقلاب۔ طاہر حمید تنولی۔

۸۔ ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین اور ممتاز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر آئی۔ ایچ۔ عثمانی نے کہا تھا کہ: ہماری تعلیم و سائنسی ترقی کی راہ میں بیوروکریسی حائل ہے (بحوالہ شعور اور انقلاب' طاہر حمید تنولی)

۹۔ کادالفقران یکون کفرا۔ (الحدیث)

۱۰۔ منہاج القرآن۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۱۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔
فطرت کا قرآنی تصور: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔
تربیت کا قرآنی منہاج: ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

فرہنگ مصطلحات

احیائی جدو جہد

دینی اقدار کے احیاء اور انفرادی و اجتماعی سطح پر فکر و عمل کی تبدیلی کی ایسی جدو جہد جو دین حق کے غلبے پر منتج ہو۔

اخلاق

شخصیت و کردار کے وہ اعلیٰ اوصاف جن کا تعین حکم ربانی اور سنت نبویؐ سے کیا گیا ہے۔

اشراقیت

تصوف و روحانیت کو شریعت سے آزاد کر کے مصنوعی وکھوکھلی روحانیت کو عام کرنے کا عمل جس سے اسلام کا حقیقی تصور احسان مسخ ہو رہا ہے۔

اصول تہذیب

اس سے تہذیبوں اور ثقافتوں کے باہمی عمل و ربط (Interaction) میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے اصول و عمل کی دریافت و تحفظ اور نسل نو کو اس کی صحت مند منتقلی مراد ہے۔

افتراق

قومی و ملی وجود کی وحدت کے پارہ پارہ ہونے کا عمل جو مبنی بر، نسل، زبان یا طبقہ و گروہ ہو سکتا ہے۔

اقدار

وہ اعلیٰ روایات جن سے کسی معاشرے یا قوم کا انفرادی و اجتماعی تشخص متعین ہوتا ہے اقدار مستقل بھی ہوتی ہیں اور متغیر بھی۔

انسان مرتضٰی

تقویٰ و احسان کے اعلیٰ معیارات کا حامل مرد مومن جو رضائے الٰہی سے سرفراز کیا گیا ہو۔

ایتائے حقوق

یہ تصور کہ اسلامی معاشرے میں اپنا حق مانگنے کے بجائے دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پر توجہ دی جائے تاکہ پورا معاشرہ فلاحی بن سکے۔

تبرج الجاھلیۃ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر اسلامی روایات حیا و عفت کی پامالی ہو رہی ہے اور خواتین اسلام کے عطا کردہ تقدس کے بجائے مغربی معیارات کی تقلید کی راہ پر گامزن ہیں۔

تزکیہ

نفس کی پاکیزگی اور کردار کی تعمیر و تشکیل کا عمل جو منکر کے ترک، معروف کو اپنانے، انفاق فی سبیل اللہ اور مقصد بعثت نبویؐ کے حصول کی جدوجہد سے عبارت ہے۔

تضمن (Implication)

قرآن حکیم سے ہدایت اخذ کرنے کے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں ان

شرائط، مضمرات اور تقاضوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے جن پر کامیابی کا انحصار ہے۔

تعین(Determination)

قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں قرآنی علوم کی ماہیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

تعینات خمسہ

غلبہ دین حق کے لئے قرآن حکیم سے اخذ کردہ انقلابی فکر کے وہ پانچ بنیادی مراحل جن سے یہ جدوجہد بتدریج گزرے گی اور جسکے نتیجے میں دعوت سے شروع کیا گیا سفر منزل انقلاب پر منتج ہوگا۔

تغیرات

زندگی کے ہر شعبہ میں وہ منفی تبدیلیاں جن سے ملت کا انفرادی و اجتماعی معیار زندگی قرآنی نظام ہدایت کے عطا کردہ معیار سے منحرف ہو گیا۔ اخلاق مصلحت کوشی، مذہب انفرادی معاملہ، سیاست قرآنی حدود سے بالا، معیشت اخلاقی حدود سے وراء ہو گی اور اس طرح زندگی کے معاشرتی، سیاسی، اور معاشی پہلوؤں سے قرآن کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ لہذا زندگی کے تقاضے لادینی نظام کے تابع ہو گئے۔

تکمیل دین

قرآنی حکیم اپنی ہدایت بخشی کے لحاظ سے محفوظ ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے مکمل اور نتیجہ خیز ہے۔ اسی وجہ سے نوع انسانی کسی بھی نئی بعثت سے بے نیاز ہو گئی۔

تمیز(Distinction)

قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کے لئے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں علم وحی اور

علم زائیدہ میں موجود امتیازات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

تہذیب

قومی زندگی کی اقدار و روایات اور ادارات کی تشکیل سے وجود میں آنے والی قومی زندگی کی وہ ہیئت جو نسل در نسل کے عمل سے وجود میں آتی ہے اور اپنے مزاج، نظریہ حیات اور تشکیلی اصولوں کی بنیاد پر دیگر نظام ہائے زندگی سے مختلف اور الگ شناخت رکھتی ہے۔

تہذیبی تصادم

فکر جدید کا یہ تصور کہ فی زمانہ میدان جنگ میں تصادم کے بجائے مختلف اقوام کی تہذیبوں میں باہمی تصادم وقوع پذیر ہوگا۔ یہ تصادم اساسی طور پر مغربی اور غیر مغربی تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ جبکہ غیر مغربی تہذیبوں میں اسلام، کنفیوشس تہذیبیں شامل ہیں اس تصادم میں قوی تر تہذیب ہی بقا پاسکے گی۔

تضاد

کائنات میں موجود تصورات اور عوامل میں موجود مبنی بر تضاد وہ آفاقی تفریق جس کا لحاظ نشو و نما کی راہ کھولتا ہے۔ غلبہ دین حق کی جدوجہد میں بھی حق اور باطل کا تضاد ہی راہ حق میں استقامت کا محرک بنتا ہے اور اس کے رد عمل سے حصول نتائج کی ضمانت سامنے آتی ہے۔ مثلاً تحریک پاکستان کے دوران مسلم و ہندو تضاد کے زیر اثر ہونے والی جدوجہد تخلیق پاکستان پر منتج ہوئی۔

پیراڈائم

وہ نظام فکر جو کسی مسئلے کے حل کا لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔

جبلی داعیات

انسانی فطرت میں موجود وہ تقاضے جن کے تحت انسان کے فکر و عمل کی سمت متعین ہوتی ہے۔

حالت مستمرہ

سٹیٹس کو(Statusquo)' موجود حالت کو جمود کے تحت ہی رکھتے ہوئے کسی بہتری کی طرف نہ بڑھنے کی روش۔

حجۃ من بعد الرسل

اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ امت مسلمہ اور انسانیت کو زوال وانحطاط سے نکلنے کے لئے نتیجہ خیز لائحہ عمل عطا کرنے کی وجہ سے قرآن حکیم اس منصب کا حامل ہے۔

حدود(Delimitation)

اس سے مراد قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کے منہاج کا وہ مرحلہ ہے جس میں ان حدود کو واضح کیا جاتا ہے جن سے تجاوز پر علم وحی سے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہوتے۔

حکمت

وہ فکری بصیرت جو صرف حقائق ماہیت کے علم ہی نہیں بلکہ اس علم کی غایت کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ اور نصب العین کے حصول کی ضمانت فراہم کرنے کے سبب "خیر کثیر" کا درجہ رکھتی ہے۔

حکم الجاھلیۃ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر مسلمان حکومتیں اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی اسلام کے نظام قوانین کے نفاذ کے بجائے مغرب کے مستعار نظام کو رائج کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

حمیۃ الجاھلیۃ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر ملت کے اجتماعی وجود میں محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستگی سے پیدا ہونے والے حمیت پر قبائلی 'گروہی' علاقائی 'نسلی اور لسانی حمیت غالب رہتی ہے۔

حیات عمرانی

معاشرتی اور سماجی زندگی جو معاشرے اور قوم کی تشکیل کرتی ہے۔

دعویٰ تصدیق ثقاھت

کسی دعویٰ کی تصدیق کا وہ طریق جو وہ دعویٰ خود پیش کرے۔ جس طرح قرآن حکیم اپنی حقانیت کو بیان کرتے ہوئے اپنے مخالفین سے اپنا مثل لانے کو کہتا ہے۔

روحانی الذہن

کردار کا وہ درجہ جہاں بندہ ہر عمل رضائے الٰہی کا طالب بن کر انجام دیتا ہے۔ اس کی عملی توثیق اعلیٰ ظاہری و باطنی اوصاف ظاہر و باطن اور معاشرتی زندگی میں دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے ہوگی۔

شکست خوردگی

دور زوال سے نکلنے میں مانع امت کی یہ فکری و ذہنی روش کہ اسلام اپنا دور عروج دیکھنے کے بعد اب معرض زوال میں ہے سو اب دوبارہ عروج کی طرف نہیں لوٹا جا سکتا۔

صحف ماسبق

آسمانی صحیفے، جو قرآن حکیم سے پہلے نازل ہوئے اور قرآن حکیم کا جامع نظام ہدایت آنے کے بعد انسانیت ان سے بے نیاز ہو گئی۔

صحیفہ انقلاب

قرآن حکیم، جو انقلاب کا مکمل لائحہ عمل عطا کرتا ہے۔

ضبط و انقیاد

احکامات الٰہی کی پابندی جو ہدایت الٰہی کی نتیجہ خیزی سے بہرہ ور کرتی ہے۔

ظن الجاھلیۃ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر ملت اسلامیہ کا جدید پڑھا لکھا طبقہ مغربی افکار سے مرعوبیت کے باعث اسلامی فکر و فلسفہ کی بجائے سیکولر افکار کے زیر اثر ہوتا جا رہا ہے۔

عمل صالح

ایمان کی بنیادوں پر اٹھنے والا وہ اعلیٰ عمل جو جملہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انجام دیا گیا ہو۔ اور جس میں عصری خسران سے آزادی کی ضمانت بھی ہو۔

علم بالوحی

قرآن حکیم کا علم جس کی اصل وحی ہے۔

علم زائیدہ

وہ علم جو انسانی فکر کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

علم غایت

یہ تصور کہ علم کا مقصد منزل کے حصول اور نصب العین کو پانا ہے۔

علم ماہیت

اشیاء کی ساخت و ترکیب کو جاننے کا علم۔

غائیت

مقصد اور اعلیٰ اقدار کا نظریہ کہ ہر تصور کو اس کے نتیجے اور انجام کے حوالے سے دیکھا جائے۔ اور حصول نصب العین کو اہمیت دی جائے۔

غیب

اللہ کے وعدہ پر بغیر دیکھے یقین یہ یقین کہ مقصود حاصل ہو کر رہے گا۔ اس یقین کی عملی تصدیق ان شرائط و تقاضوں کو پورا کرنے سے ہو گی جو قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں۔

فطرت

انسانی نفس کا وہ داعیہ جو اسے ایک مخصوص راہ عمل پر گامزن کرتا ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں فطرت بالقوۃ اور فطرت بالفعل۔

فکر

علم کی حکمت کو زیر بحث لانا۔ قرآن حکیم سے اخذ کردہ وہ رہنمائی جو قرآنی ہدایت کے مقصود یعنی غلبہ دین حق کے نصب العین کے حصول کو ممکن بنائے۔

فکری تغیرات

تصورات میں وہ بنیادی تبدیلیاں جن سے اجتماعی زندگی میں خوب و ناخوب کے معیارات بدل گئے اور قرآن حکیم کا عطا کردہ اعلیٰ نظام ہدایت عملاً ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

قرآنی فلسفہ انقلاب

قرآن حکیم سے اخذ کردہ نظام فکر جسکی روشنی میں فکری و عملی تغیرات کے تدارک اور زوال کے اس دور میں عروج کے حصول کی ضمانت میسر آتی ہے

مادیت

اللہ کے عطا کردہ نظام ہدایت اور اعلیٰ روحانی اقدار کے بجائے انسانی ساختہ معیارات اور لادینی نظام زندگی پر یقین اور عملی اتباع۔

متنبیت

اسلام کے وجود کو متاثر کرنے کے لئے اغیار کی طرف سے جھوٹی نبوت کا فتنہ جس کے ذریعے براہ راست یا بالواسطہ اہل اسلام کو ایمان و اسلام کی دولت سے محروم کیا جارہا ہے۔

مذہبی واردات

اعمال شریعت کی انجام دہی پر ہونے والے وہ روحانی تجربات جو نیت کی

اصلاح اور کیفیت کی حفاظت کے ساتھ انجام پذیر ہونے والے اعمال صالح سے میسر آتے ہیں۔

مراحل خمسہ

انقلابی جدوجہد کے وہ مراحل جن سے وہ جدوجہد بتدریج گزرتے ہوئے منزل تک پہنچے گی۔

مزاحمت

جب بھی دعوت حق کا آغاز ہوگا اسے جس رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا وہ مزاحمت کہلائے گی جس کی طرف قرآن حکیم نے (۳۱:۲۵) اس طرح اشارہ کیا کہ ہر پیغمبرانہ دعوت کو اس نوع کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑا۔

مزاحمتِ مزاحمت

اس سے مراد اہل حق کا وہ رد عمل ہے جو مخالفین کے رد عمل کے جواب میں سامنے آتا ہے۔ اس سے ہی اہل حق کی استقامت، اور نصب العین کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہوتا ہے اور اسی درجے میں ان کی جدوجہد کی نتیجہ خیزی بھی سامنے آتی ہے۔

معاہدہ عمرانی (Social Contract)

معاشرہ و قوم کی تشکیل کے لئے اصول و ضوابط جن کے تحت مطاع (Super-Ordinate) اور مطیع (Sub-ordinate) کے باہمی ربط کی وضاحت ہوتی ہے۔

معاند

وہ عناصر جو اہل حق کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں۔

مطاع مشہود

مطاع سے مراد وہ ہستی ہے' اسلامی ریاست میں جسکی اطاعت کی جائے گی۔ چونکہ ایسا مطاع جو مشاہدے میں نہ آسکتا ہو معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا اس لئے اسلامی ریاست میں معاہدہ عمرانی کا فریق مطاع مشہود ہو گا جو قرآن حکیم کے مطابق (۵۹:۴'۶۴) ذات نبوتؐ ہے۔

معمول بہ دین

یہ شریعت اور کتاب و سنت کا وہ عملی نظام ہے جس کا مقصد پیدا شدہ اقدار کو بتمام و کمال محفوظ رکھتا ہے۔

معرضیت

دور جدید کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر نسل نو کو حضور اکرمؐ کی ذات ستودہ صفات سے دین کے نام پر دور کیا جا رہا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ذات مصطفویؐ اور سیرت نبویؐ کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دینے کا۔

معیار

وہ اصول جس کے تحت انقلابی جدوجہد کی ثقاہت کو پرکھا جائے گا۔ اس کی دو حیثیتیں ہوں گی۔ اخلاقیت کا معیار اور ہمہ گیر مثالی جدوجہد میں کامیابی کا معیار۔

معیاری دین

اس سے مراد غلبہ حق کی جدوجہد ہے۔ یہ مقصد بعثت محمدیؐ سے عبارت ہے۔ اس کی غایت حق کو غالب کر کے حق کی اقدار کو پیدا کرنا ہے۔

منہاج

مسائل کے حل کرنے کا طریقہ منہاج کہلاتا ہے۔ جو بنیادی اصول اور اس کی روشنی میں اخذ کردہ لائحہ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

منہاج القرآن

ملت اسلامیہ کو زوال سے نجات دلا کر عروج سے بہرہ ور کرنے کا لائحہ عمل جو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کیا گیا ہے۔

موانع ہدایت

وہ اسباب جو فکری و عملی سطح پر قرآن حکیم سے ہدایت اخذ کرنے میں حائل ہیں۔

موثرات حیات

وہ شعبہ ہائے زندگی جن پر پوری زندگی کے تسلسل کا انحصار ہے اور جن کی صحت مندی دنیا و آخرت کی فلاح اور جن کا اختلال دنیا و آخرت میں خسران کا باعث ہے۔ انہیں معاشرت، معیشت اور سیاست میں تقسیم کیا گیا ہے۔

میکانی اصول علیت

علت و معلول کا رشتہ جس کے تحت ایک ہی زمانی سلسلے میں مختلف اعمال میں زمانی توارد ہو گا۔

نتیجہ خیزی

یہ اصول کہ غلبہ دین حق کے لئے کی جانے والی جدوجہد ضرور منزل آفریں ہو گی بشرطیکہ مذکورہ تقاضے پورے کئے جائیں۔ تاہم یہ روایتی تصور نتائجیت

(Pragmatism) سے مختلف ہے جس کے تحت اعمال و تصورات کو نتائج کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے جبکہ نتیجہ خیزی کے تحت اعمال و تصورات کا تعین ہدایت ربانی کے تحت ہوگا اور جس درجہ تک الوہی ہدایت کی قربت ہوگی اس کے مطابق مطلوبہ نتائج ضرور پیدا ہو کر رہیں گے۔

نسبت

مذہبی واردات کے نتیجے میں بندے اور خدا کے درمیان متحقق ہونے والا وہ تعلق جو جوہر بندگی کو نکھارنے کا باعث بنتا ہے۔ نسبت ہر فرد کے شعور کے حوالے سے ہوگی۔ مثلاً نسبت محبت 'نسبت اطاعت اور نسبت معرفت۔

ھیت اصلیہ

وہ بنیادی اقدار' تصورات اور احکام جو کتاب و سنت کی نصوص کی شکل میں موجود ہیں۔

ہیت کذائیہ

کتاب و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اخذ کردہ وہ قوانین شریعت جو زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں تاکہ زندگی میں نظم برقرار رہے اور ھیت اصلیہ کی روح محفوظ رہے۔

ھیت عمرانی

معاشرتی ساخت۔ اجتماعی زندگی کے ڈھانچے کا وہ پہلو جو معاشرتی سطح کا احاطہ کرتا ہے۔

اشاریہ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	القرآن	۴۶۱
۲	الاحادیث والآثار	۴۷۹
۳	اشعار	۴۸۳
۴	مضامین	۵۰۱
۵	اعلام	۵۱۱
۶	اماکن وبلاد	۵۲۵

القرآن

نمبر شمار	أطراف الآيات	حوالہ	صفحہ
	البقرہ:		
۱	الذین یومنون بالغیب و یقیمون............	۳:۲	۱۱۹
۲	ومن الناس من یقول امن باللہ..........	۸:۲'۹	۱۲۲
۳	و اذا قیل لهم لا تفسدوا..........	۱۱:۲'۱۴	۱۲۹
۴	و اذا قیل لهم امنوا کما امن.........	۱۳:۲	۱۳۱
۵	ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حینO	۳۶:۲	۳۳۲
۶	فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای......	۳۸:۲	۱۱۷'۳۲۱
۷	و اذ قال موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم..........	۵۴:۲	۱۰۹
۸	وما ظلمونا ولکن کانوا انفسهم یظلمونO	۵۷:۲	۸۸
۹	و اذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل..........	۸۳:۲	۸۴
۱۰	ولما جاء هم کتب من عنداللہ مصدق..........	۸۹:۲	۱۲۶
۱۱	و اذا قیل لهم امنوا بما انزل اللہ......... ..	۹۱:۲	۱۲۶
۱۲	ولتجدنهم احرص الناس علی حیوة..........	۹۶:۲	۱۲۵
۱۳	ما یود الذین کفروا من اهل الکتاب..........	۱۰۵:۲	۱۲۵

نمبر شمار	أطراف الآیات	حواله	صفحه
۱۴	و د کثیر من اهل الکتاب..........	۱۰۹:۲	۱۲۵
۱۵	ولن ترضیٰ عنك اليهود ولا النصریٰ..........	۱۲۰:۲	۱۲۶، ۳۷۴، ۳۹۱
۱۶	کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم..........	۱۵۱:۲	۶۶، ۷۰، ۳۵۲، ۴۱۷، ۴۳۳
۱۷	و اذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله..........	۱۷۰:۲	۱۲۶
۱۸	هن لباس لکم و انتم لباس لهن	۱۸۷:۲	۳۴۵
۱۹	وقتلوهم حتی لا تکون فتنة..........	۱۹۳:۲	۱۳۴
۲۰	یا ایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافة	۲۰۸:۲	۲۷۴
۲۱	کان الناس امة واحدة فبعث الله	۲۱۳:۲	۱۳۶، ۱۳۷
۲۲	والله یعلم المفسد من المصلح..........	۲۲۰:۲	۱۴۹
۲۳	او کالذی مر علی قریة و هی خاویة......	۲۵۹:۲	۲۳۰
۲۴	و اذ قال ابراهیم رب ارنی کیف......	۲۶۰:۲	۴۰، ۱۶۰، ۲۲۶، ۲۳۱
۲۵	ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا	۲۶۹:۲	۶۹
۲۶	امن الرسول بما انزل الیه من ربه..........	۲۵۸:۲	۱۱۹
	آل عمران:		
۲۷	زین للناس حب الشهوات من النساء......	۱۴:۳	۴۳۱
۲۸	فکیف اذ جمعنهم لیوم..........	۲۵:۳	۴۳۰

نمبر شمار	أطراف الآیات	حواله	صفحه
۲۹	قل ان کنتم تحبون الله......	۳۱:۳	۳۸۵
۳۰	و یعلمه الکتب والحکمة	۴۹،۴۸:۳	۷۱
۳۱	و اذا اخذ الله میثاق النبین	۸۱:۳	۷۰
۳۲	لن تنالو البر حتی تنفقوا	۹۲:۳	۲۱۰
۳۳	یا ایها الذین امنوا اتقوا الله	۱۰۲:۳	۳۵۲
۳۴	ولتکن منکم امة	۱۰۴:۳	۳۰۲،۹۸
۳۵	مثل ما ینفقون فی هذه الحیوة الدنیا	۱۱۷:۳	۱۹
۳۶	ان تمسسکم حسنة تسؤهم	۱۲۰:۳	۱۳۰
۳۷	قدخلت من قبلکم سنن	۱۳۷:۳	۹۷
۳۸	ولا تهنوا ولا تحزنوا	۱۳۹:۳	۲۶۶،۱۱۱،۱۰۲
۳۹	و تلك الایام نداولها بین الناس	۱۴۰:۳	۱۸۹
۴۰	یقولون بافواههم مالیس فی قلوبهم	۱۶۷:۳	۱۳۲
۴۱	ذلك بما قدمت ایدیکم	۱۸۲:۳	۹۳
	النساء:		
۴۲	و ان خفتم الا تعدلوا.	۳:۴	۳۴۹
۴۳	من الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه......	۴۶:۴	۳۰۳،۳۳۳
۴۴	الم تر الی الذین قیل لهم کفوا ایدیکم......	۷۷:۴	۱۳۱
۴۵	من یطع الرسول فقد اطاع الله......	۸۰:۴	۳۵۳
۴۶	فاذا برزوا من عندك بیت طائفة..........	۸۱:۴	۱۳۱
۴۷	و اذا جاء هم امر من الامن..........	۸۳:۴	۱۳۱

نمبر شمار	أطراف الآیات	حوالہ	صفحہ
۴۸	ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم	۱۰۲:۴	۱۲۷
۴۹	ولولا فضل الله علیك ورحمته........	۱۱۳:۴	۷۲
۵۰	والصلح خیر..........	۱۲۸:۴	۱۵۱
۵۱	الذین یتربصون لکم فان کان لکم فتح.........	۱۴۱:۴	۱۳۰
۵۲	مذبذبین بین ذلك لا الی هولاء ولا الی هولاء.........	۱۴۳:۴	۲۲۸
۵۳	ما یفعل الله بعذا بکم..............	۱۴۷:۴	۸۷
۵۴	لکن الرسخون فی العلم منهم..........	۱۶۲:۴	۱۱۹
۵۵	رسلامبشرین و منذرین..........	۱۶۵:۴	۲۶۴
	المآئدة		
۵۶	الیوم یئس الذین کفروا	۳:۵	۲۵۷، ۲۵۸
۵۷	ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرائیل..........	۱۲:۵	۱۱۴، ۱۱۷
۵۸	ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك الکفرون○	۴۴:۵	۳۲۶
۵۹	ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الظلمون○	۴۵:۵	۳۲۷
۶۰	ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الفسقون○	۴۷:۵	۳۲۷
۶۱	لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا	۴۸:۵	۳۰۵
۶۲	ومن یتول الله ورسوله	۵۶:۵	۱۰۰، ۳۲۲، ۳۴۶

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٦٣	قل یاهل الكتب هل تنقمون	۵۹:۵	۱۲۷
٦٤	ولو انهم اقاموا التورة........	٦٦:۵	۹۱
٦۵	و اذ علمتك الكتب والحكمة........ ..	۱۱۰:۵	۱۷
	الانعام:		
٦٦	ومن اظلم ممن افترى........	۲۱:٦	۱۰۰
٦٧	ولقد ارسلنا الىٰ امم من قبلك.....	۴۲:٦	۴۰۸
٦٨	قل ارء يتكم ان اتكم	۴۷:٦	۹۳
٦۹	فمن امن و اصلح فلا خوف عليهم ولا يحزنونO	۴۸:٦	۱۴۹
۷۰	وكذالك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنينO	۷۵:٦	۱٦۱،۴۰، ۲۳۲
۷۱	فلما جن عليه اليل.........	۷٦:٦	۲۲۵
۷۲	ان هو الا ذكر للعلمينo	۹۰:٦	۳۵۵
۷۳	ولو اننا نزلنا اليهم الملئكة..........	۱۱۱:٦	۱۴۲
۷۴	وتمت كلمة ربك صدقا و عدلا.........	۱۱۵:٦	۸٦
۷۵	ذلك ان لكم يكن ربك مهلك القرىٰ......	۱۳۱:٦	۸۹
۷٦	ولكل درجت مما عملوا	۱۳۲:٦	۷۷
	الاعراف:		
۷۷	ولقد مكنكم في الارض وجعلنا لكم فيها معايش..........	۱۰:۷	۳۰۱

نمبر شمار	أطراف الآیات	حوالہ	صفحہ
۷۸ـ	فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون○	۳۵:۷	۱۵۱
۷۹ـ	ولو ان اهل القری امنوا واتقوا	۹۶:۷	۹۳
۸۰	ثم بعثنا من بعدهم موسی	۱۰۳:۷	۱۰۹
۸۱	قال موسی لقومه استعینوا بالله	۱۲۸:۷	۱۱۰
۸۲	وتمت کلمت ربك الحسنی علی بنی اسرائیل	۱۳۷:۷	۱۱۱
۸۳	الذین یتبعون الرسول النبی الامی	۱۵۷:۷	۹۶
۸۴	وما ظلمونا ولکن کانوا انفسهم یظلمون○	۱۶۰:۷	۸۸
۸۵	فاقصص القصص لعلهم یتفکرون○	۱۷۶:۷	۳۹۲
	الانفال:		
۸۶	انما المومنون الذین اذا ذکر الله	۲:۸	۱۱۹
۸۷	ویرید الله ان یحق الحق بکلمته	۷‘۸:۸	۲۶۹‘۲۵۹
۸۸	یا ایها الذین امنوا ان تتقوا الله	۲۹:۸	۱۵۵
۸۹	اذ یقول المنفقون والذین فی قلوبهم....	۴۹:۸	۲۷۷
۹۰	ذلك بان الله لم یك مغیرا	۵۳:۸	۸۰
	التوبة:		
۹۱	انما یعمر مسجد الله من امن بالله	۱۸:۹	۳۹۵‘۳۵۰
۹۲	اتخذوا احبارهم و رهبانهم	۳۲‘۳۱:۹	۲۶۸‘۲۵۲

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۹۳	هو الذى ارسل رسوله بالهدى	۳۳:۹	۲۶۸،۲۵۲
۹۴	يا ايها الذين امنوا ان كثيرا من الاحبار......	۳۴:۹	۲۹۱،۲۹۴
۹۵	فما كان الله ليظلمهم ولكن	۷۰:۹	۸۹
	يونس:		
۹۶	فقد لبثت فيكم عمرا	۱۶:۱۰	۱۴۷،۱۶۵
۹۷	فمن اظلم ممن افترى على الله......	۱۷:۱۰	۱۰۰
۹۸	كذلك حقت كلمة ربك	۳۳:۱۰	۱۵۲
۹۹	ان الله لا يظلم الناس	۴۴:۱۰	۸۹
۱۰۰	لكل امة اجل	۴۹:۱۰	۱۴۰
۱۰۱	فما امن لموسى الاذرية	۸۳:۱۰	۱۲۹،۲۴۵
۱۰۲	فلولا كانت قرية امنت فنفعها	۹۸:۱۰	۱۳۸
۱۰۳	ويجعل الرجس على الذين لا يعقلونO	۱۰۰:۱۰	۱۳۹
	هود:		
۱۰۴	قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريت وادعوا	۱۳:۱۱	۱۴۸
۱۰۵	ان العاقبة للمتقينO	۴۹:۱۱	۴۰۸
۱۰۶	وما ظلمنهم ولكن ظلموا انفسهم	۱۰۱:۱۱	۹۰
۱۰۷	وما كان ربك ليهلك القرى......	۱۱۷:۱۱	۸۷
۱۰۸	وكلا نقص عليك من انباء الرسل	۱۲۰:۱۱	۲۶۵

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	يوسف:		
۱۰۹	وما ابرى نفسى ان النفس لامارة بالسوء	۱۲:۵۳	۴۳۴
۱۱۰	قال اجعلنى على خزائن الارض انى حفيظ عليمO	۱۲:۵۵	۱۷۰
۱۱۱	قل هذه سبيلى ادعوا الى الله..........	۱۲:۱۰۸	۴۰۷
۱۱۲	**الرعد:**		
۱۱۳	ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم	۱۳:۱۱	۸۰، ۳۴۲، ۳۶۱
۱۱۴	انزل من اسماء ماء فسالت اودية	۱۳:۱۷	۸۱، ۳۹۴
۱۱۵	لكل اجل كتاب ...	۱۳:۳۸، ۳۹	۱۳۰
	ابراهيم:		
۱۱۶	و اذ تاذن ربكم لئن شكرتم لازيدنكم......	۱۴:۷	۲۲۸
	الحجر:		
۱۱۷	و ان من شئ الا عندنا خزائنه	۱۵:۲۱	۱۶۰
۱۱۸	و اعبد ربك حتى يا تيك اليقين O	۱۵:۹۹	۲۲۷
	النحل:		
۱۱۹	وما ظلمنهم ولكن كانوا انفسهم يظلمونO	۱۶:۱۱۸	۹۰
۱۲۰	ادع الى سبيل ربك بالحكمة.........	۱۶:۱۲۵	۴۰۶

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	بنی اسرائیل:		
۱۲۱	ذلك مما اوحى اليك ربك من الحكمة	۳۹:۱۷	۷۳
۱۲۲	ومن كان في هذه اعمى فهو في الاخرة..	۷۲:۱۷	۲۶۴
۱۲۳	سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ...	۷۷:۱۷	۷۹
۱۲۴	وقل رب ادخلني مدخل صدق و	۸۰:۱۷	۱۷۲
۱۲۵	و قل جاء الحق وزهق الباطل .	۸۱:۱۷	۱۷۳
۱۲۶	قل لئن اجتمعت الانس والجن .	۸۸:۱۷	۱۴۸
	الكهف:		
۱۲۷	وتلك القرى اهلكنهم ...	۵۹:۱۸	۹۳
	طه:		
۱۲۸	وقد افلح اليوم من استعلىO	۶۴:۲۰	۱۴۵
۱۲۹	قال يبنؤم لاتاخذ بلحيتي	۹۴:۲۰	۱۰۸
	الانبياء:		
۱۳۰	انهم كانوا يسرعون في الخيرات ويدعوننا رغبا و رهبا	۹۰:۲۱	۱۵۰
	الحجر:		
۱۳۱	ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض	۴۰:۲۲	۱۷۰
۱۳۲	الذين ان مكنهم في الارض	۴۱:۲۲	۱۷۰، ۲۴۷
۱۳۳	هو سمكم مسلمين	۷۸:۲۲	۳۵۶

نمبر شمار	أطراف الآيات	حوالہ	صفحہ
	المومنون:		
۱۳۴	انه لا يفلح الكفرون○	۲۳:۱۱۷	۹۹
	النور:		
۱۳۵	وعدالله الذين امنوا منكم	۲۴:۵۵-۵۷	۱۲۶
	الفرقان:		
۱۳۶	وكذلك جعلنا لكل نبى عدوا	۲۵:۳۱	۳۲
	الشعراء:		
۱۳۷	فلما تراء الجمعن قال اصحب موسى	۲۶:۶۱	۱۴۴
۱۳۸	قال كلا ان معى ربى سيهدين○	۲۶:۶۲	۱۴۴
۱۳۹	فاوحينا الى موسى	۲۶:۶۳	۱۴۵
۱۴۰	وما اهلكنا من قرية الا لها منذرون○	۲۶:۲۰۸، ۲۰۹	۸۸، ۱۳۲
	النمل:		
۱۴۱	قل سيروا فى الارض فانظروا	۲۷:۶۹	۹۲
	القصص:		
۱۴۲	ونريد ان نمن على الذين استضعفوا	۲۸:۵	۴۳، ۱۴۹
۱۴۳	فرددنه الى امه كى تقر	۲۸:۱۳	۴۳
۱۴۴	وما كان ربك مهلك القرى	۲۸:۵۹	۱۸
۱۴۵	قال انما اوتيته على علم عندى	۲۸:۷۸	۲۳۹

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۱۴۶	والعاقبة للمتقين	۸۳:۲۸	۱۵۱
	العنكبوت:		
۱۴۷	وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمونO	۴۰:۲۹	۹۰
	الروم:		
۱۴۸	فما كان الله ليظلمهم ..	۹:۳۰	۸۹
۱۴۹	قل سيروا في الارض فانظروا	۴۲:۳۰	۹۰
۱۵۰	ولقد ارسلنا من قبلك رسلا	۴۷:۳۰	۱۰۱
۱۵۱	فاصبر ان وعد الله حق	۶۰:۳۰	۱۵۶
	لقمن:		
۱۵۲	الذين يقيمون الصلوة	۵،۴:۳۱	۹۷
	السجده:		
۱۵۳	ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا	۱۲:۳۲	۲۴۴
۱۵۴	وجعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا.. ...	۲۴:۳۲	۱۴۳
	الاحزاب:		
۱۵۵	قد يعلم الله المعوقين	۱۸:۳۳	۱۳۲
۱۵۶	لقد كان لكم في رسول الله	۲۱:۳۳	۲۰۵
۱۵۷	و اذكرنا ما يتلى في بيوتكن	۳۴:۳۳	۷۳
۱۵۸	سنة الله في الذين خلوا من قبل	۶۲:۳۳	۷۹

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	سبا:		
۱۵۹	ان اعمل سبغت و قدر فی السرد	۱۱:۳۴	۱۵۰
۱۶۰	وحیل بینهم و بین ما یشتهون	۵۴:۳۴	۱۴۵
	فاطر:		
۱۶۱	یزید فی الخلق ما یشاء	۱:۳۵	۲۳۷
۱۶۲	یا ایها الناس ان وعد الله حق	۵:۳۵	۲۶۶
۱۶۳	فلن تجد لسنت الله تبدیلا	۴۳:۳۵	۳۳، ۷۹
	یٰس:		
۱۶۴	انما تنذر من اتبع الذکر	۱۱:۳۶	۱۵۲
۱۶۵	وما علمنه الشعروما ینبغی له	۶۹:۳۶	۲۶۷
	الصفت:		
۱۶۶	ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین .	۱۷۱:۳۷ ۱۷۳	۱۰۱
	صٓ:		
۱۶۷	اصبر علی ما یقولون و اذکر عبدنا	۱۷:۳۸_۲۰	۷۰
	المؤمن:		
۱۶۸	کذبت قبلهم قوم نوح	۵:۴۰_۶	۲۶۱، ۲۶۳
۱۶۹	اولم یسیروا فی الارض فینظروا	۲۱:۴۰	۹۵
۱۷۰	فوقه الله سیات مامکروا........	۴۵:۴۰	۱۰۹

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	حم السجدة:		
۱۷۱	ولا تستوی الحسنة ولا السیئة........	۳۵_۳۴:۴۱	۱۵۷
۱۷۲	سنریهم ایتنا فی الآفاق وفی انفسهم......	۵۳:۴۱	۹۰
	الزخرف:		
۱۷۳	و انه لذکرلك ولقومك........	۴۴:۴۳	۱۰۲،۳۵۵
۱۷۴	ولما جاء عیسٰی بالبینت قال قد	۶۳:۴۳	۷۲
	الدخان:		
۱۷۵	اهلکنهم انهم کانوا مجرمین○	۳۷:۴۴	۹۲
	الاحقاف:		
۱۷۶	بلغ فهل یهلك الا القوم الفسقون○	۳۵:۴۶	۹۳،۱۸۹ ۴۰۸
	محمد:		
۱۷۷	افلم یسیروا فی الارض........	۱۰:۴۷	۹۴
۱۷۸	فلا تهنوا و تدعوا الی السلم........	۳۵:۴۷	۲۶۶
	الفتح:		
۱۷۹	هو الذی ارسل رسوله بالهدی........	۲۸:۴۸	۱۱۶،۱۳۰
۱۸۰	محمد رسول الله والذین معه........	۲۹:۴۸	۱۵۳،۱۵۸
	الحجرات:		
۱۸۱	انما المومنون الذین امنوا بالله ورسوله ..	۱۵:۴۹	۳۲۳

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الذاريت:		
۱۸۲	وفی انفسکم افلا تبصرونO	۲۱:۵۱	۱۵۹
	النجم:		
۱۸۳	ان الظن لا یغنی من الحق شیاءO	۲۸:۵۳	۲۴۵
	الحدید:		
۱۸۴	ولقد ارسلنا رسلنا بالبینت ...	۲۵:۵۷	۱۷۳
۱۸۵	ثم قفینا علی آثار هم برسلنا........	۲۷:۵۷	۸۵
۱۸۶	یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وامنوا.....	۲۸:۵۷	۱۵۵
	المجادلة		
۱۸۷	والذین اوتوا العلم درجت..........	۱۱:۵۸	۷۷
۱۸۸	کتب الله لا غلبن انا ورسلی	۲۱:۵۸	۱۰۱، ۱۴۸
۱۸۹	الا ان حزب الله هم المفلحونO	۲۲:۵۸	۹۹-۱۲۰
	الحشر:		
۱۹۰	ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون	۹:۵۹	۱۲۲
	الصف:		
۱۹۱	سبح لله ما فی السموات وما فی الارض..	۱:۶۱	۹۳
۱۹۲	یا ایها الذین امنوا هل ادلکم.......	۱۰:۶۱-۱۱	۱۵۶

شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	المنفقون:		
۱۹۲	اذا جاءك المنفقون قالوا	۱:۶۳	۱۲۹
	التغابن:		
۱۹۴	ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون○	۱۶:۶۴	۱۵۱
	التحريم:		
۱۹۵	انما تجزون ما كنتم تعملون○	۷:۶۶	۲۳۰
	المزمل:		
۱۹۶	فعصى فرعون الرسول فاخذنه اخذا وبيلا○	۱۶:۷۳	۱۰۹
۱۹۷	ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا○	۱۹:۷۳	۳۵۴
۱۹۸	و اقرضوا الله قرضا حسنا........	۲۰:۷۳	۳۲۲
	القيمة:		
۱۹۹	ولا اقسم بالنفس اللوامة○	۲:۷۵	۳۳۵
۲۰۰	بل الانسان على نفسه بصيرة○	۱۴:۷۵	۳۲۹
۲۰۱	فاذا قرانه فاتبع قرآنه..........	۱۹،۱۸:۷۵	۷۷
	الفجر:		
۲۰۲	يايتها النفس المطمئنة..........	۲۸،۲۷:۸۹	۳۳۶،۳۳۵

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	البلد:		
۲۰۳	وهدینه النجدین O	۱۰:۹۰	۴۲۹
	الشمس:		
۲۰۴	فالهمها فجورها و تقوٰها O	۸:۹۱	۴۲۹
۲۰۵	قد افلح من زکها............	۹:۹۱۔۱۰	۳۱۴، ۴۴۳
	البینة		
۲۰۶	وما امروا الا لیعبد وا الله مخلصین............	۵:۹۸	۲۲۸
	العصر:		
۲۰۷	والعصر O ان الانسان	۱۰۳	۹۸، ۱۴۱
	النصر:		
۲۰۸	اذا جاء نصر الله والفتح	۱۱۰	۲۲۴، ۴۳۰

الاحادیث والآثار

نمبر شمار	اطراف الاحادیث والآثار	صفحہ
۱	ما من شی ء فهو فی القرآن او فیه اصله	۳۶
۲	و اما الذوق فهو کالمشاهدة الا خذ بالید و لا یوجد الا فی طریق الصوفیه.	۴۲
۳	فهذا هو منهاج تحصیل العلم الضروری.	۴۲
۴	ومن اول الطریقة تبتدئی المکشافات	۴۲
۵	و هذه حالة یتحققها بالذوق	۴۲
۶	البرهان علی سبیل الرشاد والایقان	۴۸
۷	تری المومنین فی تراحمهم و تعاطفهم...........	۱۰۶
۸	فاخرج من المسجد یا فلان انت منافق	۱۳۵
۹	الاعمال بخواتیمها.	۱۵۱
۱۰	ولم تزد دنی یقینا ولو کشفت الغطاء	۱۶۰
۱۱	الحکمة اصابة الحق بالعلم و العقل................	۱۸۳
۱۲	الحکمة عبارة عن معرفة..............	۱۸۳
۱۳	معرفة الاشیاء بحقائقها...........	۱۸۳
۱۴	وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا	۱۸۷،۳۵۰
۱۵	الخلافة فی امتی ثلاثون سنة	۲۰۳
۱۶	خلافة النبوة ثلثون سنته ثم...............	۲۰۳
۱۷	علیکم بسنتی و سنته الخلفاء راشدین المهدیین	۲۰۴،۲۱۹

نمبر شمار	اطراف الاحادیث والآثار	صفحہ
۱۸	ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون لان الجبلة البشرية	۲۲۹
۱۹	قال المسور بن محرمه قلت لا بی جهل و کان خالی. یا خال هل كنتم تتهمون محمد	۲۵۴
۲۰	ان رسول الله ﷺ اقطعة العقيق اجمع	۲۸۴
۲۱	من کان عنده فضل ظهر فليعد به	۲۹۵
۲۲	الاقتصاد نصف المعيشة	۳۰۱
۲۳	الملك يبقى مع الكفر و لا يبقى مع الظلم	۳۰۴
۲۴	كاد الفقران يكون كفراً	۲۹۷، ۳۰۴ ۴۳۹
۲۵	ليس المومن الذی يشبع و جاه جائع	۳۰۴
۲۶	اليد العليا خير من يدالسفلى	۳۰۵
۲۷	دمی دمکم و عرضی عرضكم انا منکم وانتم منی	۳۵۷
۲۸	لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به	۳۹۰
۲۹	كل شئ من امر الجاهلية تحت قدمی موضوع	۳۹۹
۳۰	ما من مولد يولد الا على الفطرة	۴۳۱
۳۱	بعثت لاتمم مكارم الاخلاق	۴۴۳

اشعار

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
	فارسی اشعار		
۱	آتش او صد ابراہیمؑ سوخت تا چراغ یک محمدؐ برفروخت	اقبال	17
۲	گرچہ ملت ہم بمیرد مثل فرد از اجل فرماں پذیرد مثل فرد	اقبال	17
۳	امت مسلم از آیات خدا ست اصلش از ہنگامہ قالوا بلی است از اجل ایں قوم بے پرواستے استوار از نحن نزلنا استے ذکر قائم از قیام ذاکر است از دوام او دوام ذاکر است تا خدا ان یطفوا فرمودہ است از فسردن ایں چراغ آسودہ است	اقبال	18

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۴	از رسالت در جہاں تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما از رسالت صد ہزار مایک است جزو ما از جزو ما لاینفک است آن کہ شان اوست یهدی من یرید از رسالت حلقہ گرد ما کشید فرد از حق ملت از وے زندہ است از شعاع مہر او تابندہ است	اقبال	23
۵	از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس و ہم مدعا گشتیم ما	اقبال	24
۶	سیاست کار پیغمبراں بود دریں دور کار بولہب شد		29
۷	فروغ خاکیاں از نوریاں فزوں شود روزے زمیں از کوکب تقدیر ماگردوں شود روزے	اقبال	61

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۸	پس خدا برما شریعت ختم کرد بر رسول ما رسالت ختم کرد	اقبال	103
۹	رونق از ما محفل ایام را او رسل را ختم وما اقوام را	اقبال	103
۱۰	می ندانی آیہ ام الکتاب امت عادل ترا آمد خطاب آب و تاب چہرہ ایام تو در جہاں شاہد علے الاقوام تو جلوہ در تاریکی ایام کن آنچہ بر تو کامل آمد عام کن لرزم از شرم توچوں روز شمار پرسدت آں آبروئے روزگار	اقبال	103
	حرف حق از حضرت ما بردہ پس چرا با دیگراں نسپردہ	اقبال	104

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۱۲	نہال ترک زبرق فرنگ بار آورد ظہور مصطفویﷺ را بہانہ بولہبی است	اقبال	125
۱۳	از اجل ایں قوم بے پروا ستے استوار از نحن نزلنا استے	اقبال	141
۱۴	می تواں منکر یزداں شدن منکر از شان نبی نتواں شدن	اقبال	147
۱۵	گر یک ذرہ کم گردد از انگیز وجود من بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودا نے را	اقبال	160
۱۶	مدعا راز بقائے زندگی جمع سیماب قوائے زندگی چوں حیات از مقصدے محرم شود ضابطہ اسباب ایں عالم شود	اقبال	177

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
178	اقبال	زانکہ در تکبیر راز بود تست حفظ و نشر او مقصود تست می ندانی آیہ ام الکتاب امت عادل ترا آمد خطاب	۱۷
178	اقبال	از رسالت در جہاں تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما	۱۸
180	اقبال	خواجہ از خون رنگ مزدور سازد لعل ناب از جفائے دہ خدایاں کشت دھقاناں خراب انقلاب انقلاب اے انقلاب	۱۹
244	عرفی	ز نقص تشنہ لبی داں و بعقل خویش مناز دلت فریب گر از جلوہ سراب نخورد	۲۰
304	اقبال	کس نگردد در جہاں محتاج کس نکتہ شرع مبین ایں است و بس	۲۱

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۲۲	چوں در خلوت می روند کار دیگر می کنند	اقبال	378
۲۳	چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی	اقبال	379
۲۴	ایں خیال است و محال است و جنوں	رومی	401
۲۵	تانہ رمز لا الہ آید بدست بند غیر اللہ نتواں شکست	اقبال	404
	اردو اشعار		
۲۶	اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا تیرے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے مسلماں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے	اقبال	22
۲۷	حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے	اقبال	23

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۲۸	جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا	اقبال	30
۲۹	مبتلائے درد کوئی عضو ہو' روتی ہے آنکھ کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ	اقبال	106
۳۰	ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویﷺ سے شرار بولہبی حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز سرشت اس کی ہے مشکل کشی' جفا طلبی اس کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی	اقبال	135
۳۱	ملا کو جو ھند میں ہے سجدے کی اجازت نادان ہے سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد	اقبال	236-165

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۳۲	ہے مملکت ہند میں عجب طرفہ تماشا اسلام محبوس ہے اور مسلماں ہے آزاد	اقبال	165
۳۳	عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد	اقبال	174
۳۴	مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث جرم یہ بھی میرے اجداد کے سر جائے گا	ماہ تمام	176
۳۵	یقیں پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری	اقبال	177
۳۶	جب تک نہ ہو تیرے ضمیر پر نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف	اقبال	177
۳۷	اک دانش نورانی اک دانش برہانی ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی	اقبال	177

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
177	اقبال	خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات	۳۸
178	اقبال	ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب	۳۹
257	ظفر علیخاں	نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا	۴۰
259	اقبال	جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا	۴۱
274	اقبال	باطل دوئی پسند اور حق لا شریک ہے شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول	۴۲
277	اقبال	میر سپاہ ناسزا' لشکریاں شکستہ صف آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف	۴۳

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۴۴	میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے میں ملا ہوں غازی	اقبال	277
۴۵	سرور جو حق و باطل کے کارزار میں ہے تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے! جہاد میں بندہ حر کے مشاہدات ہیں کیا؟ تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے! بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!	اقبال	278
۴۶	غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبا سے محرومی جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا	اقبال	178

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۴۷	ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویؐ سے شرار بو لہبی اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی	اقبال	178
۴۸	جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار	اقبال	179
۴۹	خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟	اقبال	179
۵۰	فقر کی سان پہ جب چڑھتی ہے تیغ خودی اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ	اقبال	179
۵۱	تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتان عجم کے پجاری تمام	اقبال	179

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۵۲	فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو	اقبال	179
۵۳	فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست	اقبال	179
۵۴	چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا سادگی مسلم کی دیکھ اور اس کی عیاری بھی دیکھ دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ اور بت کدہ میں برہمن کی زناری بھی دیکھ!	اقبال	199
۵۵	یقین مثل خلیل آتش نشینی یقین اللہ مستی خود گزینی سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے بدتر ہے بے یقینی	اقبال	200
۵۶	وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا	اقبال	236، 351

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۵۷	زندگی سے بھٹک کر آیا ہوں میں اے میرے ہمدم مجھے اب تھام لے	ن۔م۔راشد	236
۵۸	یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں	اقبال	237
۵۹	جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر	اقبال	244 363,357
۶۰	ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز اسکے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی ہوجاتی ہے خاک چمنستاں شرر انگیز اس مرد خود آگاہ و خدامست کی صحبت دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز محکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز	اقبال	280

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۶۱	گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لا الہ اللہ	اقبال	289
۶۲	گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی	اقبال	289
۶۳	دو وقت کی روٹی بھی نہ ہو جن کو میسر کب تک وہ عقیدے کی غذا کھا کے جئیں گے		298
۶۴	بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا	اقبال	303
۶۵	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے منزل رہرواں دور بھی دشوار بھی ہے کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے	اقبال	326

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
327	غالب	بیچارگی کے ہاتھ سے ہوتا ہے خون دل بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہئے	۶۶
357	اقبال	ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے	۶۷
358	اقبال	یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دین ہے تو مصطفوی ہے	۶۸
377	اقبال	وضع میں تم ہو نصاریٰ تمدن میں ھنود یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود	۶۹
379	اقبال	اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے	۷۰

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۷۱	یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو	اقبال	401
۷۲	اسی سے ٹوٹ سکتا تھا یہ طلسم رنگ و بو یہی توحید تھی جسے نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا	اقبال	404
۷۳	نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی	اقبال	410
۷۴	آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں	اقبال	410
۷۵	قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار	اقبال	436

مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	آئیڈیالوجی	369
۲	ابدی فلاح کا قانون	82
۳	اجتہاد	318
۴	احیائی جدوجہد	139-136
۵	اخلاق	30
	.... تعریف	426
۶	اخلاقی قانون سعادت وشقاوت	34-33-32
۷	اسماءالرجال	370
۸	اشراقیت	400-397
۹	اصول تہذیب	373
۱۰	افتراق،نسلی وطبقاتی	335
۱۱	اقامت دین	202
۱۲	اقدار	30
	.... متغیر ومستقل	410
۱۳	الکتاب	30
۱۴	الوھی منصوبہ بندی	136
۱۵	انسان مرتضیٰ	31
۱۶	انسانی شعور کی جہات	380
۱۷	ایتائے حقوق	31

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
337	تبرج الجاھلیۃ	۱۸
30	تبلیغ	۱۹
384	تجدد	۲۰
54,44,30	تزکیہ	۲۱
427	............شرائط ثلاثہ	
291	تصور ملکیت	۲۲
31	تضمن	۲۳
31	تعین	۲۴
104	تعینات خمسہ	۲۵
54	تغیرات	۲۶
299	تقسیم وگردش دولت	۲۷
403,50,30	تکمیل دین	۲۸
31	تمیز	۲۹
363	تہذیب	۳۰
66,59	تہذیبی تصادم	۳۱
404	توحید	۳۲
59	پیراڈائیم' قرآنی	۳۳
365	ثقافت کے نمونے	۳۴
430	جبریت	۳۵

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
426	جبلی داعیات	۳۶
74,69,67,66	چہار گانہ فرائض نبوت	۳۷
425	حالت مستمرہ	۳۸
409,30,29	حجۃ من بعد الرسل	۳۹
399	حجۃ الوداع	۴۰
32	حدود	۴۱
314	حدیث کی تشریعی و تشریحی حیثیت	۴۲
75,69,68	حکمت	۴۳
337	حکم الجاھلیۃ	۴۴
336	حمیۃ الجاھلیۃ	۴۵
335	حیات اجتماعی کی سطحات	۴۶
344,343,342,339	حیات عمرانی	۴۷
421,420	درس نظامی	۴۸
406,56	دعوت	۴۹
147	دعوی تصدیق ثقاہت	۵۰
23	ذات نبوتؐ سے تعلق	۵۱
30	رزق	۵۲
423	روجاریہ 'عمرانی وثقافتی	۵۳
344,53,31	روحانی الذہن	۵۴
75	سائنس	۵۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۵۶	سنت اللہ	79
۵۷	سوشلزم	59
۵۸	شکست خوردگی	31
۵۹	صحف ماسبق	409,405,27
۶۰	صحیفہ انقلاب	31
۶۱	ضبط وانقیاد	426
۶۲	ظن الجاھلیۃ	336
۶۳	عبوری حکمت عملی	117
۶۴	عروج وزوال	کثیر الاستعمال
۶۵	عمل صالح، درجات وسطحات	149
۶۶	عملی توثیق	426
۶۷	علم بالوحی وزائیدہ	390,28,26,25
		423,409,402
۶۸	علم غایت	26
۶۹	علم ماھیت	26
۷۰	علوم، مذہبی وغیر مذہبی	419
۷۱	غائیت	54,27
۷۲	غلبہ دین حق	202
۷۳	غیب	30
۷۴	فاشزم	59

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۷۵	فتنہ وطلیت	24
۷۶	فطرت	31
	..........ثنویت	50
	..........بالفعل٬ بالقوۃ	428
۷۷	فکر	65
۷۸	فکری تغیرات	235
۷۹	فن تفسیر	421
۸۰	قانون تضاد	50,33,32
۸۱	قانون نشوونما	50,32
۸۲	قرآنی فلسفہ انقلاب	135,77,74,63
۸۳	کلچر	365,363
۸۴	مادیت	397
۸۵	متنبیت	400,397
۸۶	مذہبی واردات	43,38
۸۷	مراحل خمسہ	113
۸۸	مزاحمت	31
۸۹	مزاحمت مزاحمت	33,31
۹۰	مسلم فیملی لاء آرڈیننس	310
۹۱	معاشی تعطل	322

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۹۲	معاہدہ عمرانی	353,349
۹۳	معاند	113
۹۴	مطاع و مطیع	352,353
۹۵	مطاع مشہود	53,31
۹۶	معمول بہ دین	249,191,76
۹۷	معرضیت	401,397
۹۸	معیار	31
۹۹	معیاری دین	75
۱۰۰	منصب داری نظام	287,284,283
۱۰۱	منہاج	31,27
	.... منہاج و شرع میں فرق	404
۱۰۲	منہاج القرآن	46
۱۰۳	موانع ہدایت	409
۱۰۴	موثرات حیات	409,397,367,363,339
۱۰۵	میڈیا	392
۱۰۶	میکانی اصول علیت	386
۱۰۷	نتیجہ خیزی	کثیر الاستعمال
۱۰۸	نسبت	44
۱۰۹	نفس' اقسام	434

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
44	وجدان	۱۱۰
358,340,335	وطن پرستی	۱۱۱
328,319,234	ھیت اصلیہ	۱۱۲
328,319,234	ھیت کذائیہ	۱۱۳
367,366,352,350,344	ھیت عمرانی	۱۱۴
59	یہودیت	۱۱۵

اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱	آدم	136-17
۲	آل پارٹیز مسلم کانفرنس	413
۳	ابراہیم	225-161-160-57-40 356-230-231-226 39
۴	ابن برھان	36
۵	ابن تیمیہ	314
۶	ابن سعود	198
۷	ابن سینا	420
۸	ابن عربی	438
۹	ابن کثیر	438
۱۰	ابوالحسن اشعری	76
۱۱	ابوالحسن علی ندوی	241
۱۲	ابو بکر	219
۱۳	ابو بکر بغدادی	196
۱۴	ابو داؤد	296-203
۱۵	ابو جھل	255-25
۱۶	ابو سعید خدری	295
۱۷	ابو محمد روز بہان	438

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱۸	احسان لاہور' روزنامہ	175
۱۹	احمد رضا خان	437-76-20
۲۰	احمد سعید کاظمی' سید	437
۲۱	احمد شاہ ابدالی	19
۲۲	احیائے علوم الدین	18
۲۳	اخوان المسلمین	21
۲۴	اسامہ بن زید	193
۲۵	اسرار و رموز	104
۲۶	اسماعیل دہلوی	312
۲۷	اشاعرہ	216
۲۸	اقبال' ڈاکٹر محمد	125-103-35-25-21-19-18 200-197-179-165-160 147-141-288-277-274 259-244-236-410-401 393-377-363-357-340 436-423-416-412
۲۹	اکبری دور	19
۳۰	الطاف القدس	19
۳۱	العقد الجید	19
۳۲	الفوز الکبیر	19

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۳۳	المسوئ	19
۳۴	المصفی	19
۳۵	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	19
۳۶	المنقذ من الضلال	43-42
۳۷	امام اعظم	330-312
۳۸	امام حسینؓ	112-18
۳۹	امہات المومنین	73
۴۰	اموی دور	195
۴۱	انجیل	154-96-91-85-71
۴۲	انڈونیشیا	199
۴۳	اورنگزیب' عالمگیر	19
۴۴	ایران	366-342-320-196
۴۵	ایسٹ انڈیا کمپنی	279
۴۶	ایشیا	208-196-193-24
۴۷	ایوب خان	211
۴۸	ایوبی' سلطان صلاح الدین	213-208
۴۹	برٹرینڈ رسل	343-182-181

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
48-45-38-34-25-19-18 21-359-358-181-175 58-53-416-412-411 393-391-439	برھان احمد فاروقی' ڈاکٹر	۵۰
195	بنوامیہ	۵۱
195	بنوعباس	۵۲
213	بنوعثمان	۵۳
255-254	بنوہاشم	۵۴
143-114-141-107-71	بنی اسرائیل	۵۵
438	بیضاوی' امام	۵۶
391	بیگووچ' عالیجاہ علی عزت	۵۷
125	پیام مشرق	۵۸
214-197-196-195 309-215	تاتاری	۵۹
92	تبع' قوم	۶۰
20	تحریک خلافت	۶۱
20	تحریک ریشمی رومال	۶۲
21	تحریک وھابیت	۶۳
242	ترکان عثمانی	۶۴
203	ترمذی	۶۵

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
213	تغلق خان	۶۶
20-19	تفہیمات	۶۷
96-91-75	تورات	۶۸
416	ٹائمز آف انڈیا	۶۹
343	ٹوائن بی	۷۰
311	ثناءاللہ امرتسری	۷۱
70	جالوت	۷۲
288	جامی	۷۳
253-78	جبرئیل	۷۴
250	جبریہ	۷۵
48	جصاص، امام	۷۶
20-18	جمال الدین افغانی	۷۷
242	جمال الدین، شیخ	۷۸
180	جمعیت شبان المسلمین	۷۹
20	جمعیت علماھند	۸۰
285-284	حارث بن بلالؓ	۸۱
378	حافظ شیرازی	۸۲
20	حجۃ اللہ البالغہ	۸۳
123-99-98-33-20	حزب اللہ	۸۴

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
175-24	حسین احمد مدنی' مولانا	۸۵
162-21-18	حسن البنا	۸۶
کثیر الاستعمال	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۸۷
17	خاتم الوحی	۸۸
250	خارجی	۸۹
312-279	خیر آبادی' مولانا فضل حق	۹۰
411	داتا گنج بخشؒ	۹۱
70	داؤدؑ	۹۲
438-288-229	رازی' امام	۹۳
24	راغب احسن	۹۴
183	راغب' امام	۹۵
438-21	رشید رضا' علامہ	۹۶
250	رافضی	۹۷
415	روسو	۹۸
288	رومی.	۹۹
180-179	زبور عجم	۱۰۰
108	سامری	۱۰۱
412	سپریم کورٹ	۱۰۲
343	سپنگلر	۱۰۳

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱۰۴	سٹیٹسمین، روزنامہ	340
۱۰۵	سر سید احمد خان	423
۱۰۶	سری شاستری	415
۱۰۷	سلاطین، خاندان	372
۱۰۸	سلیمان اعظم، سلطان	213-197
۱۰۹	سیموئیل ھنٹگٹن	59
۱۱۰	سیوطی، امام	438
۱۱۱	شاہ ولی اللہ	80-41-22-20-19-18 423-327-325
۱۱۲	صدیق اکبر	387-193
۱۱۳	ضرب کلیم	280-278-165
۱۱۴	طارق بن زیاد	224
۱۱۵	طاہر علاؤالدین، سیدنا قدوۃ الاولیاء	37
۱۱۶	ظفر علی خان	197
۱۱۷	طنطاوی جوھری	438
۱۱۸	طہٰ حسین، ڈاکٹر	21
۱۱۹	ظفر الحسن، ڈاکٹر سید	181-175-25
۱۲۰	عالمگیری، فتاویٰ	326
۱۲۱	عباسی دور	195

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱۲۲	عبدالقادر، جیلانی	197-151
۱۲۳	عبدالوھاب نجدی	314-198
۱۲۴	عبدہ، مفتی محمد	438-21-18
۱۲۵	عبداللہ بن ابی بکر	285
۱۲۶	عبدالرحمٰن ثعالبی	387
۱۲۷	عبدالرحمٰن سلمی	438
۱۲۸	عبیداللہ سندھی	20-18
۱۲۹	عثمان خان	213-197
۱۳۰	عثمان غنی	219-198
۱۳۱	عثمانیہ خلافت	310-309-207
۱۳۲	عثمانی، آئی ایچ	439
۱۳۳	عرفی	244
۱۳۴	علی برادران	198-20
۱۳۵	علی مرتضیٰؓ	304-219-160
۱۳۶	عمر بن عبدالعزیز	213
۱۳۷	عمر فاروق	219-216-157
۱۳۸	عیسیٰؑ	85-71
۱۳۹	عزیر	230-57
۱۴۰	غزالی	387-288-42-41-18

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱۴۱	غلاماں' خاندان	372
۱۴۲	غوث الاعظمؒ	411-76
۱۴۳	فارابی	420
۱۴۴	فاطمہؓ' سیدہ	227
۱۴۵	فرانس اول	242
۱۴۶	فرعون	169-144-143-111-109
۱۴۷	فلپ کے ھٹی	242
۱۴۸	فوکویاما' فرانس	182-59
۱۴۹	فیڈرل شریعت کورٹ	411
۱۵۰	فیوض الحرمین	20
۱۵۱	قارون	111
۱۵۲	قاضی خان' فتاوی	326
۱۵۳	قدریہ	250
۱۵۴	قرطبی	438
۱۵۵	قطب شہید' سید	162-18
۱۵۶	قیصر	220
۱۵۷	کانگرس	391
۱۵۸	کسریٰ	220
۱۵۹	کمال اتاترک	198

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
60	کنفیوشزم	۱۶۰
216	ماتریدیہ	۱۶۱
330	مالک' امام	۱۶۲
185-184	ماؤزے تنگ	۱۶۳
41	مجدد الف ثانی	۱۶۴
310	مجلۃ الاحکام العدلیہ	۱۶۵
کثیر الاستعمال	محمد رسول اللہ ﷺ	۱۶۶
20	محمود الحسن' مولانا	۱۶۷
250-216	مرجیہ	۱۶۸
71	مریمؑ	۱۶۹
196	مستعصم باللہ	۱۷۰
254	مسور بن مخرمہ	۱۷۱
193	مسیلمہ کذاب	۱۷۲
250-216	معتزلہ	۱۷۳
372	مغل خاندان	۱۷۴
310	ملا۔ ڈی۔ ایف	۱۷۵
36	مناہج العرفان	۱۷۶
48	منتخبات القرآن	۱۷۷
55	میثاق مدینہ	۱۷۸

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱۷۹	نجم الدین	438
۱۸۰	نصاریٰ	391-374-126
۱۸۱	نظام الدین سہالوی	420
۱۸۲	نظام الملک' آصف جاہ	19
۱۸۳	نوح	262-261
۱۸۴	ولیم میور	386
۱۸۵	ھارون	112-108-107
۱۸۶	ھامان	111
۱۸۷	ہٹلر	199
۱۸۸	ھشام	213
۱۸۹	ہلاکو خان	424-200-197
۱۹۰	ھندوازم	60
۱۹۱	ہیگل' فریڈرک	244-181
۱۹۲	یحیٰ بن آدم	285
۱۹۳	یزید	213-112
۱۹۴	یعقوب	84
۱۹۵	یہود	391-386-374-126
۱۹۶	یوسفؑ	170
۱۹۷	یونسؑ	138

اماکن و بلاد

نمبر شمار	اماکن وبلاد	صفحہ نمبر
۱	آکسفورڈ	387
۲	اردن	310
۳	اسرائیل	220
۴	افریقہ	208-169-193
۵	افغانستان	358
۶	الحمراء	365
۷	الہ آباد	416-24
۸	انبالہ	413
۹	انڈونیشیا	199
۱۰	ایران	366-342-320-196
۱۱	ایشیا	208-196-193-24
۱۲	بابری مسجد	245
۱۳	بابل	386-366-208
۱۴	برصغیر	341-340-283
۱۵	برطانیہ	413-402-309-202-199-197
۱۶	بغداد	330-309-200-197-196
۱۷	بلقان	198
۱۸	بلوچستان	414-413-288-196-193
۱۹	بوسنیا	112

صفحہ نمبر	اماکن وبلاد	نمبر شمار
196	بیت المقدس	۲۰
208-196	ترکستان	۲۱
342-199-198	ترکی	۲۲
412-411-341-310 233-211-210-112	پاکستان	۲۳
387	پرنسٹن	۲۴
414	پنجاب	۲۵
60	جاپان	۲۶
363-199	جرمنی	۲۷
437	جھنگ	۲۸
245	چرار شریف	۲۹
208-196	چین	۳۰
55	حدیبیہ	۳۱
198	حرمین شریفین	۳۲
245	درگاہ حضرت بل	۳۳
320	دمشق	۳۴
380-366-208-196	روم	۳۵
195	سپین	۳۶
193	سراندیپ	۳۷

نمبر شمار	اماکن وبلاد	صفحہ نمبر
۳۸	سرحد	414-413
۳۹	سعودی عرب	358-198
۴۰	سندھ	196-413-192
۴۱	شام	208-196-310-111
۴۲	عراق	208-310-199
۴۳	فرانس	242
۴۴	فلسطین	208-112
۴۵	کشمیر	411-112
۴۶	کوفہ	330
۴۷	کیمبرج	387
۴۸	ماسکو	220
۴۹	مالدیپ	193
۵۰	ماوراءالنہر	196
۵۱	مدینہ	375-330-192-171-134
۵۲	مصر	380-208-170-169-111
۵۳	مکہ مکرمہ	20
۵۴	میک گل	387
۵۵	نینوا	386-366-208
۵۶	واشنگٹن	387-220

نمبر شمار	اماکن وبلاد	صفحہ نمبر
۵۷	ھند	386-373-372-339-208-192
۵۸	یورپ	208
۵۹	یونان	424-386-366

ضمیمہ جات

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	منتخبات القرآن (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۵۳۵
۲	قرآنی فلسفہ انقلاب (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۵۹۹
۳	تحریر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	۶۲۹
۴	تحریر قائد انقلاب (محررہ ۱۹۷۳ء)	۶۳۱
۵	جدول عروج وزوال (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۶۴۷
۶	مکتوب علامہ اقبال	۶۴۹
۷	نظریہ تصوف کے حوالے سے قائد انقلاب کا مکتوب مرتب کے نام	۶۵۳

ضمیمہ نمبر ا

منتخبات القرآن (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمار	نام سورۃ	آیات	پارہ	موضوعات
	الفاتحہ	تمام	1	صفاتِ ربوبیت
	البقرۃ	1 — 18	1	صفاتِ متقین
	" (تضاد و جدلیاتی [illegible])	30 — 38	"	سببِ شرفِ انسانیت
	"	40 — 46	"	خطابِ بنی اسرائیل
	"	83 — 86	"	میثاقِ بنی اسرائیل
	"	153 — 157	2	بیانِ صبر و استقامت
	"	172 — 179	"	(1) اکلِ حلال (2) بر اور صدق و تقویٰ
	"	190 — 193	"	استیصالِ فتنہ و شر
	"	204 — 220	"	متفرق موضوعات (جنگ و قتال)
	"	243 — 252	"	بنی اسرائیل کی بزدلی (قصۂ طالوت و جالوت)
	"	256 — 257	3	تمییز بین الحق و الباطل
	"	261 — 281	"	(1) انفاق فی سبیل اللہ (2) حرمت و شناعتِ ربو (سودی نظامِ معیشت کی مذمت)

نمبر شمار	نام سورۃ	آیات ②	پارہ	موضوعات
13	آل عمران	13 — 28	3	متفرق موضوعات
14	"	31 — 32	"	اطاعت و اتباع رسولؐ
15	"	68 — 78	"	اہل کتاب سے خطاب (بالخصوص [illegible])
16	"	85 — 97	" 4	(1) تمسک بالاسلام (2) کعبۃ اللہ کی عالمی حیثیت (عالمی مرکز ہدایت) و دیگر موضوعات
17	"	99 — 110 103 — اتحاد	"	(1) اعتصام باللہ (2) فرائض امت محمدیہ ① دعوت الی الخیر ② امر بالمعروف ③ نہی عن المنکر ④ ایمان کامل
18	"	118 — 127	"	غیر مسلم اقوام کی اسلام دشمنی
19	"	132 — 142	"	(1) اطاعت رسولؐ (2) مسارعت الی الخیر
20	"	156 — 158	"	(1) مومنین کی آزمائش و امتحان (2) غلبہ اہل حق، شکست باطل
21	"	164 — 178	"	فرائض پیغمبر، مقاصد نبوت اور واقعہ غزوہ بدر و احد
22	"	184 — 188	"	تشکیل سیرت کی ہدایات - (حیات شہداء)
23	"	191 — 198	"	راہ حق کے مصائب اور جزا ① ہجرت ② اخراج ③ ایذاء ④ قتال (مقابلہ) ⑤ شہادت [illegible]
		1- اقامت صلوٰۃ 4- تعزیر رسل 2- ایتاء زکوٰۃ 5- قرض حسنہ 3- ایمان بالرسل	1956	

نام سورۃ	آیات ③	پارہ	موضوعات
آلِ عمران یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"	200 (آخری)	4	1 صبر، 2 ضبط، مقابلہ کی صلاحیت و نگہبانی 3 تقویٰ 4 — فلاح و کامیابی
النساء	58 — 100	5	1- اطاعتِ رسول 2- علاماتِ منافقین 3- نظامِ اسلامی کا نفاذ 4- حکمِ جہاد وغیرہ (انقلابی جدوجہد کا حکم)
"	104 — 115	"	حصولِ حمایت، خفیہ تجاویز کا بیان
"	135 — 149	" 6	حکمِ عدل و قسط، ولایتِ کفار کی مذمت علاماتِ منافقین
"	160 — 162	"	معائبِ یہود - (انکی تباہ حالی کے اسباب)
"	175 — 176	"	رسالتِ محمدیؐ کی عالمگیریت
المائدہ	1 تا 5	4	1- ایفائے عقود 2- تعاون و عدمِ تعاون کے اصول (برّ و تقویٰ / اثم و عدوان) 3- مایوسی کفار اور تکمیلِ دین
"	8 (دعوت، تنظیم، تربیت، تحریک، انقلاب)	"	حکمِ عدل و قسط
"	12 — 16 (مراحل خمسہ)	"	1 میثاقِ یہود 2- میثاقِ نصاریٰ 3- نقضِ میثاق

نمبر شمار	نام سورۃ	آیات (4)	پارہ	موضوعات
33	المائدہ	20 – 26	6	واقعہ وادیٔ تیہ – (ارض فلسطین پر حملہ کا حکم اور یہود کا انکار – نتیجہ)
34	"	32 – 68	"	متفرق موضوعات
35	"	77 – 86	"	ولایت یہود، نصاریٰ و مشرکین کا ذکر
	اولئک حزب اللہ هم الغالبون	غلبہ حزب اللہ		(انفرادی گردن)
		فقطع دابر القوم الذین ظلموا	"	
36	انعام	45 صرف	7	ظالم و جابر قوم کا انجام
37	"	52 – 55	"	غریب و مفلس مومنین کی دلجوئی کا حکم
38	"	71 – 72	"	ہدایتِ ربانی ہی اصل ہدایت ہے
39	"	116 – 118	8	مغربی جمہوریت پر تنقید (عوام کی اکثریت اتباع ظن میں مبتلا ہے)
40	"	121 – 122	"	گناہ کے ظاہر و باطن سے اجتناب
41	"	152 – 154	"	تشکیل سیرت و کردار کی ہدایات
42	"	160 – 166	"	تفرقہ بازی کی مذمت وغیرہ

الحاد

نمبر شمار	نام سورۃ	آیات	پارہ	مضامین عنوانات
43	اعراف	1 — 6	8	تبلیغ حق کا حکم ، انجام ظلم و طغیان
44	"	10 — 18	"	مقابلہ خیر و شر (قصہ رد ابلیس)
45	"	29 — 34	"	بیان محرمات ، حکم عدل و قسط ، و اخلاص فی الدین 1. الفواحش 2. ظاهر الاثم 3. باطن الاثم 4. البغی بغیر الحق 5. الشرک باللہ ۔ 6. القول علی اللہ بغیر علم ۔ (افتراء) لکل امۃ اجل ۔
46	"	44 — 53	"	اہل جنت ، اہل دوزخ اور اہل اعراف کے درمیان نصیحت آموز مکالمہ
47	"	157 — 158	9	1. فلاح کی شرائط 2. رسالت محمدی کی عالمگیریت 3. آنحضرت کے خصائص 1 الرسول 2. النبی 3. الامی ۔ 4. مکتوب فی التوراۃ والانجیل ۔ 5. الآمر بالمعروف 6. الناهی عن المنکر ۔ 7. محل الطیبات 8. محرم الخبائث 9. دافع الاصر والاغلال 10. معظم و مطاع ۔

شرائط فلاح

1. رسالت مآب پر ایمان
2. تعزیر و تعظیم
3. نصرت
4. اتباع

نمبر شمار	نام سورۃ	آیات	پارہ	موضوعات
48	اعراف	163 — 166	9	نہی عن المنکر کا وجوب و لزوم (مجرم طبقہ اور جرم دیکھ کر خاموش رہنے والا طبقہ دونوں عذاب الٰہی کے مستحق ہیں)
49	"	178 — 179	"	بیان ہدایت و ضلالت (ہدایت و شقی لوگ باوجود دل و دماغ کان اور آنکھ رکھنے کے فہم و ادراک سے محروم ہیں)
50	"	199 — 202	"	عفو، امر بالعرف، اعراض عن الجاہلین
	" ولو کرہ المجرمون "			
51	انفال (نہایت اہم) (احقاق حق، ابطال باطل سے متعلق ہے)	1 — 30	9	صفات مومنین - غلبۂ حق اور شکست باطل (واقعہ بدر کی طرف اشارہ) حزب باطل سے جنگ نصرت الٰہی - وغیرہ
52	"	36 — 40	"	کفار کا باطل کے غلبہ کی خاطر مال خرچ کرنا، استیصال فتنہ اور غلبۂ حق کیلئے جنگ و قتال،
53	"	43 — 75 الی آخر السورۃ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض غرّ ہؤلاء دینہم ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم	10 (۴۹ پارہ)	(i) جنگی مصالح و حکم۔ (ii) باہمی تنازع، بزدلی، کمزوری اور بے وقاری کا سبب بنتا ہے۔ (iii) اپنی کامیابی کی نسبت مومنین کے اعتماد و یقین کو منافقین غرور سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۴۹

آیت نمبر 50

i) انقلابی مومنین کے نیک اعمال کا بدلہ حق و باطل کی جنگ میں غیبی امداد الٰہی کی صورت میں ملتا ہے:

ii) شیطان اہلِ باطل کی کوششیں انکی نظروں میں اچھی کرکے دکھاتا ہے (تاکہ وہ اپنے اعمال سے مطمئن رہیں)

ب) انہیں غلبہ باطل کی امید دلاتا ہے۔

ج) مقابلہ میں بالآخر انہیں ذلیل و رسوا کرواکر بھاگ نکلتا ہے۔

vi) اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی عطاکردہ نعمت (غلبہ و اقتدار یا کوئی اور) واپس نہیں لیتا۔ تاوقتیکہ

وہ خود بدتر حالت میں نہ بدل جائیں۔ نمبر 53۔ (اس کا عکس بھی درست ہے)

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"

vii) جو قوم مومنین سے وعدہ کرکے بار بار توڑ دے۔ اسے جنگ میں نہایت عبرتناک سزا دو۔ نمبر 58،

اگر کسی قوم سے نقضِ عہد اور دھوکہ و فریب کا اندیشہ ہو تو وہ عہد (Pact) اس کے منہ پر دے مارو۔

viii) اہلِ باطل کو (دشمنانِ اسلام کو) کچلنے کیلئے ہمہ وقت پوری طاقت سے تیار رہنا (Foreign Policies)

(Compulsory Military Training + War Preparation)

ix) دعوتِ صلح ملے تو قبول کرلو۔ (دہ چیز شوکتِ اسلام کی مظہر ہے) نمبر 60

x) تھوڑی تعداد میں بھی انقلابی مومن کثرتِ اہلِ باطل پر غالب ہوسکتے ہیں۔

xi) دشمنانِ اسلام (جو دینِ حق کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوں) کا قلع قمع کردو۔ ان سے معاوضہ لینے کی

بجائے خون بہانا (قتل کرنا) بہتر ہے۔

xii) ایمان، ہجرت، جہاد اور مدد و نصرت (انقلابی مومنین کے امتیازی خصائص) صفاتِ مومنین

(باہمی تعاون و تناصر) نہ ہو تو اہلِ باطل

فتنہ و فساد بپا کردیتے ہیں۔ کیونکہ "الذین کفروا بعضہم اولیاء بعض" اور "الکفر ملۃ واحدۃ"

(آج یہی مشاہدہ ہو رہا ہے) ⑦

نمبر شمار	نام سورۃ	آیات	پارہ	موضوعات ⑧
54	**توبہ**	۱ — ۲۹ (تعلق باللہ، رسالت) عناصر اربعہ انقلاب (لو کرہ الکافرون) (مقصد بعثت - غلبہ حق) (نمبر 32 - 33) توبہ ① ارتکاز دولت کی مذمت (مرض اکتناز)	۱۵	• بیانِ معاہداتِ کفار و مشرکین (ہدایات) • اسلامی ریاست خالص نظریاتی ریاست ہوگی • (ہر حال میں نظریہ اسلام کی بالادستی، تفوق و برتری تسلیم ہوگی) • نقضِ میثاق کے مرتکب مشرکین سے قتال • قبولِ اسلام یا طلبِ پناہ کی صورت میں معافی • غیر مسلموں کو محرم (راز دار) بنانے کی ممانعت • ایمان، ہجرت اور جہاد (بالنفس و بالمال) کی عظمت و فضیلت • آباء و اجداد، اولاد، ازواج، رشتہ دار، تجارت، مکانات الغرض تمام دنیوی منافع سے بڑھ کر الفت و محبت، اللہ، رسولؐ اور جہاد (انقلابِ اسلامی) سے ہونی چاہیے۔ ورنہ تباہی و ہلاکت ہے۔ (خصوصیت انقلابیین) • ایمان باللہ، بالیوم الآخر، تحریم ما حرم اللہ والرسول، اتباع دینِ حق (زندگیوں میں نفاذ) نہ ہونے کی صورت میں مستحق قتال۔
55	〃	~~[illegible]~~ — 32 39	〃	① ارادۂ اہل باطل - (اطفاءِ نورِ حق) ارادۂ ایزدی (اتمام) ② مقصدِ بعثت - غلبہ حق (اسلام کی عالمگیر فتح)

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات (9)
56	توبہ	38 - 39 40 - 41	10	• جہاد (انقلاب اسلامی) کیلئے حکم ہجرت • متاع دنیا کم مایہ گی
57	"	44 — 81	" ★	علامات منافقین (خصوصاً جہاد و انقلاب کے حوالے سے) (مسئلہ النساء میں بھی ہیں)
58	"	85 — 98	" 11	علامات منافقین ۔ (شناعت نفاق) (صحیح مضمون کا استثناء) نمبر 92 - 91
59	"	107 — 112	"	• منافقین کا مقصد (جو تعمیر مسجد میں کارفرما ہے) ① ضرار ② کفر ③ تفرق (بین المومنین) ④ ارصاد محربین (مخالفین رسول ﷺ) انتظار (اسلام) ✗ • مومنین کا مقصد ...... ① تقویٰ ② رضائے الٰہی • اشتراء الجنۃ بالنفس والمال (قتال فی سبیل اللہ) • صفات مومنین (نمبر 112)
		1 ۔ التائبون 7 ۔ الآمرون بالمعروف 2 ۔ العابدون 8 ۔ الناھون عن المنکر 3 ۔ الحامدون 9 ۔ الحافظون لحدود اللہ 4 ۔ السائحون 5 ۔ الراکعون 6 ۔ الساجدون		
60	"	122 , 123 صرف	"	"مقابلہ میں اہل ایمان نہایت سخت و شدید ہوں"
61	"	128 — 129	"	شان رسالت مآب (رحمت و رأفت [redacted] اہل ایمان کے حق میں) (مومنین کو تکلیف آنحضرت پر بڑی گراں ہے)

نمبر شمار	نام سورت - آیات	پارہ	موضوعات (15)
62	یونس - 6 — 9	11	مادیت پسندوں کا انجام اور اہل ایمان کا انجام
63	" 12 — 14	"	(الذنوب والعقوبات) بعض مجرم اقوام کا انجام - زمین کی حکمرانی آزمائش ہے
64	" 22 — 27	"	بغی فی الارض کا انجام - متاع دنیوی پر مغرور ہونے کا نتیجہ
65	" 35 — 39	" قرآن میں لانے کا چیلنج	قرآن اور حکم الٰہی چھوڑ کر اتباع ظن کی مذمت (تمثیل)
بقیہ	قرآن موعظت شفاء ہدایت و رحمت (57 — 58) (69 سوال 61)	"	(غیر اسلامی نظام افکار کی پیروی) کی مذمت
66	ھود - 15 — 16 (2 — 3)	12	مادی زندگی کے خواہشمند اخروی نعمتوں سے محروم رہیں گے (دنیوی جاہ و حشمت اور مادی منافع)
67	" 84 — 95 نمبر 117	"	کسب معاش میں بد دیانتی پوری قوم کی تباہی و (اقتصادیات) ہلاکت کا باعث بنتی ہے (قوم شعیب کے حوالے سے)
68	" 102 — 108 علامات شقاوت 5 1. قساوت قلبی (دل کی سختی) 2. عدم گریہ 3. دنیا کی رغبت 4. دراز امیدیں 5. بے حیائی	" (علم)	ظالموں کی گرفت - روز قیامت شقی و سعید کا انجام - (حضرت شقیق بلخیؒ) علامات سعادت پانچ 1. رقت قلب (نرم دل) 2. کثرت گریہ 3. دنیا سے نفرت (متاع دنیوی کا حریص نہ ہونا) 4. امیدوں کا کوتاہ ہونا 5. شرم و حیاء
یونس	(75) (76) پارہ 11 (موسیٰ کا معارضہ) اہل باطل کا الزام کہ اقتدار کے خواہشمند ہو	(92)	ان ترعون لعال فی الارض - (سیاسی و معاشی تسلط) بنی اسرائیل کو مجبور کیا (اہل حق پر طلب اقتدار کا الزام) (78)

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	(11) موضوعات
69	یوسف	57 — 55	13	تمکن فی الارض (حکمران) کا طلب کرنا محض رضائے الٰہی کیلئے (اسکے احکام کے نفاذ کیلئے) یہ رحمتِ خدا ہے۔
70	"	نمبر 76	"	لفظ "دین" ملکی قانون کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
71	"	نمبر ۱۱۱	"	قرآن عبرت ۱، تصدیق ۲، تفصیل ۳، ہدایت ۴ اور رحمت ۵ ہے
72	الرعد نمبر ۱۱		13	خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا۔ استخلاف [illegible]
73	"	26 — 20 قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ آباءنا وتکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمؤمنین	"	صفاتِ مومنین ① ایصال ما امر اللہ بہ ② ایفائے عہدِ الٰہی ③ تکمیلِ میثاق ④ خشیتِ الٰہی خوفِ خدا ⑤ خوف سوء الحساب ⑥ صبر ⑦ طلبِ رضائے الٰہی ⑧ اقامتِ صلوٰۃ ⑨ انفاق (سرّاً و جہراً) ⑩ ادرأو السیئۃ بالحسنۃ (احسان)
74	"	29 — 28	"	ذکرِ الٰہی باعثِ اطمینانِ قلب ہے۔
75	ابراھیم	۱ — 3	13	اقوامِ عالم کو صرف قرآن سے ہی ہدایت مل سکتی ہے۔ علاماتِ کفر - ۱ استحبابِ حیاتِ دنیا بر آخرت ۲ صدٌ عن سبیل اللہ
76	"	9 — 6	"	قومِ موسیٰ۔ (شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت) کا انجام ((قومی آزادی سب سے بڑی نعمت ہے))
77	"	15 — 13	"	((حق کو بالآخر باطل پر غلبہ ہوتا ہے))

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	معلومات ⑤
78	ابراھیم	19 – 20	13	مادی (سیاسی) غلبہ و تسلط سنت الٰہی سے ایک قوم سے دوسری کو منتقل ہوتا ہے
79	″	27 – 30	″	اہل حق دنیا و آخرت میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ نعمت الٰہیہ کو کفر و ناشکری میں بدلنے والی قوم کا انجام تباہی و ہلاکت ہے۔
80	″	42 – 52	″	ظالمین کا عبرتناک انجام۔ روزِ حشر کا منظر و مجرمین (نہایت اہم بیان)
81	الحجر (ایک وادی کا نام ہے)	4 – 5	14	اقوام کی تباہی مقررہ پروگرام کے مطابق ہوتی ہے
82	″	نمبر 56 –51	″	رحمتِ حق سے مایوسی گمراہوں کا شیوہ ہے۔ (قصہ بحوالہ)
83	″	56 — 99	″	(فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنا) بشارتِ ولادتِ اسحاقؑ (i) قوم لوطؑ کی ہلاکت (ii) قوم شعیبؑ کی ہلاکت (اصحاب الایکہ) (iii) قوم ثمودؑ کی ہلاکت۔ (حضرت صالحؑ کی تکذیب) اصحاب الحجر (iv) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں کا انجام۔ کلمہ حق علی الاعلان کہنے کا حکم۔ "واعبد ربک حتیٰ یأتیک الیقین"
84	النحل	40 — 43	14	شانِ تخلیق (عدم سے وجود میں لانا) ہجرت فی اللہ کا اجر۔ صبر و توکل کی جزا۔ اہل ذکر سے استفسار۔
85	″	51 – 52	″	تعددِ الٰہ کی نفی۔ دین حق کی پیروی لازمی و دائمی ہے
86	″	نمبر 78 (حواس ظاہری و باطنی)	″	ذرائع علم۔ "السمع والابصار والافئدة" کان، آنکھ، دل

(13)

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات
(87) مہم	النحل	78 — 91 (۸۰)	14	• کفر اور صدود عن سبیل اللہ کا انجام • حضور کی شہادت تمام امم سابقہ پر بھی گواہ (عالمگیر نبوت) فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا ؟
	• حکم عدل احسان ایتاء ذی القربیٰ نہی عن الفحشاء ۔ نہی منکر نہی بغی وعظ تذکر ۔ ایفاء عہد ۔ ممانعت نقض ایمان		[illegible]	• قرآن (۱) روشن بیان (۲) ہدایت (۳) رحمت اور (۴) بشارت ہے ۔ • ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین
88	النحل ۔	98 — 110	14	استعاذہ (اعوذ باللہ من الشیطان) ۔ اہل ایمان واہل توکل پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا ۔
(89) مہم	″	نمبر 112	″	کفران نعمت کی صورت میں پوری قوم اور ملک پر جوع وخوف (بھوک اور بے چینی) مسلط کر دیئے جاتے ہیں ۔
(90) Imp.	″	125 — 128	″	• طریق دعوت حق ۔ 1. حکمت 2. موعظت حسنہ 3. جدال احسن ۔ • بدلہ وانتقام کا حکم اور معافی کا حکم

سورۃ النحل میں سے صرف نمبر شمار 87، 89 اور 90 ہی جمع کریں گے

(14)

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات
91	بنی اسرائیل	9 - 10	15	ہدایت قرآنی اقوم ہدایت ہے۔
92	״	15 - 39	״	• ہر شخص اپنی ہدایت و ضلالت کا خود ذمہ دار ہے۔ • ملک و قوم پر تباہی سرداروں اور متکبر لوگوں کے باعث آتی ہے • طالب دنیا عطاء الٰہی سے اپنا حصہ پا کر آخرت سے محروم (مادی منافع کا حریص) ہو جاتا ہے۔ • توحید اور احسان بالوالدین کا متصل حکم۔ • ہر حقدار کو اس کا حق پورا پورا ادا کرنے کی تلقین • شناعت تبذیر - (بخل و اسراف دونوں کی مخالفت) اعتدال کا حکم • خوف مفلسی سے اولاد کو قتل کرنا (گویا خدا کو رازق نہ سمجھنے کے مترادف ہے) • زنا اور قتل ناحق کی ممانعت و حرمت۔
		• یتیم کا مال کھانے سے گریز۔ • ایفائے عہد۔ ایفائے کیل (پورا ناپنا) • وزن بالقسطاس المستقیم (وزن بالقسط) • بغیر علم کسی بات پر قائم ہونا (ممنوع ہے) • کان آنکھ اور دل ہر چیز مسئول عنہ ہے • غرور اور تکبر و ناز سے چلنے کی مخالفت		
93	״	70 - 72	״	• فضیلت نوع انسانی۔ روز قیامت لوگ اپنے مقتداؤں و پیشوا کے حوالے سے بلائے جائیں گے۔ (حدیث نبوی «المرء مع من احب وله ما اکتسب») • جو شخص اس دنیا میں اندھا (گمراہ۔ بے بصیرت) ہے آخرت میں بھی محروم ہوگا

نمبرشمار	نام سورت	آیات	پارہ	(15) موضوعات
94	بنی اسرائیل	82 – 78	15	مقولات قصہ و تجدید بیان • غلبۂ حق کیلئے طاقت اور اقتدار طلب کرنا - (احقاق حق و ابطال باطل)
95	الکہف	25 – 9	"	واقعہ اصحاب کہف - (اہل باطل کے سامنے نہ جھکنے پر نفضائل و انعامات خداوندی)
96	"	59 – 28	"	• تخییر بین الخیر و الشر اور دونوں کا انجام - • تمثیل الرجلین - (باغ کا آبادی و ویرانی) • دنیوی زندگی کی ناپائیداری (متاع دنیوی کی حیثیت) • انجام مجرمین • ولدیت شیطان - • انجام ظالمین
97	"	82 – 60	15 ↓ 16	واقعہ ملاقات موسیٰ و خضر - (تمثیل نیا میں کرتے ہوئے صوفیانہ تربیت مذکور ہے)
98	"	110 – 103	"	سارا جدوجہد محض متاع دنیوی میں صرف کر دینا صحیح نقصان ہے۔

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات (16)
99	مریم	63 - 58 (75 — 71)	16	• حضور باری تعالیٰ سے انعام یافتہ بندوں کا ذکر۔ • بعد کی ناخلف نافرمان نسلوں کا ذکر۔ • جنت متقین کا ورثہ ہے۔
100	〃	87 - 85	〃	• روز حشر متقین و مجرمین کے ساتھ جداگانہ سلوک • حق شفاعت صرف "عبد ماذون" کو ہوگا
101	〃	98 - 96 وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۔	〃	• مومنین و صالحین کی مقبولیت جناب باری میں محبوبیت کے باعث ہوتی ہے۔ • سابقہ ظالم و مجرم اقوام اس طرح نیست و نابود ہوئیں کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں (یعنی صفحۂ ہستی سے کلیتہً مٹ گئیں)
102	طٰہٰ	36 - 24	16	• حضرت موسیٰؑ کو دربار فرعون میں جانے کا حکم • آپؑ کو اپنے معتمد اور دست راست ساتھی کی طلب
103	〃	82 - 77 • سابقہ اقوام کی تباہی اور نیست و نابود ہونا اہل عقل کیلئے عبرت	〃	• معرکہ حق و باطل کے بعد حضرت موسیٰؑ کی فتح (بنی اسرائیل کی نجات و آزادی) (حکم ہجرت) • غرق فرعون۔ • قوموں کے امتحان و آزمائش کے بعد انعامات الٰہی اور سپردگی
104	〃	128 — 123	〃	• ہدایت ربانی کی اتباع سے گمراہی و بدبختی سے حفاظت • اعراض و انحراف سے معاشی تنگی (تباہ حالی) اور روز حشر کی رسوائی

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات (7)
105	طٰہٰ	130 — 132	16	• صلوٰت خمسہ کا حکم۔ تلقین صبر۔ • دنیوی زیب وزینت کی طلب ترک کرنے کا حکم۔ حکم توکل (رزق کے معاملے میں)
106	الانبیاء۔	1 — 2	17	یوم حساب کے قرب کا ذکر اور لوگوں کی غفلت پر تعجب۔
107	"	9، 10 — 15	"	ظالم قوموں کا انجام (تباہی وہلاکت)
108	"	21 — 27	"	• بیان توحید • توحید باری تعالیٰ پر فلسفیانہ استدلال
	"ھٰذا ذکر من معی و ذکر من قبلی"			• قرآن تاریخ ہے • ملائکہ کا بندہ خدا ہونا
109	"	30 — 35	"	تفکر فی الکائنات کی دعوت۔ (سائنسی فکر کی دعوت)
110	"	41 — 44	"	کفار کا تمسخر بالانبیاء۔
111	"	105 — 106	"	• عباد صالحین ہی زمین کے وارث ہیں۔
		95 — 96 ✓	"	
		71 — 80 •	"	• قرآن مومنین کیلئے نافع ووافی ہے۔
	مکمل تشریح — (انبیاء سابقین کی کامیابی)			• حضورؐ کی رحمت ساری کائنات کو عام ہے

44 - أفلا يرون أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها - أفهم الغالبون

تباہ شدہ قوم قیامت تک اٹھ نہ سکے گی

اسلام کی فتح ... کفار کی شکست

نمبر شمار	نام سورت - آیات		پارہ	موضوعات (مضامین) (18)
112	**الحج**	3 — 4	17	بعض لوگوں کا علمائے اسلام کے معاملے میں بغیر علم کے جھگڑا اور انکار کرنا لیکن گمراہ کن قائدین (سرکش شیطانوں) کی اندھی تقلید
113	"	8 — 11	17	معاملات باری تعالیٰ میں بغیر علم - بغیر دلیل اور بغیر واضح و روشن نوشتہ (کتابی ثبوت) گفتگو کرنا - بعض لوگوں کے نزدیک مذہب کے حق و باطل کا معیار مادی منفعت و مضرت (یعنی ظاہری تنگی و فراخی) ہے یہ تصور خسران الدنیا والآخرۃ ہے۔
114	"	15 — 25	17	نبی برحق کا (اور ان کے غلاموں کا) دینوی و اخروی کامیابی یعنی نصرت الٰہی حق ہے - اور اس میں شک کرنے والا جل کر مر جائے challenge ہے۔
	(یعنی حق کا پروگرام اس کے مناسب) حتماً نتیجہ خیز ہے			
	هذان خصمان اختصموا في ربهم ←			دو گروہوں (حق و باطل) کا بیان مومن >< یہود، صابی، نصاریٰ، مجوس، مشرکین گروہ (الکفر ملۃ واحدۃ)
	جعلناه للناس سواء العاكف فيه والباد ← (العاکف: مقیم، الباد: پردیسی)			اہل باطل مسلمانوں کو راہ حق سے اور مسلمانوں کی عالمگیر مرکزیت (مسجد حرام) سے روکتے ہیں - اس میں عرب و عجم دونوں کا مساوی حق ہے۔
115	"	34 — 50	17	عبادت کیلئے قربانی مقرر ہے - بشارت برائے متواضعین (مخبتین) -

نمبر شمار	نام سورت — آیات	پارہ (19)	موضوعات
		17	علاماتِ مخبتین — (1) وجل قلوب بذکر اللہ۔ (2) صبر بوقت مصیبت — (3) اقامت صلوٰۃ (4) انفاق المال
	ذالک • ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" نمبر 32		تعظیم شعائر اللہ (منھا خیر)
			• بیان تقویٰ (قربانی میں نیت واخلاص کی اہمیت)
			• بشارت برائے محسنین
			• تدافع البلایا عن المومنین۔
			• ظالموں کے خلاف مظلوموں کو حکم جہاد — اور نصرت الٰہی کا وعدہ۔
	(اخراج من الدیار) الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔		• اہل حق پر صرف خدا کا نام لینے سے ہی مظالم ہوتے ہیں۔ (یعنی حق و باطل کا تضاد ازلی ہے)
	یہ قاعدہ الٰہیہ ہے۔ نمبر 40		• دفع الناس بالناس (اگر اہل حق — باطل جیسی طاقتوں (مشرکین) کا استیصال نہ کرتے تو تمام مذہبی مراکز تباہ و برباد ہو جاتے) — گویا {مذہبی عبادتگاہوں کی آبادی دین حق کے سیاسی غلبہ کی مرہون منت ہے}
	• دین حق کی سیاسی فتح کیلئے نصرت الٰہی کا وعدہ ہے۔ حتمی طور پر ظاہری کامیابی ہوگی		• ولینصرن اللہ من ینصرہ • ان اللہ لقوی عزیز •

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ (20)	مضامین
		نمبر 41 تمکن فی الارض کا نتیجہ (i) اقامت صلوٰۃ (ii) ایتائے زکوٰۃ (iii) امر بالمعروف (iv) نہی عن المنکر	17	• تمکن فی الارض (سیاسی غلبہ) مقدم ہے یا شرائط ہے گویا یہ لازم ہے (معیارِ دین) اور معمول بہ دین مقدم و شروط اور مؤخر ہے گویا تبلیغ دین بھی صحیح معنوں میں اسی طرح مؤثر ہو سکتی ہے
		نمبر 42		• اہل حق کی تکذیب ہمیشہ گمراہوں کا شیوہ رہا ہے
		نمبر 45		• ظالم اقوام کی تباہی و ہلاکت ۔
		نمبر 46 تاریخ کا باقاعدہ مطالعہ مردہ مطالعہ بے سود ہے { اعمی الابصار ۔ اعمی القلوب ۔ }		• امم سابقہ کے حالات و واقعات کا مطالعہ سبق و عبرت کا سبب ہونا چاہیے ۔ * یہ چیز سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ چشمانِ قلب کی بینائی سے ممکن ہے ۔ * آج کا مسلم اپنی سابقہ تاریخ کا مطالعہ اعمی القلوب کی حیثیت سے کر رہا ہے
		نمبر 48		• ظالم اقوام کو کچھ عرصہ تک مہلت دیکر اچانک گرفت میں لیا گیا ۔
116 1 بیان مقاصد [illegible] [illegible]	الحج	54 — 55 + ولیعلم الذین — عذاب یوم عقیم "		اہل ایمان ہمیشہ راہ راست پر رہیں گے لہٰذا اہل باطل دنیا کے ہر دو گام [illegible] کی [illegible] کے بارے میں [illegible] [illegible]

نمبر شمار	نام سورت	آیات	(21) پارہ	موضوعات
117	الحج -	58 — 60	17	فی سبیل اللہ ہجرت - قتل و موت قصاص و انتقام کا حکم (من عاقب-)
		اور "ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب"	→	
118	الحج -	67 — 34 قربانی		ہر ملت کیلئے خاص طریقۂ عمل مقرر ہے یا (قربانی و ایثار)
119	"	77 — 78		ایمان رکوع سجود عبادت فعل الخیر - (فلاح و نجات)
		وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ	→	جہاد (انقلاب) اعلاء دین حق (یعنی غلبۂ حق کیلئے انقلاب بپا کرو)
		ولکل امۃ جعلنا منسکاً (ھم ناسکوہ — .) نمبر 67	→	ھو اجتبٰکم (اس مقصد کیلئے اس امت کو منتخب کیا گیا ہے) یہ عظیم مشن صرف خیر الامم کا ہے
		لیکون الرسول علیکم شھیداً -	→	عدم حرج - (اصول شریعت) ملت ابراہیمی "ھو سمّٰکم المسلمین"
		نظم اتحاد	→	اقامت صلوٰۃ - ایتاء زکوٰۃ اعتصام باللہ
		نتیجۃً کامیابی - نصرت الٰہی	→	نعم المولیٰ و نعم النصیر -

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ (22)	موضوعات
	المومنون		18	فلاح مومنین ـ صفات مومنین
120		1 — 11 اولٰئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس ھم فیھا		① خشوع فی الصلوٰۃ ② اعراض عن اللغو ③ بذل الزکوٰۃ ④ حفاظت فروج ⑤ رعایت امانات ⑥ رعایت عہد ⑦ محافظت صلوٰۃ خالدون
121	″	23 — 25	″	بعثت نوحؑ ـ اعتراضات قوم نوح حضرت نوحؑ پر طلب تفضل دنیوی (اقتدار اور مالی برتری کی خواہش) کا الزام الزام دیوانگی ـ
122	″	39 — 48 (اس سے قبل اعتراضات مذکور ہیں ـ)	″	تکذیب رسولؑ اور انجام منکرین دیگر انبیاء کی بعثت ـ انکار ـ اور منکرین کی تباہی و ہلاکت ـ بعثت موسیٰ و ہارون ـ ہلاکت فرعون ـ

نمبر شمار	نام سورت	آیات	پارہ	موضوعات (23)
	المومنون		18	• "عوام کی اکثریت حق سے گریزاں ہے" 70
123	"	76 — 64	"	• "قرآن کے باعث ہی قومیں سربلند ہوسکتی ہیں" 71
	* "مستکبرین بہ" 67 (عزت حرم پر بڑائی) مارتے ہیں۔			
	* "اکثرھم للحق کارھون"			قیامت کے روز اہل ایمان کا مذاق اڑانے والوں کا انجام۔ اور "صابرین کی جزا"
124	"	111 — 108	"	
125		115	"	بنی نوع انسان کی تخلیق بامقصد ہے۔ عبث نہیں ہے (یعنی انسان کسی مقصد کی خاطر پیدا کیا گیا ہے)
	النور		18	1۔ حدِ زنا ۔ حدِ قذف ۔ لعان ۔ (حدود الٰہیہ) فوجداری نوعیت ۔ دیوانی نوعیت
126	"	1 —	"	2۔ واقعہ افک اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت و تقدس کا بیان۔
				3۔ "اشاعۃ الفاحشہ" (بری بات کا چرچا کرنا) کی مذمت۔ منافقین اور عوام کے رویہ پر تنقید۔
	افواہوں کی مذمت			

نمبر شمار	نام سورت - آیات	پارہ	(24) مضامین
127	**النور** رو 21 " ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربیٰ 22 احکام عصمت ع 31 (مشترکہ) ۱- حکم غض بصر ۲- حفاظت فروج (عورتوں کیلئے) ۳- ممانعت اظہار زینت ۴- گریبانوں کا ڈھانکنا (دوپٹے کا استعمال) ۵- ضرب ارجل کی ممانعت (زمین پر زور سے پاؤں مارنے کی ممانعت) ۶- پردے سے چند افراد مستثنیٰ ہیں	18	4- اتباع خطوات الشیطان - فحشاء و منکر ہے۔ (شیطانی طریق عمل کی پیروی کی ممانعت) 5- کسی حالت میں نفع جسمی و نفع روحانی منقطع نہ کرو خواہ قرابتیں و مساکین کسقدر عداوت کیوں نہ کریں بلکہ عفو و درگزر کی تلقین ہے 6- شناعت اتہام - 7- احباب کے گھر آمد و رفت کے آداب - حکم استیذان و تسلیم بیوت غیر مسکونہ + Relation + ... 8- غض بصر کا حکم - اور حفاظت فروج (عورتوں اور مردوں کو حکم) عصمت مومنات کے احکام۔ 31 ع -
128	36 — 38	18	33 ع " 9- وبال گناہ مجبور کرنے والے پر ہوتا ہے • مساجد میں نماز و ذکر الٰہی کا حکم • تجارت و کاروبار راہ خدا میں مائل نہیں ہونا چاہیے

نمبر شمار	نام سورۃ — آیات	پارہ	مضامین (25)
129	46 — 57	18	معیارِ ایمان — اطاعتِ رسولؐ ع 51 معیارِ منافقت — اعراض عن الاطاعت
	ع 53 ← 55-56 استخلاف فی الارض ← مذہبی تمکن ← معاشرتی امن و سلامتی		ثبوتِ وفاداری قسمیں کھانا نہیں بلکہ عملی قربانی ہے ہدایت و رہنمائی حضورؐ کی اطاعت پر موقوف ہے فوری سیاسی انقلاب میں مذہبی تمکن اور معاشرتی
130	61 — 63		بے سود و بے معنی ہو سکتا ہے شرطِ ایمان — محض اطاعتِ رسولؐ ہے
	الفرقان		
131	ع 1 الفرقان — للعالمین نذیرا	18	قرآن — الفرقان ہے (حق و باطل کے درمیان فارق) نذیراً — ڈر سنانے والا
132	7 — 9 اور 20 صرف Common Standard of Living		رسالت گھری صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض — (حضورؐ کا اپنا منتخب کردہ سادہ معیارِ زندگی جو عام انسانوں کی طرح تھا — کفار کے نزدیک رسول ہونے کے منافی تھا۔ وہ ان کے لئے غیر معمولی طور پر بلند و بالا معیارِ زندگی کی توقع رکھتے تھے۔ (قیادت جس طبقہ کے مسائل حل کرنے کیلئے میدانِ عمل میں آئے اسکا اپنا معیارِ زندگی اسی طبقہ کی طرزِ بود و باش کے مطابق ہونا چاہیے)

نمبر شمار	سورۃ — آیات	پارہ	(26) مضامین
133	الفرقان — 26-31	19	روز قیامت — ملک الٰہی — کفار پر سخت ہوگا۔ ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا کر کہیں گے کہ کاش ہم نے رسولؐ کا ساتھ اپنایا ہوتا۔ (رسولؐ کا ساتھ ہے نجات) ظالم غلط رفاقتوں پر نادم و شرمندہ ہوں گے رسولؐ شکایت کریں گے کہ قوم نے قرآن کو چھوڑنے کے قابل بنا دیا تھا (یعنی قرآن سے ہدایت اخذ کرنے کی آرزو باقی نہ رہی تھی)
✱	(اچھی اور بری رفاقتوں کے اثرات روز قیامت عیاں ہوں گے		
	وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین —		
✓	اصول تضاد — تصادم		ہر نبی کیلئے مجرمین میں سے کسی نہ کسی کو عداوت پیدا کردی —
134	35-39	19	انبیاء کی نافرمانی کرنے والی قومیں تباہ ہو کر مٹ گئیں —
135	63-77	"	خدا کے بندوں کے اوصاف (مقبول بندوں کی خصوصیات)

وعباد الرحمٰن الذین (27)

1- متواضعانہ شان سے زمین پر چلنا ۔ (عزت و وقار کیساتھ) تکبر سے نہیں ۔
اور کسی پر ظلم و استحصال نہیں ۔ (محتاط زندگی)

2- عفو و درگزر ۔ (زیادتی سے صرف نظر کر جاتے ہیں)

3- رات کو سجود و قیام (عبادت گزاری) اور دعا و التجا بارگاہ خداوندی میں

4- انفاق ۔ بغیر اسراف و اقتار کے ۔ (نہ حد سے زیادہ نہ کم) بلکہ
اعتدال پر رہتے ہیں ۔

5- نفی شرک ۔ (کسی غیر کے سامنے جھکتے نہیں ہیں)

6- قتل نفس سے اجتناب ۔

7- زنا (بدکاری) سے اجتناب ۔

8- جھوٹی گواہی سے پرہیز ۔ (اجتناب عن الزور)

9- لغو اور لہو و لعب سے پرہیز ۔ (یہ خلاف متانت و شرافت)

10- آیات الٰہیہ سے سبق حاصل کرتے ہیں ۔ (چشم بینا رکھتے ہیں)

11- ازواج و ذریت (اولاد) سے انس و شفقت ۔

12- کثرت تقویٰ کی تمنا و کمال پرہیزگاری ۔

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (29)
[redacted]	«فافتح بینی وبینهم فتحاً ونجنی ومن معی من المومنین فانجینٰه ومن معه فی الفلک المشحون ثم اغرقنا بعد الباقین»			
139 ✓	ہود؏	ع 123 — 140	19	تکذیب قوم عاد - دعوت (انبیاء) - ہود علیہ السلام کی - انکار
				قوم کا جواب «وما نحن بمعذبین»
✗		(انبیاء کی معرکہ حق وباطل میں ظاہری شکست رہا ہے)		قوم کی تباہی - «فکذبوه فاهلکنٰهم!»
140 ✓	صالح	ع 141 — 159	”	قوم ثمود کی تکذیب - حضرت صالح کی دعوت - انکار - مخالفت - ہلاکت وتباہی
(145) Note اہم ذکر ہے		اونٹنی کا معجزہ - اونٹنی کی کونچیں کاٹنا - عذاب اور		
141 ✓	لوط	ع 160 — 175	”	قوم لوط کی تکذیب - دعوت - انکار اور دھمکی
		«ثم دمرنا الآخرین»	”	
142 ✓	شعیب	ع 176 — 191	”	اصحاب لئیکة کی تکذیب (مدین کے قریب بن تھا) (بن والوں کی تکذیب)
		«فاسقط علینا کسفاً من السماء ان کنت من الصادقین»		شعیب کی دعوت - انکار - تبلیغ - ہلاکت وتباہی

«ولا تخزنی یوم یبعثون»

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (28)
موسیٰ	الشعراء		19	موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس
136 مسئلہ	ع 16-17 اس مطالبہ کے لیے فرعون سے مناظرہ، مقابلہ اور مجادلہ (تنگ تاتب) ہوا		"	بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ (مقصد بعثت میں — بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانا شامل ہے) جس میں کامیابی —
137	ع 65 — 68		"	بالآخر موسیٰ کی کامیابی اور لشکر فرعون کی ہلاکت —
				(انبیاء اپنے مقاصد کی تکمیل میں ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں) یہ کامیابی انکی نبوتوں کی تصدیق ہوتی ہے — اور وعدہ الٰہی کا ایفاء
138 نوح مسئلہ	ع 105 — 122 قالوا انؤمن لک واتبعک الارذلون ٥		"	قوم نوح کی تکذیب — نوح کی دعوت. قوم کا طعنہ اور انکار، نوح کو دھمکی (قوم کی طرف سے)
	یعنی ظالموں کی ناکامی و فتح کی دعا کی —		قوم کی تباہی	نوح نے اپنے اور قوم کے درمیان واضح فیصلے

سبق (30)

× (موسیٰ، نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیبؑ) — ان تمام انبیاء کو قوم و ملک سے تعارف میں ظاہراً و باہراً نتیجہ دکھانا ہوا ۔ اور کوئی بھی نتائج کے اعتبار سے ناکام نہ ہوا ۔

• ہر نبی نے اپنی دعوت کے ساتھ یہ کہا کہ

" وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین "

• ہر دفعہ منکرین کی ہلاکت کے تذکرے کے بعد قرآن یہ الفاظ استعمال کرتا ہے " ان فی ذالک لآیۃ —— وان ربک لھو العزیز الرحیم "

× — (i) " وما اھلکنا من قریۃ الا لھا منذرون " ع 204

(ii) وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً ۔

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (31)
143	ع 208		19	ہم ڈر سنانے والے کو بھیجے بغیر کسی گاؤں کو تباہ نہیں کرتے۔ ✓ × (گویا منکرین کی ہلاکت پیغمبر کی بعثت قرار پاتی ہے)
	النمل		19	تلک آیات القرآن وکتاب مبین۔
144	ع 3	2	〃	ھدی و بشریٰ للمومنین الذین یقیمون الصلوٰۃ ۔۔۔
صالح 145 (back 140)	ع 45	53	〃	صالح کی دعوت قوم ثمود کو۔ حق و باطل دو گروہ بن گئے ✓ "فاذا ھم فریقٰن یختصمون" فانظر کیف کان عاقبۃ مکرھم انا دمرنٰھم وقومھم اجمعین۔
	× باطل کی تباہی			
لوط 146	ع 54	59	〃	لوط کی دعوت اور منکرین کی ہلاکت

مضامین	پارہ (32)	آیات	سورت	نمبر شمار
"قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المجرمین" (امم سابقہ کی تباہی سے سبق حاصل کرنا) — تاریخ ذریعہ عبرت ہے اور سرچشمہ حیات ہے۔	20	ع 69	النمل	147
"قرآن ان مسائل کا ذکر کرتا ہے جن پر انھوں نے اختلاف کیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ لیکن قرآن کا یہ بیان ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے" (اختلاف امتی رحمۃ) "ان ربک یقضی بینھم بحکمہ" (احقاق حق وابطال باطل)	"	ع 76-79 (اختلافی مسائل کا بیان اگر مثبت طریقے سے اظہار حقیقت اور رفع حجاب کی خاطر ہو تو ہدایت و رحمت ہے باعث عبرت ہو کر بھی رحمت [illegible])		148
"انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة" ۱۔ عبادت الٰہی (مکہ معظمہ کی مرکزیت) [illegible] ۲۔ فرمانبرداری۔ (ان اکون من المسلمین) ۳۔ تلاوت قرآن ۴۔ ہدایت ربانی — ہدایت — اہتداء جس نے راہ کو پالیا ۵۔ (ضلالت گمراہی) — بھی ممکن ہے۔	"	ع 91-93 "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا"	"	149
فرعون کا تغلب و مظالم۔ کمزور اسرائیلیوں کی مظلومیت و بے بسی ارادہ الٰہی [illegible]	"	ع 1-6	القصص	150

نمبر شمار	سورت	آیات (33)	پارہ	مضامین
151		ع 26 — 35 ع (زائد نمبر 22 سے شروع ہوتا ہے) (مخصوص تربیت) مشاہدہ سے یقین ملتا ہے ہارونؑ جو موسیٰؑ کے بھائی ہیں کو انکا معاون (وزیر) بنایا گیا اور انہیں بھی نبوت دی گئی — تب دونوں مصر بھیجے گئے دربار فرعون میں — انقلاب — (فرعون سے مقابلہ) اور بنی اسرائیل کی ہجرت و آزادی	20	موسیٰؑ کی بعثت ایک عظیم الشان مقصد کیلئے تھی — چنانچہ اس بعثت سے قبل تقریباً ۱۰ سال شعیبؑ کی تربیت میں رہے — دمِ عارف نسیم صبح دم ہے — اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے اگر کوئی شعیب آئے میسر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبال) چنانچہ بوقت بعثت موسیٰؑ کو دو نشانیوں کا مشاہدہ کرایا — ۱- معجزہ عصا — ۲- ید بیضا — (باعث اطمینان قلب ہو
152		ع 39 — 43 ع	"	فرعون کا غرور و تکبر — اسکی تباہی — ظالم اس دنیا میں اور آخرت میں دو مرتبہ لعنت و ہلاکت کا شکار ہوتا ہے سابقہ اقوام کی تباہی کی تاریخ — ... رحمت اور نصیحت ہے

درجہ	مضامین	پارہ	آیات	سورت	نمبر شمار
	وحی الٰہی سے بڑھ کر کوئی کتاب یا صحیفہ ہدایت نہیں دے سکتا۔ (یعنی منزل تک پہنچانے یا نتائج کے پیدا کرنے کی ضمانت مہیا نہیں کر سکتا)	20	ع ۴۹ - ۵۱	القصص	153
				"کتاب" - لائحہ عمل	
	ہدایت ربانی کو چھوڑ کر انسانوں کے ذہنی تراشیدہ لائحہ عمل کو اپنانا گمراہی ہے۔			"ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله"	
	"انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء"		ع ۵۶ - ۶۰		154
	منافق سمجھتے ہیں کہ ہدایت ربانی کی پیروی سے ہمیں ملک بدر کر دیا جائے گا۔			یہ طبقہ مادی نقصان کے اندیشے سے ہدایت ربانی کو نظر انداز کیے رکھتا ہے۔	
	دنیوی منافع و لقباتے پر فخر کرنے والوں کی تباہی۔				
	"لوگوں کے پاس رسول کے ذریعے ہدایت بھیجے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں کرتا۔		وما علینا الا البلاغ المبین	پیغمبرانہ ابلاغ و واعظانہ ابلاغ میں فرق	155
				پیغمبرانہ ابلاغ - تبلیغ ہوتا ہے - جس کی اطاعت - فلاح اور جس سے انحراف - ہلاکت رہتی ہے۔	
	بستیاں تباہ نہیں ہوتیں جب تک کہ اس کے باشندے ظالم نہ ہو جائیں۔			در مختلف ہو کر رہتا ہے۔	
				دلی لگن دعوت کی کامیابی ہے۔	

(33) "مرکزی مقام"

① • "وما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولاً —"

(عظیم دعوت مرکزی مقام سے ہی ممکن ہے)

② • وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمون.

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین
155	القصص	67	20	• مقصود زندگی فلاح ہے — • "فاما من تاب وآمن وعمل صالحاً فعسیٰ ان یکون من المفلحین"
156	القصص	76 — 84 (رد قارونیت) "قال انما اوتیتہ علیٰ علم عندی"	"	• قارون — سرمایہ و دولت — اسکا کبر و غرور، آخرت سے بے تعلق، فساد فی الارض (ظلم و استحصال) (سرمایہ داروں کی ذہنیت — کہ یہ سب دولت ہمارے ذاتی کسب و کمال کا نتیجہ ہے — لہذا ہم ہی اسکے غیر مشروط طور پر مالک ہیں) ✔
		77 "وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ" "واحسن کما احسن اللہ الیک"		• "اشد منہ قوۃ واکثر جمعاً" — 78 (سیاسی اقتدار — معاشی قوت) — دونوں کا بے دریغ اتباع —
79		"یلیت لنا مثل ما اوتی قارون"	(2 لغیات)	• عوام کی لغیات — طلب زر — ✔
		"قال الذین اوتوا العلم ویلکم" —		• دولت علم و فکر — مادی سرمایہ و دولت سے بے نیاز کر دیتی ہے — 80 ✔
	بہ عنوان جدید ہیں			

● قارون کا عبرتناک انجام - تباہی (36) زمین میں کبر و فساد کا انجام)
دنیوی انجام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے

"من جاء بالحسنة فله خير منها ـــــ ومن جاء بالسيئة فلا يجزى الذين عملوا السيئات الا ما كانوا يعملون"

* نیک و بد پر کوشش (عمل اور جد و جہد) کا انجام و نتیجہ جزا و سزا کا صحیح میں اسی دنیا (زندگی) میں مترتب ہو کر رہتا ہے "

مسلّمہ هر عمل اپنے نتیجے پر پہنچ کر رہتا ہے -

● هدیٰ ـــ ضلال دو راستے (لائحہ عمل) ہیں -
(من جاء بالهدیٰ ـــ ومن هو فی ضلال مبین) جد و جہد دو اصولوں پر ہو سکتی ہے - رہِ هدایت پر یا رہِ ضلالت پر - دو الگ الگ لائحہ عمل سے الگ نتائج

● "كل شىء هالك الا وجهه ـــــ" کامیاب دلیل اور حق کیلئے یہی ہے - باقی سب کچھ هالک لیعنی برباد ہونے والا ہے - (باطل بہتر ناکام ہونے والا ہے)

| صحیح *

نمبر شمار	سورت — آیات	پارہ	مضامین (37)
—	العنکبوت ۔		
157	ع 1 — 7 * فان اجل اللہ لآت * (لکل امۃ اجل — اور لکل اجل کتاب) * ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین	25 اجل تقدیر	(۱) ایمان کے بعد آزمائش شرط ہے ۔ * یقین کی پختگی اور تحقیق تجربہ، توثیق، آزمائش (علم) اور نتائج کی کسوٹی سے طے پاتا ہے ۔ (۲) گویا صدق کی پرکھ امتحان سے ہی ہو سکتی ہے عامل بالسوء بھی کبھی خاص انتقام سے گزرے گا (۳) ہر اچھے یا برے عمل کرنے والے کیلئے فیصلہ کی ساعت آنے والی ہے ۔ (۴) ہر شخص کی ہر کوشش اسکے اپنے نفع یا نقصان کیلئے ہی ہوتی ہے ۔ ذات حق اس سے بے نیاز ہے (۵) عمل صالح سے تکفیر سیئات ہوتی ہے ۔
158	ع 10 — 11	✓	علامت منافقت — دعوئ ایمان اور آزمائش و امتحان سے گھبرانا ۔ اسے عذاب سمجھنا ۔
159	ع 14 — 15	•	نوح کا 950 برس تبلیغ کرنا ۔ انکے اتباع کی نجات اور مخالفین کی ہلاکت
160 ✓	ع 18 + (پیغمبرانہ بلاغ مبین)		

نمبر شمار	سورت	آیات (38)	پارہ	مضامین
161	23	ظالم ... سے ہلاکت منسوب	20	خدا کی رحمت سے مایوسی (بے یقینی) صرف کفار کو ہی ہو سکتی ہے۔ اور ان کیلئے دردناک عذاب (عبرتناک انجام) ہے
162 Imp		29، 30، 31، 32، 33، 34، 35	"	لوطؑ کو انکی قوم نے عذاب پر چیلنج کیا انہوں نے دعا کی ــــ اور فرشتے کفار کو تباہ کرنیکے لئے آئے - لوط اور انکے اہل نجات پا گئے اور باقی سب تباہ ہو گئے -
		دعوت انبیاء کا اثر		
163 Imp		36 ــ 40 (ومنهم من اخذته الصيحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اغرقنا ــــ)	"	اہل مدین کی تباہی (شعیبؑ)، عاد و ثمود کی تباہی، قارون، فرعون اور ہامان کی تباہی

Imp

نتیجہ فکری کے لئے

(اولٰئک تلک الذنب)

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (39)
164	العنکبوت -	ع 45	21	رجوع الی الکتاب (قرآن)، اقامت صلوٰۃ، نماز کا ناہی عن الفحشاء و المنکر ہونا -
165		ع 51	″	قرآن رحمت اور نصیحت ہے -
166		ع 53 "ولیاتینھم بغتۃً وھم لا یشعرون"	″	"ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب" (اگر عذاب کی ساعت مقرر نہ ہوتی تو ابھی جلد عذاب (یعنی تباہی و ہلاکت) آجاتا -)
167		ع 58 — 59	″	صبر اور توکل کا اجر "نعم الاجر"
168		ع 64	″	حیات الدنیا — لھو و لعب ہے - اور دار آخرت اصل زندگی ہے -
169		ع 67 — 69 "أفبالباطل یؤمنون وبنعمۃ اللہ یکفرون"	″	باطل پر یقین اور حق کی نسبت بے یقینی و مایوسی (خدا کی لعنت)
		(مومنانہ بے یقینی اور کافرانہ یقین)		افتراء علی اللہ یا تکذیب حق — کفر ہے - (حق کے نتیجہ خیز ہونے پر شک) کفر ہے - اور باطل کی نتیجہ خیزی کا یقین کفر ہے
″		"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا - وان اللہ لمع المحسنین -"	—	راہ حق کی جدوجہد — یقیناً نتیجہ خیز ہوتی (ہے) - اہل حق کو خدا کی معیت کامل سے ہوتی ہے

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (۶۵)
۱۲۵	الروم	۱ - ۱۵ (لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ)	۲۱	(i) رومیوں کی شکست کا ذکر (ii) رومیوں کے دوبارہ غالب ہونے کا وعدہ (iii) مدت کا تعین (دوبارہ غلبہ کیلئے)
		یہ چیزیں حادثاتی ہیں۔ بلکہ خدائی قانون و ضابطہ کے مطابق ہوتی ہیں۔		(iv) شکست و غلبہ دونوں خدائی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ (v) خدا کا وعدہ (دعوی) برحق ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ (وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ)
		و خلق اللہ السموات والارض وما بینہما الا بالحق و اجل مسمی — اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم "		(vi) دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کا تقابل (vii) کائنات کی تخلیق اور اسکا نظام حق ہے (یعنی ایک باقاعدہ اصول ضابطہ اور منصوبہ کے امر کے تحت ہے)
اٹل فطری قانون		کائناتی قانون نشوونما اور تاریخی قانون تضاد (عروج و زوال کا)		(viii) تاریخ امم کا مطالعہ ایک خاص زاویہ نگاہ سے کیا جائے۔ (اقوام سابقہ کے عروج و زوال کے احوال ایک باقاعدہ اصول کی نشاندہی کرتے ہیں۔)

٥٩٠ (٤١)

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین
171	30	32	21	دین حق سے اصلاح وابستہ ہے جاؤ کر ہر باطل سے اپنا علاقہ منقطع کر لو۔
	فطرت بالقوۃ فطرت بالفعل			اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی فطرت پر پیدا کیا۔ رجوع الی اللہ، تقویٰ، اقامت صلوٰۃ، اجتناب شرک اجتناب تفرقہ،
172	38	39	"	انفاق مال (یہ مال دنیا حقداروں کو ان کا اپنا حق دینا ہے)
	"قد افلح من تزکیٰ"			خدا کی رضا کا یہی طریقہ ہے۔ فلاح بھی اسی طرح ممکن ہے۔
	عادلانہ اور مستحکم معیشت کا اصول			سود سے معیشت تباہ ہوگی اور خیرات و صدقہ سے معیشت اور وسیع ہوگی۔
173	41	45	"	خشکی و تری میں تمام شر (بگاڑ) فساد انسانوں کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ (الزام خدا پر لگانا غلط ہے) امم سابقہ کے انجام کے مطالعہ کی تلقین۔ مقررہ دن کے آنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لو (اخلاص فی الدین پیدا کر لو) کفر اور عمل صالح ہر ایک صلہ مل کر رہے گا
174	47			
	سابقہ انبیاء روشن دلائل لیکر آئے اور اہل باطل (مکذبین) کو اسی دنیا میں ہی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ مومنین کی مدد کرنا خدا کی ذمہ داری ہے۔ "وکان حقاً علینا نصر المؤمنین"			

		21	(42)
175	58 — 60	״	• قرآن نے لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثل (نمونہ) بیان کیا ہے۔ • خدا کا وعدہ (نصرتِ الٰہی اور دینِ حق کے غلبے کا وعدہ) حق ہے۔
	لقمان ۱	21	
176	1 — 6 (محسنین کی تعریف) "ان الشرک لظلم عظیم"	״	• قرآنی آیات — حکمت، ہدایت اور رحمت ہیں محسنین کیلئے۔ • محسنین کی تعریف جو اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، اور ایمان بالآخرۃ سے بہرہ ور ہوں۔ یہی لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں۔ • قرآن کے بدلے لھو الحدیث (باطل بات) کا پیرو ہونا — ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔
177	13 — 15 (واتبع سبیل من اناب الیّ)	״	• اجتنابِ شرک کا حکم، احسان بالوالدین کا حکم • اور اھل اللہ کی پیروی کا حکم۔
178	16 — 20 (حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں) ✱	״	• برائی اور ظلم مستعد ہو اور چاہے ہو خلا میں پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ ضرور اپنے انجام کو پہنچے گا (یہ برائی سے اجتناب کی تعلیم) ✱

نمبر شمار	سورت	آیات 43	پارہ	مضامین
179	(ع 16—20)	"ان ذالک من عزم الامور" ← تیوری چڑھانا	21	④ اقامت صلوٰۃ ⑤ امر بالمعروف ⑥ نہی عن المنکر۔ ⑤ صبر ⑥ ممانعت تصعیر خد (کسی کو حقیر سمجھ کر رخسار و پیشانی کو کج کرنا) ⑦ اترا کر چلنے کی ممانعت (تکبر و غرور کی ممنوعیت) ⑧ اقتصاد فی المشی کی تعلیم (میانہ چال چلنا) ⑨ غضض صوت (آواز کا دھیما اور پست رکھنا) کی تعلیم۔ ⑩ خدا کی نعمتوں کو یاد رکھنا اور اسکا شکر بجالانا
180	ع 22	"فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ" "مضبوط رسّی کو تھامنا" "و الی اللہ عاقبۃ الامور"	"	خالصۃً خدا کی طرف جھکنا (تمام دنیوی حرص و ہوا سے پاک رہنا) اور محسن رہنا (پرہیزگاری) پس یہ تمسک بالعروۃ الوثقیٰ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔
181	**السجدہ** ع 1—3	تاکہ مشہود و لقب الیقین کی معرفت ہو، اور اسکا حصول ممکن ہو	21	"تنزیل الکتاب لاریب فیہ من رب العلمین —" یہ رب کی طرف سے حق ہے - قرآن کے ذریعے عالم اقوام کو ڈرسنایا جائے، تاکہ انھیں ہدایت نصیب ہو۔

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (٦٦)
182	ع 16 - 15		21	اہل ایمان کے اوصاف: سجدہ، تسبیح و تحمید، تواضع (وہم لا یستکبرون) شب بیداری (عبادت نیم شبی) خدا سے خوف و امید، انفاق فی سبیل اللہ۔
183	ع 28 - 30 "قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم"			"ویقولون متی ہذا الفتح ان کنتم صدقین" فیصلہ کن گھڑی — حق و باطل کے درمیان انجام و نتیجہ کے اعتبار سے واضح امتیاز قائم کر دیگا۔
	الاحزاب۔		21	
184	ع 1 - 3			تقوی کی تعلیم، کفار و منافقین کی مخالفت (یا ان کی پیروی نہ کرنا)، اتباع وحی، توکل علی اللہ، اور خدا کے کافی ہونے پر یقین
185	ع 6 - 27	صلہ رحمی مقدم ہے		(١) نبی اکرمؐ مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ مالک (قریب تر) ہیں (باپ ہیں) (٢) ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ (٣) عام مسلمانوں کی نسبت مسلمان رشتہ دار زیادہ قریب ہیں۔

مضامین (65)	پارہ	آیات	سورت	نمبر شمار
④ میثاق انبیاء ۔ (لیسئل الصادقین عن صدقهم) کہ تمام اہل صدق کے صدق کی پرکھ ہوگی ۔ (امتحان و آزمائش اور تجربات زندگی کے ذریعے سچائی کو پرکھا جائیگا) ۔ (یہ تمام انبیاء سے وعدہ لیا گیا ہے)				X
⑤ حق و باطل کے معرکہ میں غیبی طور پر نصرت الٰہی خدا کی سنت ہے ۔				
⑥ کفر و طاغوت کی انتہائی سخت طاقت سے ٹکر ۔ مسلمانوں کا امتحان ہوتا ہے (ھنالک ابتلی المؤمنون و زلزلوا زلزالاً شدیداً) ۔				X غزوہ احزاب
⑦ منافقوں کی نفسیات ۔ 1 بزدلی، 2 دھوکہ اور 3 طعنہ زنی، اور 4 دوسروں کو بھی جہاد سے روکنا، 5 مال و دولت کا لالچ (مال غنیمت کی طمع) 6 دل سے لشکر کفر (یا طاغوتی طاقت) سے ہمدردی ۔ لیے (جہاد سے فرار ۔ گھر کی محبت و حفاظت کا بہانہ) کالذی یغشی علیہ من الموت				X ہوسف
⑪ اللہ تعالیٰ اہل حق کیلئے معرکہ حق و باطل میں کافی ہے				X ہوسف
⑧ اسوۂ حسنہ حضورؐ کی ذات گرامی ہے ۔				
⑨ اہل ایمان کفار کی سختیوں سے مزید اپنے ایمان کو پختگی دیتے ہیں ۔				
⑩ آزمائش کے بعد اہل حق کو صلہ و انعام اور اہل باطل کی تباہی و ہلاکت (اور شکست)				

* من المؤمنین رجال
23

(نتیجہ خیزی کی ضمانت)
25

نمبر	سورت	آیات	پارہ	مضامین (46)
186	الاحزاب	ع 35-36	22	• اہل ایمان کے اوصاف — اسلام، ایمان، قنوت (فرمانبرداری)، صدق، صبر، خشوع، تصدق (صدقہ و خیرات کرنا)، صوم، حفاظت فروج، ذکر الٰہی • ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے، خدا اور رسول کا فیصلہ حتمی و قطعی ہے — اسکے بعد کسی کو راے زنی کا حق نہیں — یہ گناہ اور گمراہی ہے —
187		ع 40 (ختم نبوت اور مفہوم رسالت اور تکمیل دین) *		آیت ختم نبوت — "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما"
(187-A)		آیت 43		اللہ تعالیٰ مومنوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے، انکیلئے رحمت بھیجتا ہے
188		ع 45 — 48 **سوال.** اگر نتائج کی ضمانت نہ دے تو کافی کارساز کا کیا مطلب ہے؟		• نبی اکرمؐ — ۱ شاہد، ۲ مبشر، ۳ نذیر، ۴ داعی، اور ۵ سراج منیر ہیں • کفار و منافقین کی راہ چلنے سے احتراز، انکی ذاتی ایذا رسانی سے صرف نظر، اور توکل علی اللہ اور خدا کا کافی کارساز ہونا
189		ع 56-58		• اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا نبی اکرمؐ پر صلوٰۃ بھیجنا اور مومنوں کو حکم صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا۔ (نمبر 43 سے تقابل کیجیے) • خدا و رسول کو ایذا دینا دنیا و آخرت کیلئے لعنت و عذاب • ایذائے مومنین کی ممانعت و مذمت

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (67)
190	ع 60 - 62	ملعونین اینما ثُقِفُوا اُخِذُوا وقُتِّلوا تقتیلاً	22	اگر منافق (فساد پرست طبقہ) اپنے نفاق اور جھوٹ سے باز نہ آئیں تو اپنی تشفیہ میں لے لیا جائے (سنگسار کر لیا جائیگا) اور قتل کیا جائیگا۔ (یعنی موت سے دیا جائیگا)
*		(اللہ تعالیٰ اہل حق کو بالآخر غلبہ و فتح عطا کرتا ہے)	جسد	خدا کی سنت (وطیرہ) بدل نہیں سکتا۔
191	ع 70 — 73		"	ایمان، تقویٰ، قول سدید (سیدھی بات) (کھری بات)
				عملی — اصلاح اعمال اور مغفرت ذنوب
*		رسول کی پیروی سے عظیم کامیابی نصیب ہوتی ہے		اطاعت اللہ والرسول — عملی "فقد فاز فوزاً عظیماً" — (عظیم کامیابی)
			جسد	انسان کا امانتِ الٰہی کو اٹھانا۔ (خلافت ارضی) — (امانت اور اسکی ذمہ داری کو انسان نے قبول کر لیا)
				منافقوں اور مشرکوں کو عذاب، ہلاکت اور مومنوں کو بخشش و کامیابی —

	سورت	آیات	پارہ	مضامین (۴۸)
192	السبا	6	22	اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن ہی حق ہے اور منزل مقصود کیلئے کافی ہدایت ہے۔
193	"	28—30	"	رسالت محمدیؐ تمام نسل انسانی کیلئے ہے۔ تبشیر و تنذیر اسکے دو پہلو ہیں۔
		ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صدقین		اہل باطل ساعتِ موعودہ کی نسبت سوال کرتے ہیں۔
				اس دن کیلئے (فیصلہ کن گھڑی) ایک میعاد (مقررہ مدت) ہے۔ اسکے آگے پیچھے ہونیکا کوئی امکان نہیں۔
194	"	31—39	"	① ظالم اہل باطل قرآن کا کھلا انکار کرتے ہیں۔ (بلکہ علم بالوحی کا)
		⑤ یعنی اہل باطل اپنے اعمال سیئہ کا انجام بھگت کر رہینگے۔		② اپنا عبرتناک انجام دیکھ کر ایک دوسرے کو گمراہی کا الزام دینگے اور ذمہ دار ٹھہرائینگے۔
مترفین		⑥ انکار کفر کا آغاز ہمیشہ وڈیرے طبقے (سرمایہ داروں اور جاگیرداروں) کی طرف سے ہوتا ہے		③ کمزور طبقہ وڈیروں کو ساری ہلاکت و ضلالت کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ وہ اپنا دامن صاف کرنا چاہینگے۔
		⑦ مال و دولت کا نشہ انہیں حق سے منحرف کرتا ہے		④ دونوں طبقات نادم و شرمندہ ہونگے
		(زنجیروں میں جکڑے جائینگے) ←		غلامی میں مبتلا ہونگے

(69)

⑧ ایمان اور اعمال صالحہ (شئ کا جزاء بعید) کا دوگنا صلہ ملے گا۔

یعنی آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی نتائج (نتیجہ) موعودہ میسر آئیں گے۔

(فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملو —)

⑨ آیات الٰہیہ (خدائی وعدوں) کو غلط اور ناکام ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے ہلاکت کا شکار ہونگے۔ (والذین یسعون فی آیتنا معٰجزین —)

⑩ رزق کی کمی بیشی خدا کی طرف سے ہے۔ (کسی کا (رزق) چاہے تو وسیع کردے، (فراخی اور تنگی) کسی کا چاہے تو ضروریات تک محدود رکھے۔ یہ خدا کے منصوبہ قدرت میں ہے۔ لیکن وہ کسی کو محروم رزق نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہو تو سمجھیں کہ لوگ خدائی احکام کی خلاف ورزی کے ذرائع دوسروں کا استحصال کر رہے ہیں۔ خدا رزاق بھی ہے)

⑪ خرچ کرنے کا بدلہ لعہ جزا ضرور ملے گی۔ (وھو خیر الرازقین)

حق اللہ تعالیٰ رب کی طرف سے ہوتا ہے۔ (علم بالوحی سے حق ملتا ہے) حق کی پہچان یہ ہے کہ وہ آئے تو باطل جڑ سے ختم ہو جائے اور کبھی لوٹ کر آنے کے امکانات بھی نہ رہیں۔	22	48-49، (قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید) (باطل نہ رہے تو حق، حق ہی نہ) (جاء الحق وزھق الباطل - ان الباطل کان زھوقا)

195

نمبر شمار	سورت — آیات	پارہ	مضامین (50)
196	فاطر ع 2 * خدائی فیصلہ و ارادہ حق ہے۔ وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ کوئی مخالف طاقت یا لاؤ لشکر اس میں رد و بدل نہیں کر سکتا	22	• اگر اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت کرنا چاہے (کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہے) تو کوئی روک نہیں سکتا۔ • اگر وہ کسی سے اپنی رحمت و فضل روکنا چاہے (ناکام اور شکست خوردہ کرنا چاہے) تو کوئی اسکا اجراء نہیں کر سکتا۔ وہ عزیز و حکیم ہے۔
197	ع 8 — 4 انّ وعد اللہ حق ← انّ الشیطٰن لکم عدوٌ فاتخذوہ عدوًا ←	"	• اہل باطل کی تکذیب سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ • وعدۂ الٰہی حق ہے وہ پورا ہو کر رہیگا۔ • دنیوی زندگی (جاہ و منصب اور سرمایہ و دولت) پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ • شیطان اہل حق کا دشمن ہے۔ اور اسے دشمن سمجھنا ہی چاہیے۔
198 Imp	ع 10 • عزت و غلبہ سب اللہ کے پاس ہے اور اسی سے چاہو ◎ پاکیزہ کلام اسکی بارگاہ تک پہنچتا ہے۔ اور نیک کام (پاکیزہ جدوجہد) آدمی کو بلند کرتا ہے۔ منزل مقصود سے قریب کرتا ہے		• ایمان اور عمل صالح ← مغفرت اور اجر کبیر • اہل باطل کو اپنے برے اعمال (بری کوششیں) اپنی نظر میں اچھے لگتے ہیں۔ • ہدایت و ضلالت — دو الگ الگ راستے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے متعین ہیں۔

(51) "الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ"

- الکلم الطیب ← پاکیزہ اور مخلصانہ پروگرام ۔ عزم وارادہ لعد مقصود
الیہ یصعد ۔ بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوتا ہے ۔ اور اسے تائید غیب ہوتی ہے
قبولیت

- العمل الصالح ← اس پروگرام کے مطابق اگر اسی یقین سے مخلصانہ جدوجہد بھی کی جائے تو "یرفعہ" وہ اس مجاہد کو بلند کردیتی ہے ۔ یعنی منزل مقصود کے قریب پہنچا دیتی ہے ۔

ان دونوں اصطلاحات کا مفہوم اس آیت کے پہلے حصے کے حوالے سے سمجھا جائے

"من کان یرید العزۃ فللّٰہ العزۃ جمیعاً" ۔
(غلبہ) (غلبہ)

- برے داؤ چلنے والے (باطل طاغوتی عزائم کیلئے جدوجہد کرنیوالے)
※ (اپنے پروگرام ہی کے نتیجے میں برباد ہو جاتے ہیں)

- "ومکر اولئک ھو یبور" یعنی باطل کے پروگرام میں ہی تباہی کی علامات ہے ۔ (وہ انہیں برباد کر دیگا) جس طرح العمل الصالح میں کامیابی کی ۔

نمبر شمار	سورۃ	آیات	پارہ	مضامین ﴿و﴾
199		ع 17 - 16	22	• اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ایک قوم کو مٹا کر (محکوم کر کے) دوسری قوم کو غلبہ دے دے۔ اس پر یہ کام قطعاً دشوار نہیں۔ (ان یشأ یذھبکم ویأت بخلق جدید ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز)
*		غلبہ و زوال کا عمل اتفاقیہ و حادثاتی نہیں بلکہ باقاعدہ خدائی ارادے سے واقع ہوتا ہے ←		
200 مسئلہ		ع 26 - 24	١	• رسالت محمدیہ — تبشیر و تنذیر دونوں پر مشتمل ہے
			٢	• ہر طبقہ کی طرف (پیغمبر انقلاب) اہل حق کیلئے بشارت / اہل باطل کیلئے ہلاکت
				• ڈرسنا ہو اللہ [illegible] آیا ہے۔
١		• تکذیب کرنیوالے گرفت میں آگئے۔	٣	• اہل باطل کا تکذیب کا عبرتناک انجام۔
		اور انبیاء کی تکذیب کے باعث سابقہ تباہ و برباد ہوگئے	٤	• انبیاء و رسل سابقہ امم کے پاس جو بینات (روشن دلائل) زبر (صحائف) اور کتب منیر (روشن واضح کتاب — لائحہ عمل) کیکر آئے۔
کتاب منیر — نتیجہ خیز پروگرام				
		(جنکی اطاعت سے فلاح اور		انحراف سے تباہی — یہ نتیجہ پیدا ہو کر رہتا)
201		ع 29 - 30	٤	• تلاوت کتاب، اقامت صلوٰۃ، انفاق (سری و جہری) اس تجارت میں قطعاً نقصان نہیں۔
دوا مسئلہ		(اجر — فضل) غفور — شکور • مغفرت، قدر کرنیوالا (یہ اجر تو اجرت کا ہے) قدر اگر دنیا میں نہ ہو — ذلت ہو تو وہ		• اللہ تعالیٰ انہیں مکمل اجر دیگا اور مزید فضل کریگا شکور نہیں رہتا۔

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (35)
202	ع	39	22	• خلافت ارضی (غلبہ واقتدار) اللہ تعالیٰ دیتا ہے • اس کے بعد جو کوئی کفر کرے تو خود اسے کی اسکی بیزاری اور نقصان میں اضافہ ہوتا ہے۔
*	غلبہ و اقتدار ایک نعمت ہے مگر ساتھ آزمائش بھی ہے۔			(پچھلے لوگ — یہود و نصاریٰ کے حال کو دیکھ کر)
203	ع	42 - 45	"	• کفار مکہ (قریش) نے قسمیں کھائیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آیا تو ہم اس کا پیروی کریں گے۔ • لیکن بعثت محمدی پر عہد شکن رہے — وعدہ پورا نہ کیا • نفرت، غرور اور فریب کرتے رہے
*	فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا »			• وہ پہلی امتوں کا انجام دیکھیں — • خدائی ضابطے بدل نہیں سکتے —
	(اور کوئی بھی نہ بچے)			• اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اہل باطل (ظالموں) کو بربرائی اور ظلم پر پکڑ کر تباہ کر سکتا ہے سب کو نیست و نابود کر دے لیکن وہ ہر ایک کو مقررہ ضابطے اور اوقات عمل کے مطابق فیصلہ کن ساعت تک ڈھیل دیتا ہے
*	تاکہ لوگ خود اپنے انجام کو دیکھتے رہیں۔ مقررہ قانون کے مطابق			

نمبر شمار	سورت / آیات	پارہ	مضامین (54)
204	یٰسین - آیات ۱-۶	22	قرآن حکمت والی کتاب ہے۔ حضورؐ مرسل ہیں۔ اور سیدھی راہ (صراط مستقیم) پر ہیں جو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ یہ تنزیل برائے انذار ہے۔
205	" آیت 47	23	اہل باطل کسی نا گہانی مشکل رفع کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس سلسلے میں خدا کی تقدیر کو بہانہ بنا کر اپنی جان انفاق سے بچانا چاہتے ہیں۔
206	آیات 69-70 Imp.	"	پیغمبرانہ فرمودات اور قرآنی دعاوی شعر (شاعرانہ تعلی) نہیں بلکہ واضح حقیقت ہیں۔ البتہ اہل باطل پر حق واضح اور ثابت ہو کر رہے گا۔
※ "	قرآنی دعاوی نتیجہ خیز ہیں اور ان کی حقانیت واضح ہو کر رہے گی۔		
207	آیات 71-73	"	فلسفہ ملکیت - (اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی تخلیق کردہ اشیاء پر اسلیئے مالک بنایا کہ وہ ان سے مختلف منافع حاصل کریں اور شکر بجا لائیں
※	ملکیت - برائے انتفاع و شکر		

← (اہل حق کی فتح و غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے) ※

نمبر شمار	سورت آیات	پارہ	(55) مضامین
208	الصّٰفّٰت ۔ ع 75-92 دنیوی کامیابی، بقا، سلامتی یہ بھی جزائے الٰہی ہے	23	حضرت نوحؑ — معرکۂ حق و باطل میں کامیابی دنیا کی تعمیر (بقا) اور سلامتی بھی خدا کی نعمت ہے۔ اور یہ خدا کی طرف سے نیکی کی جزا ہے (ونجینٰه واهله من الكرب العظيم وجعلنا ذريته هم الباقين وتركنا عليه في الآخرين سلام على نوح في العالمين انا كذالك نجزي المحسنين) ثم اغرقنا الآخرين
209	ع 98	〃	(فارادوا به كيدًا فجعلناهم الاسفلين) اہل باطل کے داؤ کو ناکام بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو کامیاب کر دیا۔
210	ع 100-111	〃	حضرت ابراہیمؑ کی دعا اولاد کیلئے، فرزند کا عطا ہونا، اور خدا کی رضا کیلئے اسے قربان کرنا، امتحانِ صبر
211	ع 114-122 (دنیوی غلبہ بھی خدا کی طرف سے جزا ہے۔ جو بعض انبیاء کو عطا ہوتی رہی)	〃	موسیٰ و ہارونؑ کی کامیابی و غلبہ اور اہل باطل کی شکست و ناکامی — (انا کذالک نجزی المحسنین) جزا محض جزائے اخروی ہی نہیں ہے۔
212	ع 133-138		لوطؑ کی کامیابی اور گمراہ قوم کی ہلاکت ۔
213	ع 171-173	〃	ہمارا وعدہ پہلے انبیاء کی طرف بھی نازل ہوا تھا کہ بے شک اہل حق کی ہی مدد ہوگی اور ہمارا ہی لشکر (غالب آئیگا)

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (56)
214	ص	1-8	23	• ذکر والے قرآن کی قسم - کفار تکبر اور مخالفت حق میں ہیں • پہلی اقوام کی تباہی - کفار کا حضورؐ کو جادوگر کہنا - • توحید الٰہ سے انکار پر تعجب، حضورؐ کی تبلیغ و سعی (توحید) کو کسی خواہش و طمع کا نتیجہ سمجھنا • قول رسولؐ کو اختلاق قرار دینا - (نری من گھڑت) • کفار کو اپنی دنیوی عزت پر ناز تھا - اور حضورؐ پر طعنہ کہ ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر وحی نازل ہوئی ہے
215	"	12-40	"	• قوم نوحؑ، عادؑ، فرعون، ثمودؑ، لوطؑ، شعیبؑ کی تکذیب اور انکا عبرتناک انجام - • داؤدؑ کو دنیا میں مضبوط سلطنت، حکمت و دانائی اور قول فیصل (فصل الخطاب) عطا فرمایا گیا
(i)	دنیوی اقتدار (داؤدؑ) (وشددنا ملکہ وآتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب)			
(ii)	"یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق"			• سرمایہ داروں کا فساد پرستانہ اور استحصالی ذہنیت 26
	کائنات کو کسی مقصد، اور ضابطہ و قانون سے خالی سمجھنا کافرانہ گمان ہے			• کائنات کی تخلیق با مقصد ہے، اور با ضابطہ ہے (Creation by Chance کے تصور کی نفی)
✓	• سلیمانؑ کو دین حق کے غلبہ کیلئے لازوال دنیوی نعمتیں دی گئیں			• مومنین <> مفسدین / متقین <> فجار — ایک جیسے نہیں ہو سکتے
✓	• دنیا یاد خدا سے غافل نہ کرے تو دنیا داری میں ہرج نہیں			• سلیمانؑ کی سلطنت کا ذکر — یہ خدا کی نعمت و عطا ہے

نمبر شمار	سورۃ	آیات	پارہ	مضامین (57)
216		87	23	ص اِن ھو الا ذکر للعلمین - عالمی ہدایت۔
217	الزمر	1-3	″	• خدا غلبہ و حکمت والا ہے جس نے قرآن نازل کیا۔ • اخلاص فی الدین کی تعلیم۔ • مشرک کیلئے کوئی بھی وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔ • جھوٹا اور ناشکرا ہدایت سے محروم رہتا ہے۔
218		9-12 وارض اللہ واسعۃ	″	• فرمانبردار اور نافرمان، جاننے والا اور انجان برابر نہیں ہو سکتے۔ • اہل حق کیلئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے
219 ✓		17-18	″	• اخلاص فی الدین کی تعلیم۔ اجتناب عن الطاغوت اور انابت الی اللہ والوں کیلئے بشارت اور ہدایت۔
220		22	″	• انشراح صدر اسلام کیلئے - فھو علی نور من ربہ • جس کا دل یاد خدا سے غافل ہو گیا - وہ گمراہی پر ہے
221		25-28	″	• اقوام سابقہ کی تکذیب اور انجام بد • اہل باطل کو دنیا اور آخرت میں الگ الگ عذاب • قرآن میں ہر چیز کی تفصیل بیان ہوئی ہے تاکہ توجہ پیدا ہو

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (کالم)
221	الزمر	32-37	24	• ظلم — کذب علی اللہ اور تکذیب بالصدق • تقویٰ — تمسک بالصدق اور تصدیق صدق (دعوت الی الصدق) • جزاء و انعام — تکفیر سیئات (خطایا) • الیس اللہ بکاف عبدہ —
		و من یضلل اللہ فما لہ من ھاد و من یھد اللہ فما لہ من مضل		
222		41		نزل الکتاب بالحق — ھدایت و ضلالت پر منحصر
223		53-55		① اپنے اپنے نفس پر ستم کرنا — خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا ② انابت الی اللہ اور ④ تسلیم و اطاعت کامل — ہلاکت و عذاب سے پہلے ③ اتباع ما انزل
		پارہ 24 تک کی تلخیص		
				یوم قیامت (اہل نار اور اہل جنت کا اپنے اپنے مقامات تک جانے کا منظر)
224	المومن	1-9		• قرآن کا تعارف "منزل" کے حوالے سے " العزیز [1] العلیم [2] غافر الذنب [3]، قابل التوب [4]، شدید العقاب [5] ذی الطول [6] توحید [7] (الوہیت و ربوبیت) • آیات اللہ میں جھگڑا (انکار) اہل کفر (باطل) کا شیوہ ہے

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (59)
			24	اہل باطل کی ظاہری شان و شوکت سے اہل حق کو متاثر نہیں ہونا چاہیے۔
✗ مؤمن		وعدہ اللہ باطل کو شکست دینے اور حق کو غالب کرلینے سے ہی پورا ہوتا ہے		قوم نوح اور دیگر طبقات کا تکذیب ✓ ہر باطل گروہ کا ارادہ یہ ہوتا تھا کہ حق کو مٹادیں (یا ناکام کردیں) اور باطل کو سہارا دیتے رہیں۔
		وکذلک حقت کلمت ربک علی الذین کفروا		قدرت نے تمام اہل باطل کو مٹا دیا اور دوسری طرف کلمات خدا حق ثابت ہوئے۔
		(مومنین کیلئے فرشتوں کی دعا)		اہل حق (مومنین) کیلئے حاملانِ عرش کی دعا
225 ✗	14	یہ سیاسی گرالیت میں قدم رکھنا ہے۔ لوگ آسانی سے حقیقت میں مسلمان ہونا	״	اگر خدا کی بندگی و اطاعت اور اخلاص فی الدین میں اہل باطل کی [illegible] طرف سے مخالفت و مزاحمت پیدا نہ ہو تو یہ اخلاص فی الدین نہ ہوگا۔
226 ✗	21 - 27	جابر و مستبد سرمایہ داری اور کنگالوں کی نفسیات	״	اقوام سابقہ کی ہلاکت و تباہی۔ حضرت انبیاء کے انکار کے سبب تھی۔ فرعون، ہامان اور قارون کو حضرت موسیٰؑ کی دعوت (لکم تبایعونہ علی حرب الاحمر والاسود من الناس) بیعت عقبہ ثانیہ

نمبر شمار	سورت	آیات	پارہ	مضامین (60)
227	المؤمن	58	24	جاہل و عالم اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے ۔
228	"	81-85	"	امم سابقہ کی تباہی، دعوت انبیاء کی تکذیب کے سبب تھی ۔ اور یہ اصول الٰہی ہے کبھی بدلا نہیں کرتا ۔ ← سنت اللہ التی قد خلت فی عبادہٖ ۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول نہیں
229	حٰم السجدہ	5-6-7	"	ہدایت ربانی قبول نہ کرنے کے مختلف بہانے ۔ اپنے اور رسول اکرم کے درمیان رکاوٹ و مغایرت کا الزام کہ کیسے آپکی اطاعت کریں ۔ **جواب** کہ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں ـــ کہ میری بات نہیں سکو اور مجھے دیکھ کر میرا اتباع کر سکو ـــ "مثلکم انما انا بشر"
230	"	13-14-18	"	قوم عاد و ثمود کی تکذیب و تکبر اور عبرتناک انجام اور اہل حق کی نجات دکھایا
231		30-36		(1) کلمۂ حق بلند کرنا ۔ اور اس پر استقامت (2) تنزل ملائکہ ۔ امداد اور بشارت (3) دنیا اور آخرت دونوں میں سعادت

مضامین (61)	پارہ	سورت آیات	نمبر شمار
④ دعوت الی اللہ — عمل صالح — سب سے بڑی بات ہے	24	قول و عمل میں مطابقت (و یکجہتی)	✓
⑤ حسنہ اور سیئہ میں واضح امتیاز (خیر و شر اور حق و باطل ایک جیسے نہیں ہو سکتے)			
⑥ عفو و درگزر کی تعلیم — (احسان) سے عداوت — دوستی میں بدل جاتی ہے (انتقام نہ لینا — صاحب عزیمت ہونا)	✗	مگر یہ دولت بہت بڑا نصیب ہے جو صرف صبر والوں کو ملتا ہے	✗
ہدایت ربانی کتاب عزیز ہے (یقینی لائحہ عمل اور (Guaranteed Programme) لیل باطل کسی کا نہیں ہے) جو اس لائحہ عمل کو ناکام ثابت نہیں کر سکتے۔	✓	41-42 ان کلیے بجا ڈ کا کوئی راستہ نہیں ہے	232 Imp. ✗
	25		233

ضمیمہ نمبر ۲

قرآنی فلسفہ انقلاب (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)

فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون ②

قراءة في فلسفة التطاب

محمد طه الكرداشي دري

(2)

لیکن سوال یہ ہے - عمل کیوں چھوڑا ؟

اسلیئے کہ جب مطلوبہ نتائج زندگی میں (اسلام پر عمل سے) حاصل ہونا بند ہوگئے
مسلماں کی بے تاثیری - اور مالک کی دین پر یقین کا تصور نہیں ہوا۔

وہ مؤثرات کیا ہیں جنہوں نے اسلام کے مثبت نتائج کے لحاظ سے مایوسی
سے ہوا ؟

(زندگی کے بنیادی تصورات میں تغیر)

زوال کو ختم کرنے کیلئے انداز فکر میں تبدیلی درکار تھی۔

مؤثرات دو ہیں

(۱) غلبۂ باطل — حق کے مقابلے غلبہ کا ختم ہو جانا.
(۲) نظری علمی و عملی زندگی میں بنیادی تصورات میں تغیرات کا رونما ہونا

دو طرح کے انقلاب درکار ہیں

۱۔ سیاسی انقلاب
۲۔ فکری انقلاب

ادائیگیٔ فرائض — Demand of Rights

● معاشرت ۔ (3) ایسی انسانی اجتماعی زندگی جو مطالبۂ حقوق کے بجائے ادائیگیٔ حقوق یا [illegible] کے اصول پر حرکت پذیر ہو اور اسکی اساسی وحدت محض شریعتِ اسلامیہ ہو۔

۱۔ Socialism، معاشی مفاداتی، بالکلیۃ انسانی مفاداتی،
۲۔ Capitalism، جغرافیائی مفاداتی (وطنیت)، وغیرہ۔

"اسباب و محرکات اور اساسی تغیرات و مؤثرات جنکے باعث عالمی سطح پر اسلام کی اجتماعی قوت زوال پذیر ہوئی۔"

تعلیمی زندگی ۔ مروجہ علوم ۔

۱۔ سیاسیات کا مسئلہ
۲۔ معاشیات "
۳۔ عمرانیات "
۴۔ اخلاقیات "
۵۔ اسلامیات "
۶۔ تاریخ ——— وغیرہ ۔

✓ موضوع ——— علم
✓ موضوع ——— عمل

ریاست کا تشکیلی عنصر
•
•
•
•

واقعات کا سبب؟ تاریخی کا فوز؟

✓ "دورِ غلامی کے اثرات ۔" زوال کا کیا سبب ہے؟
ذہنی اطمینان ۔۔۔ کہ ہم نے اسلام پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔
"حالانکہ اکثریت جو سبب ہے ہمارے ملک کے تعلیمی [illegible] اسلام پر [illegible] دیے۔

Chapter III
...

(۴)

مستقبل میں مسلمانوں کے { تمام دنیا میں استعمار کی شکست کے بعد مسلمانوں کے دل و دماغ پر غلبہ کرنے پر صرف ہوں گے }

(i) اسلامی لیت اعتماد سے مکمل ختم ہو جائے۔ مارکس کا یہ یقینی
(نشاۃ ثانیہ)

(ii) اسلام کے قابل عمل ہونے کا اعتقاد ختم ہو جائے۔ اور دیگر افکار

(iii) عہد حاضر میں ← اسلام کی دنیا میں صحیح تشریح کی خلافت پر اعتقاد
عہد جدید میں
اور ایمان نہ رہے

۱) اسلام

• سیاست — جمہور / حاکم ربکم "منزل من اللہ" قانون کے مکمل تابع ہو کر

معاشرے میں اقدار حیات کے عادلانہ قیام تحفظ اور فروغ کیلئے کوشش کریں

• معیشت — اسلام
✓ (آمریت و ملوکیت سے بدلہ۔
✓ ردعمل کے طور پر جمہوریت سے بدلہ)

تخلیق و تقسیم دولت کیلئے ایسا ہمہ گیر تعاون کا عمل ہے جس سے معاشی ناہمواری و بے انصافی کا خاتمہ اس انداز سے ہو کہ نہ کوئی فرد کا جمعیت میں مقابلہ رہے اور نہ کسی کا تخلیقی و ارتقائی جذبہ معطل ہو۔ (اسکیلئے اشد ضرورت ہے کہ پوری معاشرتی زندگی کو ایک "وحدت" (اکائی) تصور کیا جائے)

پیداوار کی تقسیم سے معاشی توازن و استحکام لانے کی کوشش کی جاتی ہے
× (انفرادیت و سرمایہ داریت سے بدلہ
× ردعمل — اجتماعیت و اشتراکیت سے بدلہ)
ہے — حالانکہ اسلام نے وسائل پیداوار کی تقسیم کی تبلیغ ہے

(5) مغربی اقوام کے بالمقابل سیاسی پستی ← ذہنی شکست خوردگی ۔ فکری مرعوبیت ۔

یعنی اپنے دین کی نسبت اعتماد معطل ۔ برصغیر پر برطانوی استعمار کے غلبہ سے تغیرات ۔

اہل حق "عالم اسلام میں اساسی تغیرات" اہل باطل

(1) سیاسی تغیر ← الا ان حزب اللہ هم الغالبون ۔ انتم الغالبون

(2) معاشی تغیر ← بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین ۔ دیوثی

(سیاسی) (معاشی) (دیوثی)

3- قانونی تغیر ۔ ← تعطیل ۔ (تعزیرات کی معطلی) (شرعی عقوبتیں) (قطع ید)

4- عمرانی و معاشرتی تغیر

5- ثقافتی تغیر ۔

6- تعلیمی تغیر ۔ Secularization

ویسے ہی تغیرات تمام عالم اسلام میں رونما ہوئے ۔ معمولی فرق ہو سکتا ہے ۔

7 - مذہبی تغیر ← قرآن و سنت (وحی) سے اکتساب علم کس معتقد نہیں؟

سیاسی و معاشی تغیر سے غلبۂ حق ختم ۔ معیاری دین بحال نہ رہا ۔

قوت نافذہ جب تک باقی اسلامی فضائل موجود بالفعل اور محفوظ تھے ۔ [illegible] ختم ہو گئی

باقی نمبر 3-4-5-6 وغیرہ تمام تغیرات کا رونما ہونا منطقی نتیجہ تھا ۔

لہذا معمول بہ دین کے نفاذ کی قوت نہ رہی ۔ یعنی بحال نہ رہ سکتا ۔

(قوت نافذہ)

تحریف ۔ i. سیاسی غلبۂ حق ۔ یعنی سیاسی غلبہ بحوالہ کتاب و سنت

ii. عملی [illegible] سے شریعت ۔ طریقت ۔ مسائل کی [illegible] افتاد ۔

⑥ معمول بہ دین اور معیاری دین کا تعلق ۔ تقدم و تاخر (آیات ، احادیث ۔ بعد [illegible])

(اب یہ امر طے ہو سکے گا کہ سیاسی انقلاب مقدم ہے یا معاشرتی انقلاب)

● سیاسی انقلاب معاشرتی انقلاب پر مقدم ہے ۔ (مدلل بحث)

(سیرت رسول کا حوالہ ۔ ہجرت کا مقصد ۔ ۔ ۔ دیگر مفکرین کے نقطہ ہائے نظر ۔

یعنی معمول بہ دین کی بحالی اور انتشار انگیزی کے سبب ~~[illegible]~~ (سیاسی ذرائع) دین کو بحال کرانے کا جبر و جبر کی وجہ سے

یہ سیاسی انقلاب کا جبر تجدید ہے ۔

Chapter II

٭ "سیاسی انقلاب مقدم ہے اور سماجی و معاشرتی انقلاب اس کا نتیجہ ؟"

نہایت اہم اور غور طلب موضوع ۔ آیات ۔

(نزول کی جانب اشارہ)

① سورہ الحدید ۔ پارہ 27 ۔ آیت نمبر 25 ۔ (الکتٰب [۱] و المیزان [۲] و الحدید [۳])

② سورہ النور ۔ 18 ۔ 55 — 57 (استخلاف فی الارض ۔ مذہبی تمکن و استحکام)

③ سورہ الحج ۔ 17 ۔ 40-41 ۔ دفع اللّٰہ الناس ۔ تمکن فی الارض (سماجی فلاح) (اقامت دین)

④ طٰہٰ ۔ 16 ۔ 24-34، 43/44

⑤	سورہ بنی اسرائیل ۔	پارہ 15	آیت نمبر 80 ⑦	دعا (سلطاناً نصیرا)
⑥	۔ یوسف	13 ۔	54-55/56	واقعہ حضرت یوسف (تمکن فی الارض)
⑦	۔ یونس ۔	11 ۔	83/92 - (75) سارا واقعہ موضوع سے متعلق ہے	فرعون کے خلاف دائرہ میں حضرت موسیٰ ۔
⑧	۔ اعراف ۔	9 ۔	157 ۔	ایمان ۔ تعزیر ۔ نصرت ۔ اتباع
⑨	۔ نساء ۔	5 ۔	74-75 / 76 ۔	شرائط کامیابی
⑩	۔ انفال ۔	9 ۔	26 29	قتال برائے استعمال شدہ ظلم Program کا سلسلہ

"کلام موقف کے علاوہ ۔ سنت رسول ؐ کا بیان ۔ وہجرت مدینہ

آزادی ہے بیا کا — آزادی سے سیاسی انقلاب سے انقلاب نہیں نکل سکتے

" * Chapter III

ان حضرات کا سیاسی جدوجہد حتماً قطعاً اور یقیناً نتیجہ خیز ہوئی ۔ (التبدیلی)

محض ثواب اخروی کی امید اور دنیوی کامیابی ۔ ۔ ۔ کی نسبت بے یقینی (ناامیدی و مایوسی)

بعض لوگ ۔ فکر کا ذہنی شکست خوردگی کا نتیجہ ہے ۔

اپنی ناکامی و شکست کو اپنے پروگرام و تکنیک کی کمزوری و غلطی سمجھ کر

اپنے رویہ اور طریق جدوجہد پر نظر ثانی نہیں کرنا چاہتے ۔

(اور اپنی ناکامی کی خفت و ندامت کو چھپانے کیلئے انبیاء علیہم السلام پر دنیوی ناکامی کا الزام لگاتے ہیں ۔

(8) کامیابی و ناکامی کا تعین مقصد کے حوالے سے ہوتا ہے۔ مقصد کا تعین و تخصص ضروری ہے۔ پھر اس بنیاد کی نسبت کامیابی و ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

• اسلام محض اخروی فلاح و کامیابی کا ہی ضامن نہیں ہے بلکہ دنیوی کامیابی و کامرانی، عزت و عظمت اور غلبہ و اقتدار (اقامت دین بھی) دلانے کی بھی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ (احقاق حق و ابطال باطل)

انبیاء علیہم کے مقاصد اور نتائج کامیابی (25–123 آیت)

انبیاء کی کامیابی اپنے اپنے مقصد بعثت کی تکمیل ہے اور ناکامی عدم تکمیل ہے

① بعثت نوح علیہ السلام — نمبر 25 — سورہ ھود پارہ 12

سورہ ھود

(قوم کا اعتراض 3 اعتراضات آیت نمبر 27 — جواب آیت نمبر 31)

بعثت نوح — آغاز نمبر 37 — واقعہ طوفان نوح → منکرین پر عذاب (اس دنیا کی ذلت و تباہی)

نمبر 26-28 ← پارہ 29 — نوح نمبر

② بعثت حضرت ھود علیہ السلام — نمبر 50 — اپنے مقصد بعثت کی تکمیل آیت نمبر 57

منکرین کی ذلت و رسوائی — نمبر 58

پارہ 12/57

③ بعثت حضرت صالح علیہ السلام نمبر 61 — منکرین کی دنیوی ذلت و تباہی (عذاب) → نمبر 64-65، 66، 67

مقصد بعثت کی تکمیل

(٤) لعنتِ لوطؑ (قوم کو عادتِ شنیعہ سے منع کرنا) - نازیباں - منکرین کی تباہی
(برائیوں) نمبر ۸۰ — 83 (۹)

---

(5) لعنتِ حضرت شعیبؑ - نمبر ۸۴، ۸۵، ۸۶ - " وما انا علیکم بحفیظ "
نمبر ۸۸ " ان ارید الا الاصلاح ما استطعت "

منکرین کا ذلت و رسوائی - آیت نمبر ۹۴\95 - 35—39
(مقصدِ لعثت کی تکمیل) لقد آتینا موسیٰ الکتٰب
وکلا تبرنا تتبیرا ۔ الفرقان پارہ ۱۹

---

(6) لعنتِ حضرت موسیٰؑ - " خاص طور پر فرمایا " لقد ارسلنا ۔ نمبر ۹۶/۹۷
(بآیٰتنا و سلطٰن مبین)
ان کا مشن حضورؐ کے mission سے
کسی حد تک مماثل تھا۔
لہٰذا مقصدِ لعثت کی تکمیل - (قوم کا آزادی بن حاصل کی
تبلیغ مذھب بھی)
سورۃ الشعراء پارہ ۱۹ نمبر ۱۳۶—۱۴۳
مقصدِ لعثت - پارہ ۱ نمبر 43، 24، 67
ہود، ۹۸، ۹۹ یونس

---

(7) لعنتِ حضرت یوسفؑ کا اشارہ نمبر ۱۰ سورۂ یوسف پارہ 12
مقصدِ لعثت کی تکمیل - نمبر 55 " لا نضیع اجر المحسنین "
اور نمبر ۹۹-۱۰۰
منتخبات القرآن
(وما علینا الا البلٰغ)

(۸) مقصدِ بعثتِ محمدیؐ ـ غلبہ دینِ حق ـ اہلِ حق و اہلِ باطل کا تصادم ـ مرحلہ (۱۵)

(۱) مقصدِ بعثتؐ ـ توبہ ـ پارہ نمبر ۱۰ آیت نمبر 32/33 اور (۲) الفتح ـ پارہ ۲۶ آیت نمبر ۲۸

✓ مقصدِ بعثت کی تکمیل ـ المائدہ ـ پارہ نمبر ۶ آیت نمبر 3

✓ طریقِ تکمیل مقصدِ بعثتِ محمدیؐ ـ الانفال پارہ نمبر ۹ آیت نمبر 7/8

یہ منفرد مقصد صرف اور صرف حضورؐ کا تھا ـ اور آپ کی ہی تکمیل ہوئی ـ

سابقہ انبیاء کا مقصد صرف بلاغِ مبین و انذارِ مبین ـ اسمیں کامیاب ہوئے
منکرین کو ذلیل و رسوا کر دیا گیا تاکہ نئی نسلوں کیلئے عبرت ہو ـ
لہٰذا ان انبیاء کے مقاصد کی تکمیل ہو چکی ـ کامیاب ہو گئے ـ

✓ اب امتِ محمدیؐ کا مقصد محض ابلاغ و انذار نہیں
بلکہ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کیلئے غلبہ حق ہے ـ
سیاسی کامیابی و تمکن تاکہ اقامتِ دین ہو سکے ـ

((امتِ محمدیؐ کا مقصد مقصدِ محمدیؐ ہے دیگر انبیاء کا تسلسل و وراثت نہیں))

chap: IV

(11) پیروگرام کا نتیجہ جزی اور بیاں رہا عاریاں کی ضمانت نمبر (15) و (16) پہلے بیان کریں

(1) المائدہ ۔ پارہ 6 ۔ نمبر 56 ← (حزب اللہ هم الغالبون)

(2) الانفال ۔ پارہ 9 ۔ نمبر 29 تا 26 (عطاء فرقان کا وعدہ) یہ غلبہ حق میں ہو سکتا ہے۔

(3) الانفال ، نمبر 36 ۔

(4) " " نمبر 39 - 40 ۔

(5) " پارہ 10 ۔ نمبر 44, 45, 46 ۔ (مکتب تاکہ گھسنا کی مکتب ہو)

(6) " " نمبر 49

(7) " " نمبر 53 ۔ اور برعکس ۔ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"

(8) " پارہ 10 نمبر 60, 61, 62

(9) " " نمبر 65, 66 (وعدہ غلبہ)

Blood Bank 67

(10) التوبہ ۔ " نمبر 36 ۔ وعدہ معیت ← 32/33 (اظہار) دین حق

(11) ابراہیم پارہ 13 ۔ نمبر 1 15 — 12 ۔ بلاد و غلبہ حق

علیحدہ ہو کر ... نئی ریاست ... ذرائع ... رکاوٹیں ...

⑫ ✓ الحج - پارہ 17 - ⑫ عبر 15/11 — ✓ پارہ نمبر 2 البقرہ عبر 251 ↑ نرید — دفع الله الناس بعضهم ببعض ✓

⑬ " " عبر 40

⑭ " " عبر 55 - ([illegible] - ولا نزال)

⑮ محمد پارہ 26 عبر 35 ← انتم الاعلون

⑯ آل عمران - پارہ 4 - عبر 137, 138, 139 — (عزم بعد [illegible] جنگ کی ترغیب) — انتم الاعلون
140, 141

⑰ ✓ الفتح - پارہ 26 عبر 22, 23 — لن تجد لسنة الله تبديلا

⑱ الروم - پارہ 21 عبر 47
(حقا علينا نصر المومنين)

اشداء على الكفار — الفتح پارہ 26 عبر 29 -
المائدہ - پارہ 6 — [illegible] عبر 54/55

(13) پاکستان کا قیام اور اس کا آئینۂ لائحہ عمل —

(ریاستِ مدینہ کے حوالے سے)

((قیامِ مدینہ کی روشنی میں پاکستان کے ماضی و مستقبل کا جائزہ))

مسلمانوں کے مذہبی تشخص اور ملی انفرادیت کا مسئلہ

سیاسی / حکومتی ① مکہ میں کفار کی غالب اکثریت۔ حکومت کا جمہوری حق کفار مکہ کو۔ مسلمانوں کی سیاسی کمزوری۔

متحدہ ہند میں ہندو کی غالب اکثریت ״ کفار ہند کو ״ —

معاشی / پستی ② مکہ میں کفار کی گرفت تمام ملکی معیشت پر۔ مسلمانوں کی معاشی احتیاج اور پستی۔

متحدہ ہند میں تمام وسائل معیشت پر کفار کا قبضہ۔ مسلمانوں کی معاشی کمزوری۔

معاشرتی / پستی ③ مکہ میں کفار کی معاشرتی برتری و فوقیت۔ سماجی تفوق [illegible] کی آیت

مسلمانوں کی سماجی حالت ناگفتہ بہ۔ ہند میں پوزیشن شدید کمزور تھی۔

سرکارِ برطانیہ کا اصل حریف و مدمقابل مسلمان تھا۔ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی

لہٰذا مسلمانوں کو تمام اعلیٰ مناصب سے محروم رکھا گیا

(مذہبی تشخص اور ملی انفرادیت کا مسئلہ)

سیاسی۔ معاشی اور سماجی آزادی کے بغیر مذہبی و ملی تشخص کا قیام ناممکن تھا

لہٰذا آزاد و علیحدہ خطہ ارضی درکار تھا = قیامِ مدینہ

قیامِ پاکستان

(آیات و احادیث)

(14)

حدیث نمبر ۱ عن ابی ھریرۃ رض قال وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی وان قتلت کنت افضل الشھداء وان رجعت فانا ابوھریرۃ المحرر۔

نمبر 2۔ عن ثوبان مولی رسول اللہ رض / عصابتان من امتی حرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیھما السلام

(باب غزوۃ الھند۔ نسائی جلد دوم
P. 52)

(Reconquest of India for Islam)

نمبر 12

(Reconquest of Mecca for Islam)

* پارہ نمبر ۲ البقرہ ع ۱۹۱/۱۹۰

* (واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم ۔)

* فما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال ۔

(15)

مدینہ	پاکستان
④ مدینہ کی شہری ریاست کا قیام مخصوص افکار و نظریات کی بنا پر ـ جغرافیائی نسلی لسانی یا سماجی معاہدے پر نہیں ـــ لا الہٰ الا اللہ	④ قیام پاکستان کا مطالبہ بھی صرف فکری و نظریاتی بنیاد پر ـ نعرہ لا الہٰ الا اللہ
⑤ ریاست مدینہ کے وجود کو مکہ کی غیر مسلم قیادت نے تسلیم نہ کیا ـ مخالفت و مزاحمت ـ	⑤ ہندو کی غیر مسلم قیادت نے آج تک تسلیم نہیں کیا ـ مخالفت و مزاحمت ـ (جبکہ ہم نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا) دانستہ
⑥ کچھ مسلمان مکہ میں رہ گئے ـ ان کا جان و مال اور عزت و آبرو معرض خطر میں رہے ـ (یہاں تک کہ آزاد کرا لیا گیا)	⑥ کافی مسلمان ہندو (بھارت) میں رہ گئے ـ حالت نہایت ابتر ہے ـ (آزاد کرانا مقصود تھے) جس کی جانب توجہ نہیں کی گئی [illegible]
⑦ مدینہ غیر مسلم اقلیتیں موجود تھیں یہود و نصاریٰ وغیرہ ([illegible] لائحہ عمل مرتب کیا گیا)	⑦ یہاں بھی ہندو غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں (جن میں کچھ موجود پاکستان کی دشمنی میں پیش پیش) توجہ مبذول نہ کی گئی ـ ~~[illegible] لائحہ عمل مرتب کرنا [illegible]~~ نہیں
⑧ مدینہ منافقین Apportunists شروع سے موجود تھے ـ جنکی نقل و حرکت پر نظر رکھی گئی	⑧ یہاں بھی دل لیے موقع پرست ہیں جو ملکی نظام سالمیت کو داؤ پر لگا دیا [illegible] حاصل کرنا پاکستان میں ـ

(16)

(9) مہاجر و انصار دو گروہ مفادات کا تصادم نہ ہو سکا - قیادت قرآنی	(9) دو گروہ لیکن رہنما ہم (تصادم کا خطرہ رفع نہ ہو سکا) قیادت صحیح نہ تھی - ذہنی اصلاح نہ ہوئی
(10) دو عالمی طاقتیں - روم و ایران (قیصر و کسریٰ) اہل عالم کو خطرہ	(10) دو عالمی طاقتیں - اہل عالم کو خطرہ روس امریکہ Socialist Block Capitalist Block
(11) دونوں عالمی طاقتوں کا بغض و عناد اور عداوت و مخالفت ریاست مدینہ سے - اندرونی سازشوں اور بیرونی حملوں کے ذریعے نقصان	(11) دونوں طاقتوں کی اسلام دشمنی کھلی حقیقت ہے - پاکستان کو ہر طرح سے نقصان - اندرونی سازشیں - اور بیرونی حملے
(12) Reconquest of Mecca for Islam کی جدوجہد جاری رہی	(12) (Reconquest of India for Islam کی جدوجہد مطلوب ہے - یہی شرط لگتا ہے -
آیات	احادیث

14 (13) دونوں بلاکوں (تہذیبوں) میں سے کسی ایک میں بھی مدغم نہ ہونے - اپنے تشخص و انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے نئے بلاک کا قیام

اور ان استحصالی و طاغوتی طاقتوں کے ساتھ غیر مصالحانہ انقلابی جنگ

(13) دونوں بلاکوں میں (11) مدغم ہونے سے بچا رہا ہے - (اپنے تشخص و انفرادیت کا شعور پیدا نہیں ہوا)

نئے بلاک (Muslim Block Islamic Common Wealth) کا قیام عمل میں لایا جائے

اور عالمی سیاست کے اجاروں سے غیر مصالحانہ انقلابی جنگ

عہدِ نبوی میں - اہل مکہ کے ساتھ نسلی لسانی اور جغرافیائی و وطنی اشتراک و وحدت کے باوجود اس فرسودہ تصور قومیت کو ٹھکرا دیا اور اہل مدینہ کے ساتھ محض دینی عقیدہ اور نظریاتی یگانگت کی بنیاد پر رشتۂ وحدت میں منسلک ہو گئے (نئی قومیت وجود میں آگئی)

متحدہ ہند میں ہندوؤں کے ساتھ نسلی لسانی جغرافیائی اشتراکات کے باوجود جداگانہ قومیت کا تصور پیش کیا۔ اور ایمانی اشتراک کو اساس قومیت قرار دیا۔

دو قومی نظریہ

واقعہ (بیعت عقبہ ثانیہ)

⑱ خونی انقلاب (To wage progressive wars) under Chap. VI

~~Blood Revolution~~ to eliminate the Aggressors

① كتب عليكم القصاص في القتلى — البقرہ - پارہ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۷۸، ۱۷۹

② ولكم في القصاص حيوة يا اولي الالباب -

(یعنی ظاہر کے اعتبار سے انفرادی انطباق ہے مگر اطلاق عمومی قومی زندگی پر)

(قصاص وانتقام قومی زندگی کی بقا اور تحفظ کی شرط اولین ہے)

③ پارہ نمبر ۲ — البقرہ ع ۱۹۳ — ۱۹۰

(وقاتلوا في سبيل الله —
واقتلوهم حيث ثقفتموهم —
وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة —)

↓

(واقتلوا الکفر کیونکہ حیث وجدتموهم)

④ " — البقرہ ع 214 — 2nd

(خون کی قربانیاں دیئے بغیر مقدس مقاصد کا حصول ناممکن ہے
اور اندر میں جنت نصیب ہوگی۔)

⑤ — البقرہ ع 216 — 218

كتب عليكم القتال —

⑥ پارہ نمبر ۲ البقرہ ع 243, 244, 245, 246 (حضرت موسیٰ کے بعد قوم بنی اسرائیل کا حال)

⑦ ع 247 = 252

249 / 250, 251

تمدن کا استحکام ۔ جمود و استبداد کے نتائج ۔ امن و عدل کے لیے حق کی بنیاد ۔ انقلابی جنگ کا یہ مقصد ہے ۔

(۷) ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ——— لفسدت الارض ۔)

پارہ نمبر ۲ البقرۃ ع 251 (Necessity of Wars — Revolutionary)

(۸) پارہ نمبر ۱۷ الحج ع 40

(۹) پارہ نمبر ۲ البقرۃ ع 154 تا 157 ۔ (شہادت ۔ مصائب ۔ قربانیوں کا اجر)

(۱۰) پارہ نمبر ۵ النساء ع 72–74, 75–76 — 77 (جانی قربانی سے گریز — عالمی انقلاب میں) حکم قتال

(۱۱) 〃 〃 ع 84 ۔

(۱۲) 〃 〃 ع 88–91 (علامات منافقین درباره انقلابی جنگ (حکم قتال) حکم قتال

(۱۳) 〃 〃 ع 95–96

(۱۴) پارہ نمبر ۶ المائدہ ع 21–26 قوم موسیٰ ۔ ارض فلسطین کی حکم عدولی اللہ

(۱۵) 〃 المائدہ ع 54–56 ۔ (خصائص انقلابیین) (غیر مصالحانہ انقلابی جنگ کا معیار)

(16) ۔ 10 ۔ الانفال ع نمبر ۔ 39 (تاکہ فتنہ باقی نہ رہے ۔)

(17) 〃 〃 ع نمبر 60 ۔

(18) ۱۰ توبہ ع نمبر 5 (عہد شکنی کرنے والے مشرکین (قتال)

(۱۹) 〃 〃 ع نمبر 12–16 ۔ (20) ع نمبر 23–24

(29) اللہ رسول اور جہاد (التوبہ) ۔ تمام دنیا و مافیہا سے عزیز تر ہونا ۔

(20) پارہ ۱۰ توبہ نمبر ۲۹ ۔ غیر مصالحانہ القتال (قتال) جنگ

(22) ۱۰ انفال نمبر 65/64 (حرمت والے ماہ { ذوالقعدہ ۔ ذوالحجہ ۔ محرم ۔ رجب }) (ذی قعدہ)

(23) (حرض المومنین علی القتال) ۔

پارہ ۱۰ توبہ ۔ نمبر 39 ۔ 38 (اگر کوئی قوم خون سے گریز کرے گی تو اس کو ختم کر کے اور قوم کو غلبہ دیا جائے گا) (خون کا نذرانہ شرط ہے قوموں کی زندگی کے لیے)

(24) " توبہ نمبر 73 ۔ منافقین سے جنگ (معاندین و منافقین کا انجام)

(25) " " نمبر 81 ۔ 95 ۔ (جنگ سے گریز ۔ معذرت کا بہانہ) ۔ القعدین شناعت ۔ منافقین کا مغفرت ۔ القعد و جاہدین کی فضیلت

{ ومن یقنط من رحمۃ ربہ الا الضالون } رحمت حق سے مایوسی گمراہوں کا شیوہ ہے

(26) 17 ۔ الحج ۔ نمبر 39 ۔ مظلوموں کو ظالم کے خلاف جہاد

(27) 17 - الحج - ع 67 (لکل امۃ جعلنا منسکاً) (21)
(24 آیات)

(28) 17 [illegible] ع 77-78 (جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم)

(29)

سورہ محمد - پارہ ۲۶ - ع 3,4
{ ذالک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل
وان الذین آمنوا اتبعوا الحق - }
تضاد حق و باطل -
(لیبلوکم بعضکم ببعض)

سورہ محمد پارہ 26
بنا تب اہم ہے
(اسکا موضوع سے متعلق ہے)
اور سورہ الفتح بھی
پارہ 26

"الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیماً و یستبدل قوماً غیرکم
ولا تضروہ شیئاً واللہ علی کل شیئ قدیر"

(22) اقوام کے عروج و زوال کی حرکت مستدیر Chap. VII
جو تاریخی قانون سے متعین ہوتی ہے۔

(دائرہ عروج و زوال)
اور تاریخی آیات

→ جبکہ نتیجہ میں i. Definition of Loyalty.
ii. Integration of Groups
+ iii Decisiveness of clash.
کی ضمانت ہیں۔

مقصدِ بعثتِ محمدیؐ و غایتِ نزولِ قرآن
مفہومِ تکمیلِ دین و خاتمیتِ محمدیؐ -
} Chap. VIII (23)

خلاصہ اس کا یہ ہے

(مقصدِ بعثت جمیعًا نوشتہ ہو چکا

* یہ کونسی حتمی شکل یعنی تدبیر و تکنیک ہے جس سے غلبۂ حق کی امید ممکن ہے

✓ - پروگرام - پانچ نکاتی طریقِ انقلاب

(Five fold Technique of revolution)

1. تصادم تعیین - Determination of conflict.
2. نتیجہ خیزی کی ضمانت. Guarantee of decisiveness.
3. قبل از وقت تصادم کا التواء - Postponement of Pre-mature clash.
4. انقلاب کے ردِ عمل - Reactions of revolution.
5. ہر ردِ عمل کا جواب - Policy as regards to every reaction.

● تضاد کا مسئلہ ۔ تضاد کا بنیادی شرط ہونا یا تضاد کی ہی نوعیت کو متعین کرنا

(٢٤) ✳ کیوں ضروری ہے؟ ✳ تضاد کی اساس ۔ قرآن کا الفرقان ہونا ہے

۱ ۔ لبعضکم لبعض عدو ۔۔۔ ۔ (پارہ ۱ ۔ البقرہ ع 36)

2 ۔ اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء ۔۔۔ (۱ ۔ البقرہ ع 30)

▪ ۔ (علم لیکن شعور مقصد + خونریزی و فساد) محاربہ

انی اعلم ما لا تعلمون

3 ۔ و لولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض ۔۔۔ ۔ (پارہ 2 البقرہ ع 251)

4 ۔ دفع اللہ الناس بالناس ۔۔۔ (۱۷ الحج ع 40)

5 ۔ و کذلک جعلنا لکل نبی عدواً شیٰطین الانس و الجن (۸ ۔ الانعام ع 113)

6 ۔ عدواً من المجرمین (۱۹ ۔ الفرقان ع 31)

7 ۔ یرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکافرین

(الانفال ۔ پارہ 9 ع 7,8)

8 ۔ اتباع حق > اتباع باطل ۔ (پارہ 26 ۔ محمد ع 3,4)

9 ۔ اطفاء نور حق > اتمام نور حق ۔ ۔ (پارہ ۱۰ ۔ توبہ ع 32,33)

10 ۔ ✳ کولنالتضاد ۔ (تصدیق و تکذیب کا بالالت تضاد)

• نتیجہ خیزی کی ضمانت ۔ (عمل اور رد عمل کا اصول) (کل)

آیات ۔ ۱۔ لا تھنوا و لا تحزنوا ـــــ الاعلون ۔ (پارہ ۴۔ آل عمران
ع 139)

۲۔ (پارہ 26 ۔ محمد ع 35)

" فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون ۔
واللہ معکم ولن یترکم اعمالکم ۔

3 ۔ "ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا و
لا نصیرا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا"

(پارہ 26 ۔ الفتح ع 22,23

• پروگرام برائے التواء تصادم ۔ (اصول مؤلفات کی روشنی میں)
نفع بخشی اور نفع رسانی کا پروگرام

• رد عمل ۔ تین گروہ انقلابی ۔ رجعت پسند ۔ مصلحت کوش

• طریق کار ۔ انقلابیوں ـــ حوصلہ افزائی
رجعت پسندوں ـــ کو قوت سے دبانا
مصلحت کوشوں ـــ کو expose کرنا (بے نقاب کرنا)

۷ علم اور فکر میں فرق ——— فکر کی اہمیت

۱ تحریک کے مراحل خمسہ

(دعوت، تنظیم، تربیت، تحریک، انقلاب)

سورۃ المائدہ

(آیات: ۱۲ — ۱۶)

پانچ مراحل

پارہ ۱۰

سورۃ توبہ عناصر اربعہ

(آیت: ۲۳)

۱ تعلق باللہ — توبہ: ۲۳

۲ رابطہ رسالت

۳ انقلاب

۴ الحاد

انقلاب — آیت: ۲۰

انقلاب — آیت: ۲۶، ۲۵

(آیت: ۲۴)

(۱) آل عمران 103 پارہ 4

الانعام (160) پارہ 8

قل ان کان آباءکم

احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد

درس: ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ———

انقلاب (آیت — ۳۲ — ۳۴)

۳۳، ۳۶، ۳۸

اصطلاح انقلاب اور قرآن

"لفظ انقلاب، تقلب"

لغوی معنی بدلنا، پلٹنا۔

1. محمود معنی میں استعمال۔ سعد آل عمران (3): 144
2. " الانشقاق (84): 9
3. " (تقلب) البقرہ (2): 144
4. " الشعراء (26): 219
5. الزخرف (43): 14 — الاعراف (7): 125

Continued

توبہ ←
۱۱ب: ۳۹، ۴۰، ۴۱،

غلبۂ دین حق

(اسلام کو عالمگیر نظام)

۱- مقصد کا تعین اور اس کی صراحت ہو، کامل ایمان (اسلام کو عالمگیر ...)

۲- راہ کار صحیح کی نشاندہی

۳- مقصد کی عالمگیریت

۴- کا مبادی کا حتمیت یقینی (عزم راسخ) یقین سے حاصل ہو

۵- طریق کار کا صحیح تعین

۶- طریق کار کی ہمہ گیریت

(i) سیاسی سطح پر

(ii) معاشی سطح پر

(iii) معاشرتی سطح پر

اخلاقی، روحانی اور دینی انقلاب کی بنیاد

سیاسی انقلاب ، معاشی انقلاب ، سماجی انقلاب

مسائل ، فقہ ، تصوف

(عقائد، اعمال، اخلاص) کی اصلاح

ضمیمہ نمبر ۳

تحریر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مُنتخباتُ القرآن"

"منتخب نصابِ قرآن"

البرهان علیٰ سبیلِ الرشادِ والاتقان

[illegible]

الاحقر
محمد طاہر القادری

ضمیمہ نمبر ۴

تحریر قائد انقلاب (محررہ ۱۹۷۳ء)

1 MONDAY JANUARY

اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ذہن کو انقلابی فکر
سے شناسائی ہوئی ۔

۱۹۷۱-۷۳ء میں بمقام شعبہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

2 TUESDAY

استاذی المکرم ڈاکٹر برھان احمد
فاروقی
ایم اے پی ایچ ڈی (علیگ)
کے خیالات سے مستفید ہوا

اسی دوران
کارل مارکس، لینن، سٹالن، ماؤزے تنگ

3 WEDNESDAY

اور بعض دیگر غیر مسلم انقلابی رہنماؤں کی
تصانیف کا مطالعہ کیا مگر تشفی نہ ہوئی
امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی
نظریات سے استفادہ کیا ۔

4 THURSDAY JANUARY

دورِ جدید میں سے جمال الدین افغانی

مفتی محمد عبدہ، حسن البنا نے انقلابی (علامہ رشید رضا)

رجحانات کی آبیاری کی (تحریک کو آگے، مولانا عبیداللہ سندھی)

مگر خالص انقلابی نقطہ نظر سے قرآن و سنت

کی روشنی کا مطالعہ کیا ہے

5 FRIDAY

بالآخر ملت اسلامیہ کا

غلبہ و عظمت بحال کرانے کیلئے

"عالمی انقلاب" کو اپنا

مطمح نظر اور مقصد زندگی بنا لیا

6 SATURDAY 7 SUNDAY

زندگی کو وقف انقلاب کرنے کا حلف قبلہ باطن

سیدی و مرشدی طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی (بغداد)

کے دستِ اقدس پر بصورت بیعت اٹھایا

8 MONDAY JANUARY

یہ بیعت انقلاب [redacted]

روز بدھ بتاریخ 26 جولائی 1972ء

مطابق 14 جمادی الثانی 1392ھ

بوقت 12.30 دوپہر بمقام دربار غوثیہ

9 TUESDAY

شارع اکیلڈی کوئٹہ منعقد ہوئی ۔

حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی مد ظلہ

نے بیعت سے پہلے "انقلاب" کے سلسلے میں

چند ہدایات فرمائیں ۔ اور بیعت

اور سرمایہ طمانیت ثابت ہوئی

10 WEDNESDAY

کے بعد عزم و استقلال ،

ہمت و جرأت اور کامیابی و کامرانی کی

دعا فرمائی ۔ اسکے فوراً بعد یہیں

11 THURSDAY JANUARY

- مولانا برھان احمد فاروقی کی تربیت نے انقلابی فکر کے ذریعے شعور مقصدیت عطا کیا۔
- چائنیز کمیونسٹ پارٹی کے چیرمین ماؤزے تنگ کی تصانیف نے انقلابی ولولہ اور جوش پیدا کیا۔
- جمال الدین افغانی کے افکار نے میری

12 FRIDAY

وفاداریوں کو وسعت بخشی اور میں نے

- علامہ اقبال سے قلندرانہ ملت اسلامیہ سے عشق اور جذبہ جنوں کا سبق دیا۔

اسلامی انقلاب

- تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلابی جدوجہد کے صحیح خدوخال متعین کیے

13 SATURDAY 14 SUNDAY

روحانی مبشرات نے عملی جدوجہد کا حوصلہ پیدا کیا

- اور قرآن مجید نے بالآخر غلبہ حق کی حتمی، قطعی اور یقینی ضمانت مہیا کی

مسئلہ کو جنیت مسلم ملی سطح پر سوچنے کا عزم کیا۔

15 MONDAY JANUARY

میں نے اپنے ملک میں معاشرتی بے انصافی
اور معاشی استحصال کا نقشہ دیکھا۔
میں نے ہر فرد میں کارفرما خود غرضانہ
ذہنیت اور مفاد پرستانہ رجحانات
کے اسباب و علل کا کھوج لگانا

16 TUESDAY

چاہا۔
میں نے بارہا اس سوال پر اپنی توجہ
مرکوز کی کہ انسان ذاتی مفاد کے تنگ
حصار سے باہر کیوں نہیں نکلتا۔ تعلیم یافتہ
طبقہ بھی محدود وفاداریوں کے بندھنوں میں

17 WEDNESDAY

جکڑا ہوا ہے۔
ہماری درسگاہوں کی فضا اس قابل کیوں
نہیں کہ وہ طلبہ کی فکر کو بلند پرواز
دے سکے۔ پیارے نوجوان خودی و
ملی تشخص و انفرادیت کی اہمیت سے

18 THURSDAY JANUARY

کیوں ناواقف ہیں انہیں اپنی تہذیب و
ثقافت کو بین الاقوامی سطح پر فروغ
دینے کی تڑپ کیوں نہیں ہے۔
ہمارے معاشرے کے تمام افراد انفرادی و

19 FRIDAY

اجتماعی سطح پر بے مقصدی اور
عیش کوشی کا شکار کیوں ہیں۔ زیور
تعلیم سے آراستہ ارباب ذہنی و فکری
التباس و انتشار میں کیوں مبتلا ہیں۔
وہ اپنے اندر باطل نظام حیات سے انکار

20 SATURDAY 21 SUNDAY

کر لینے کی جرأت کیوں نہیں رکھتے
وہ غالب مغربی اقوام کی اسلام دشمنی
پر مبنی منصوبوں اور عالم اسلام کو ذلیل و
رسوا کرنے کے پروگراموں سے بے خبر
کیوں ہیں۔

22 MONDAY JANUARY

اور ملت اسلامیہ کے زوال و انحطاط کو از سر نو
انجام کار عروج و ترقی میں کیونکر بدلا جا سکتا ہے۔
میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس دن معاشرے میں
اسلامی اقدار اور اخلاقی عناصر کا شیرازہ

23 TUESDAY

منتشر ہو چکا ہو وہاں پر
فرد اپنے مقاصد و مفادات محض خود غرضی
کے ذریعے پورا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں
لہذا جب سارا نظام معاشرت و معیشت
یکسر بدل کر ایک نوعیت کا نہ ہو جائے

24 WEDNESDAY

کہ ترک خود غرضی سے ہر فرد کے
مفادات از خود پورے ہونے لگیں
اور حقوق از خود بتمام و کمال ادا ہونے
لگیں اسوقت تک کوئی بھی ذاتی مفاد کے

25 THURSDAY JANUARY

تنگ حصار سے باہر نہیں لائیگا ۔
ہر شخص مطالبہ کے ذریعے اپنے حقوق
پورے کرائیگا اور اس کا رویّہ خود غرضی
و شخصی مفادات کا تحفظ کرے گا ۔

26 FRIDAY

نتیجۃً کسی کو کسی سے ہمدردی و بہی خواہی
نہ ہوگی ۔ کوئی شخص ایثار و قربانی
اور نفع بخشی و فیض رسانی انسان کے
کیلئے تیار نہ ہوگا ۔ معاشرے میں

27 SATURDAY 28 SUNDAY

اخوت و محبت
کا فقدان ہوگا
زیادہ عیار اور چالاک لوگ
زیادہ دولت سمیٹ کر سرمایہ دار
بن جائینگے اور سادہ و غریب لوگ

29 MONDAY JANUARY

بنیادی ضروریات سے محروم ہو کر افراد
کے دست نگر بن جائینگے - اس طرح
معاشرہ اضمحلال و اضلال کا شکار
ہو جائیگا - افراد عیش و عشرت کے

30 TUESDAY

باعث اخلاق و [illegible]
سے دور ہو جائیں گے اور غربا بر
معاشی پریشانیوں کے باعث مذہب
سے متنفر ہو جائیں گے اور یوں معاشرہ
لادینیت کا مرکز بن جائے گا

31 WEDNESDAY

یہ منطقی عمل ہمارے معاشرہ میں
25 برس سے ہو رہا ہے اور کوئی قیادت
بھی اصل مرض کی تشخیص کر کے صحیح علاج
نہیں کر سکی - اگر اجتماعی زندگی کے تمام

1 THURSDAY **FEBRUARY**

اداروں میں تحریک عمل "مطالبہ حقوق"
کی بجائے "ادائیگی حقوق" و "ادائیگی فرض"
قرار پا جائے تو ووٹ نافذہ کے ذریعے
اس اصول کو عملاً رائج کیا جائے تو

2 FRIDAY

معاشی کشمکش کا ناگوار نشان مٹ جاتا
ہے۔
لیکن یہ کام "انقلاب" کے بغیر
ممکن نہیں ہے۔
[illegible] انقلاب کوئی کھیل نہیں [illegible]

3 SATURDAY 4 SUNDAY [illegible]

اس میں جان کی بازی اور تن من دھن
کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہ عظیم مقصد
بغیر خون دیئے حاصل نہیں ہو سکتا۔

20/3/73

5 MONDAY FEBRUARY

میں چاہتا ہوں کہ سرزمین پاک احیائے اسلام کیلئے عالمی انقلاب کا مرکز بنے یہاں زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب بپا ہو جائے۔ فکر و عمل کے پیمانے بدل جائیں۔ یہاں امن و سلامتی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو۔

6 TUESDAY

یقینی و اوہام پرستی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ محنت و مشقت ہر فرد کا زیور ہو دیانت و خلوص ہر شخص کی پالیسی ہو۔ پھر پوری دنیائے اسلام متحد ہو کر "اسلامک

7 WEDNESDAY

بلاک" یا "اسلامک کامن ویلتھ" کا قیام عمل میں لائے۔ اور دین حق پھر ماضی کی طرح شان و شوکت کے ساتھ عالم انسانیت کا رہنما و رہبر بن جائے۔

[illegible]

8 THURSDAY FEBRUARY

میں غریب مظلوم بیکس اور انقلاب زدہ انسانیت
کی فلاح و نجات اور عروج و ترقی صرف اور صرف
"اسلام" کے ذریعے ممکن سمجھتا ہوں۔
اور اسلام کا احیاء ایک زبردست

9 FRIDAY

ہمہ گیر "انقلاب" کے بغیر ممکن نہیں۔
انقلاب میرا ایمان ہے اور
"عظیم عالمی انقلاب" میری زندگی کا
واحد مقصد ہے۔

10 SATURDAY 11 SUNDAY

میں خود کو وقف انقلاب کر کے ملت اسلامیہ
کے احیاء کی خاطر اسلام دشمن طاقتوں کے
خلاف دلوانہ وار جنگ کروں گا۔ ان شاء اللہ
مجھے دنیا کی کوئی طاقت اس عظیم مقصد

12 MONDAY FEBRUARY

کیسے جدوجہد سے باز نہیں رکھ سکتی ۔ اور
تہذیبی مادیت کا زبردست چیلنج اپنے مشن
سے منحرف کر سکتا ہے ۔ میں نے ایک
مرتبہ خدا کا مقدس صحیفہ "قرآن مجید"

13 TUESDAY

اٹھا کر اور دوسری مرتبہ بائیبل
آقائے طالقانی والی پرچم کے ہاتھ میں
کہ تو دیکر خدا کے حضور شکر ادا کیا ہے
خدا کے فضل و احسان سے یقیناً "انقلاب"
آئے گا

14 WEDNESDAY

ایران میں گو زبردست عالمی انقلاب
نہیں ہے مسلم قوم کی تقدیر بدل جائے
گی ۔ یہ انقلاب آ کر رہے گا
اور تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرے گی

15 THURSDAY FEBRUARY

لوگ ہمارے عزائم سنکر ہمارا استہزاء کریں گے
ہمارا تمسخر و تضحیک لوگوں کی عادت ہو
گئی ہے۔ مگر انشاء اللہ جلد ہی انکے رویے
بدل جائیں گے۔ دنیا والوں کا شعور

16 FRIDAY

مزاق ہمارے پائے استقلال میں
تزلزل پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ وقت
دور نہیں جب "وانتم الاعلون"
"الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" کی

17 SATURDAY 18 SUNDAY

عملی تفسیر دنیا کے سامنے آ جائے
گی۔ اللہ رب العزت ہمارے اندر ایسے ولولوں
کے عزائم میں مزید پختگی پیدا کرے اور
ہمیں اپنی مدد و نصرت سے نوازے آمین

ضمیمہ نمبر ۵

جدول عروج وزوال (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)

اقوام کے عروج و زوال کا حرکت مسلسل

جو تاریخ کی دنیا سے میں ...

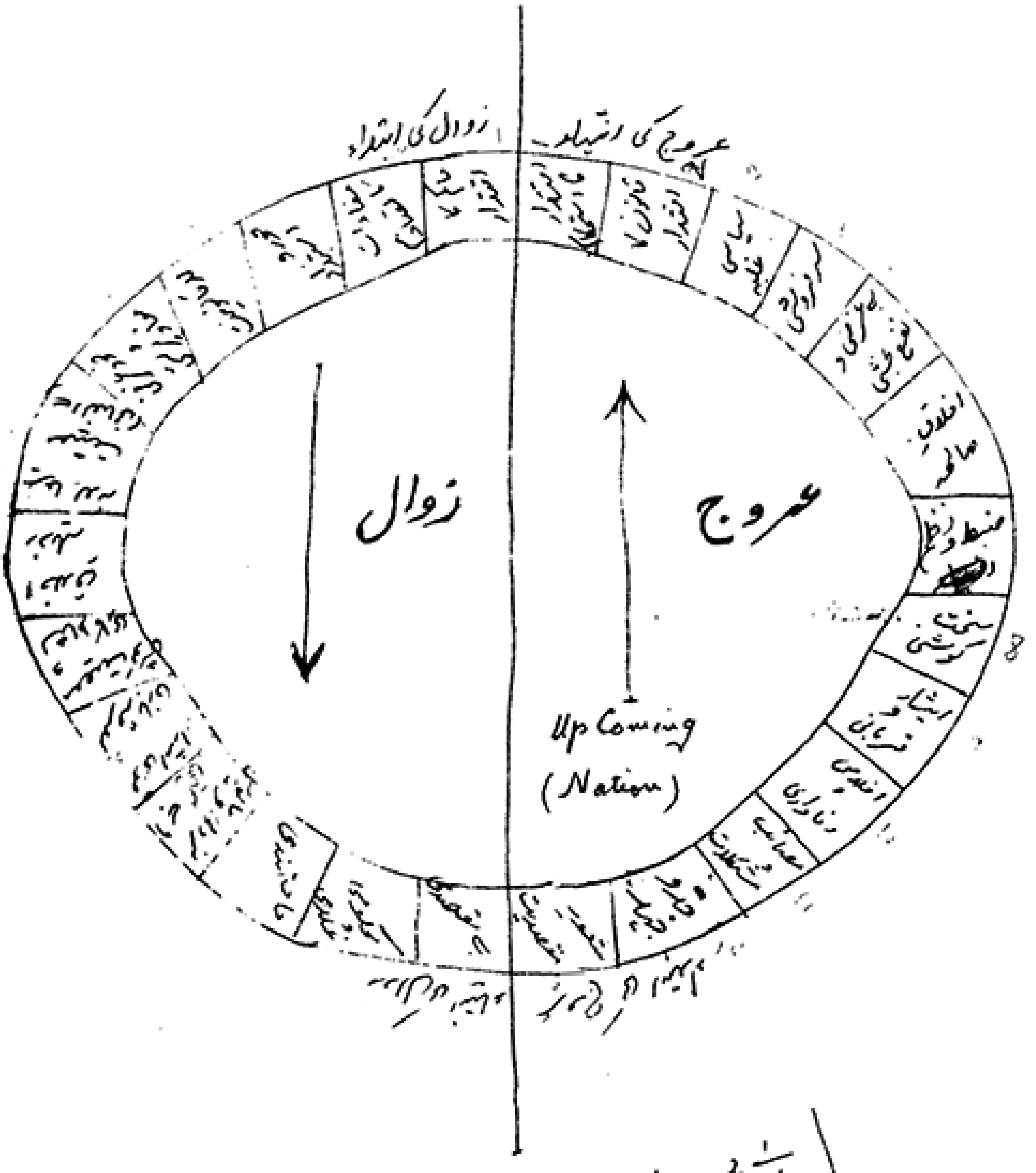

Prepared on 2/1/76

ضمیمہ نمبر ۶

مکتوب علامہ اقبال

۲۸ مارچ ۳۷ء

جناب راغب صاحب

آپ کا خط مع بیانات ابھی ملا ہے۔

آپ کی تحریک نہایت مبارک ہے۔ مگر مجھے خبر نہیں کہ عام طور پر جانے

انگریزی ترجمہ قرآن کا کرنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ اس وقت تک

انتظار کیجیے کہ جب تک انگریز خود اپنے طریق پر مطالعہ کرنے کے لیے انگلستان

سے ہندوستان نہ آئیں۔ قرآن کا ترجمہ جدید ہندوستانی فارسی اور

اردو میں شائع کرائیے اور عام طور پر اشاعت ضروری ہے۔ ہر ایک غیر مسلم جو اب

مسلمان ہو چکے ہیں بیانات وغیرہ اور تصدیق وغیرہ کو شائع کرائیے تا کہ

دنیا معلوم ہو کہ اس تحریک کا اثر کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ قلب تقلید یہاں بھی ہو گی

یا ملکی ہے دنیا کا ہر مسلمان اس تحریک کو اپنی عزت اور حقیقت اپنا فرض کرے۔

جب میں نے خواب میں دیکھا تھا ایک سیاہ رنگ کا بیل جو گھوڑوں پر سوار ہے

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ ملک ہو گا۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ

مسلمانوں میں ہر گروہ جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ مرزا گھوڑے پر سوار دریائے احمد ہے

کیا عجب کہ یہی تحریک ہر جگہ شروع ہو جائے۔ اس امر پر غور کرنا ضروری ہے آپ کو غور کرنا ہو گا

اور دنیا کو اپنی تحریک کے مقاصد کا انتظار نہ ہو گا۔ مرزا کا وقت ابھی نہیں آیا۔

مدت سے وقت ضرورت۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال — لاہور

۲۸ مئی ۱۹۳۱ء

جناب راغب صاحب ۔

السلام علیکم

آپ کا خط مع میثاق ابھی ملا ہے ۔

آپ کی تحریک مبارک ہے ۔ کچھ عجب نہیں کہ عالم گیر ہو جائے ۔ انگریزی ترجمہ کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں ۔ اس وقت تک انتظار کیجئے کہ جب کہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے کے لئے انگلستان سے ہندوستان آئے ۔ فی الحال اس کا ترجمہ جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرائیے اور ممکن ہو تو اہل زبان سے ۔ پھر ایک خبر کی صورت میں ممالکِ اسلامیہ میں اس میثاق و قواعد و مقاصد وغیرہ کو شائع کرائیے تاکہ ان ممالک میں اس کی تخم ریزی ہو جائے ۔ غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہو گی یا ممکن ہے ان ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرے ۔

مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے ۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں ۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے ۔ عربی گھوڑے سے مراد روحِ اسلاف ہے ۔ کیا عجب کہ وہی تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے ۔ ابھی اور بھی امور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہوگا اور ان کو اپنی تحریک کے مقاصد کے اجزا بنانا ہوگا ۔ مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا ۔

قومی سرمایہ کی سخت ضرورت ۔ افسوس مسلمان امرا پر حبِّ مال غالب ہے ۔

مخلص محمد اقبال ــ لاہور

ضمیمہ نمبرے

نظریہ تصوف کے حوالے سے قائد انقلاب کا مکتوب مرتب کے نام

HFTAS

(Halqa-e-Farogh-e-Takhliqi Adab-o-Sahafat)

ہفت آس

(حلقہ فروغ تخلیقی ادب و صحافت)

Founder Ch. Organiser: Tahir Hameed Qadri
Founder Organiser: Muhammad Akhlaq Khan

Ref No. —

Dated: 19.4.94

حضور قائد دین شیخ الاسلام دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپکے قیمتی اوقات و مصروفیت میں مخل ہونے پر معذرت کے ساتھ درج ذیل امور میں آپ سے رہنمائی کا ملتمس ہوں:-

۱) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں کونسا نظریہ اقرب الی الحقیقۃ ہے؟

۲) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے اپنی کتاب "Mujaddid's Conception of Tawhid" میں جو لکھا ہے اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

اگرچہ یہ مکتوب آپکے قیمتی اوقات کی تضییع کا سبب ہے مگر حضور قدوۃ الاولیاء سے نسبت نے ہر جسارت کا حوصلہ دیا اسی لیے امید ہے جواب ضرور عنایت فرمائیں گے:

[illegible] نصیب!

والسلام مع الاکرام

سگ آستان [illegible]

طاہر حمید تنولی (9460 N)

19.4.94

شاہد

فون: [illegible]

ادارہ منہاج القرآن

[illegible]

۳۶۵- ایم ماڈل ٹاؤن - لاہور (پاکستان)

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تاریخ: 19/5/96

حوالہ نمبر: ....

محترم عامر حسین قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب موصول ہوا جسے پڑھ کر قائد محترم نے فرمایا ہے کہ

"میں وحدت الوجود کا قائل ہوں۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی اکثریت (خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ سے قبل) اسی کی قائل رہی ہے۔ میرا اپنا مشرب بھی یہی ہے۔

"اصل میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلاف و نزاع کے حوالے کو میں نزاع لفظی سمجھتا ہوں۔ میری رائے میں یہ ایک ہی حقیقت کو دیکھنے کے دو مختلف زاویے ہیں۔ جو موقف اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کی تفہیمات اور دیگر رسائل میں بیان کیا گیا ہے میں اسی سے متفق ہوں۔"

باری تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

والسلام مع الاکرام

خادم تحریک

محمد سلیم

سیکرٹری